مولانا سید سلمان حسینی ندوی

خطباتِ سیرت

ناشر شعبہ نشر و اشاعت

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی انسٹی ٹیوٹ (جامعہ سید احمد شہید)
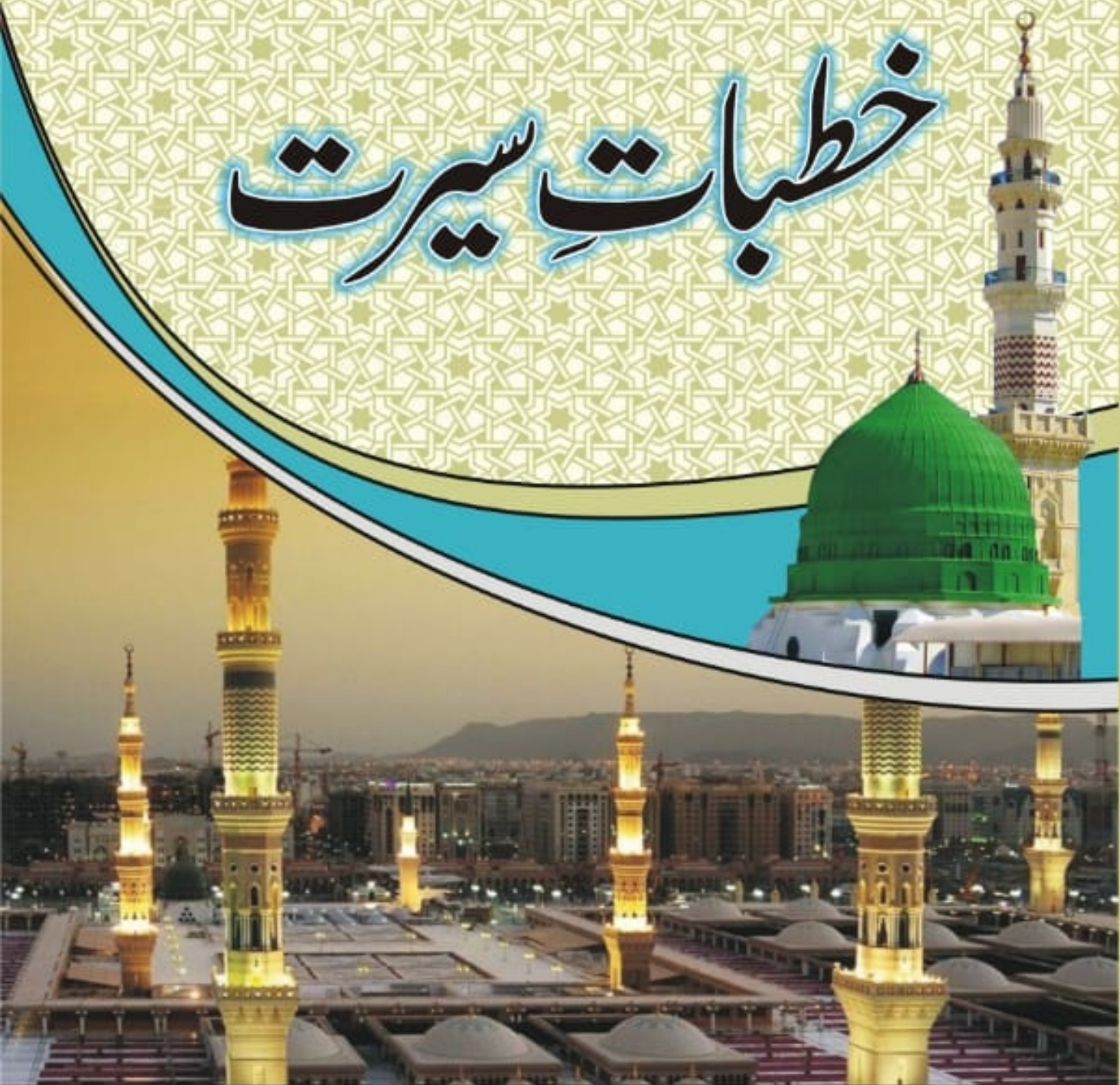
خطباتِ سیرت

مولانا سید سلمان حسینی ندوی

ناشر

شعبۂ نشر واشاعت :

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی انسٹی ٹیوٹ (جامعہ سید احمد شہید)

احمد آباد (کٹولی) ملیح آباد، لکھنؤ

تفصیلات کتاب

نام کتاب:	خطبات سیرت
نام مصنف:	مولانا سید سلمان حسینی ندوی
کمپوزنگ:	باہتمام محمد عبدالرشید ندوی
	ندوہ کمپیوٹر سینٹر دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
طابع وناشر:	شعبہ نشر واشاعت
	مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی انسٹی ٹیوٹ
	جامعہ سید احمد شہید، احمد آباد (کٹولی) ملیح آباد، لکھنؤ
سنہ اشاعت:	جنوری ۲۰۲۰ء
تعداد:	۱۰۰۰/ ایک ہزار
صفحات:	۳۹۶
قیمت:	۴۰۰/ چار سو روپئے

ملنے کے پتے

"مکتبۃ الشباب" برولیا، ٹیگور مارگ، لکھنؤ۔
"مکتبۃ ندویۃ" پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔
"مکتبہ اسلام" گوئن روڈ، لکھنؤ۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادئ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقاں، وہی یاسین وہی طہ

(علامہ اقبال)

فہرست

{پیش لفظ}

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، اما بعد۔

سیرت رسول اکرم ﷺ کی عظمت، ہیبت، رفعت، جلالت شان، اور علو مرتبہ کا جب بھی تصور کرتا ہوں، تو اس کی ہمت بھی نہیں کرسکتا کہ اس پر قلم اٹھاؤں، پھر سیرت نبوی ﷺ پر لکھنے والوں کی فہرست پر جب نگاہ ڈالتا ہوں، تو تاباں اور درخشاں کہکشاؤں کے سامنے اپنے آپ کو ریگستان کا ایک مہمل ذرہ پاتا ہوں، جس پر کہکشاؤں کے مہ تابوں کی جو کرنیں پڑیں وہ بھی اس میں جذب نہ ہوسکیں، لیکن اسی کے ساتھ اکرم الاکرمین اور ارحم الراحمین -تعالیٰ شانہ- کے اس فضل وکرم پر شکر گذار ہوں کہ ابتدائے طالب علمی ہی سے دربار نبوی ﷺ میں غلامانہ حاضری کا شرف عطا فرمایا، کتب سیرت میں ''رحمۃ للعالمین'' از علامہ سید قاضی سلیمان منصور پوریؒ شوق وذوق سے پڑھی، اور ''کاروان مدینہ'' از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جو اسکے تاثرات کا عکس جمیل ہے، جوش اور لذت کام ودہن کے ساتھ پڑھی، سیرت النبی از علامہ شبلیؒ ومولانا سید سلیمان ندویؒ کا مطالعہ بھی حرفاً حرفاً کیا، اور کتب سیرت کے صدف سے علوم ومعارفِ قرآن وسنت کے گہر نکالنے اور ان سے انسائیکلو پیڈیائی ہار تیار کردینے کا فن سلیمانی بھی دیکھا، اور پھر النبی الخاتم از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے البیلے اسلوب نے تو مست شراب الست کردیا، نبی رحمت از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تحقیقات نے آنکھیں کھولیں، اور ان کے علاوہ عربی اور اردو میں جومیسر آیا پڑھا۔

عربی درجات میں طالب علمی ہی کے ایام میں سیرت کے چھوٹے چھوٹے جلسوں میں بیان کی سعادت بھی نصیب ہونے لگی، ۷۵-۱۹۷۴ء کی بات ہے کہ سیرت النبی اور میلاد النبی ﷺ کے جلسوں کے انعقاد کا اہتمام کرنے والوں اور ان میں بطور جشن کے شرکت کرنے والوں کے لئے ایک رسالہ ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے لکھ کر جمعیت شباب اسلام کی طرف سے شائع کیا، جس میں درد واثر کے ساتھ روایتی جلسوں جلوسوں سے نکل کر سیرت نبوی ﷺ پر عمل کی پرزور طالبعلمانہ دعوت دی گئی تھی، اور اس کے بعد اپنے شہر لکھنؤ اور دیگر متعدد شہروں اور دیہاتوں کے، اگر کہا جائے کہ ہزاروں جلسہائے سیرت میں اسی پیام کو دہرانے کا مبارک موقعہ ملا، تو مبالغہ نہ ہوگا، لیکن اس سب کے باوجود سیرت نبوی ﷺ پر کسی کتاب تو کیا! تحقیقی مقالہ

لکھنے کی نہ جرأت تھی نہ ہمت۔

شہر بنگلور کے بعض عمائدین لائق شکر وقدر ہیں کہ انہوں نے خطبات بنگلور کے سلسلہ کے آغاز کے لئے ۱۹۹۵ء-۱۹۹۶ء میں باصرار مجھے دعوت دی، اس سے پہلے بنگلور کے وسیع وعریض میدان میں سالانہ جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں میرا خطاب ہو چکا تھا، لیکن میں اپنی کم علمی کی وجہ سے خطبات کی دعوت قبول کرنے کا فیصلہ نہ کر سکا، آخر خطبات بنگلور کا سلسلہ مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سے ۱۹۹۶ء سے شروع ہوا، دوسرے سال مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے گراں قدر خطبات ہوئے، پھر ۱۹۹۸ء میں سنٹر فار آبجکٹیو اسٹڈیز کی دعوت پر میرے تین خطبات ہوئے جو ''خطبات بنگلور'' کے عنوان سے شائع بھی ہو چکے ہیں۔

ادھر الامین کالج کی طرف سے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تین خطبات کا مطالبہ پروفیسر جناب عطاء اللہ صاحب پرنسپل الامین کالج کی طرف سے اتنا پرزور ہوا کہ معذرت کی کوئی گنجائش نہ رہی، آخر بتاریخ ۲۷ ر نومبر ۱۹۹۷ء کو بنگلور میری حاضری ہوئی اور تین دن بتاریخ ۲۸ / ۲۹ / ۳۰ ر نومبر بعد نماز مغرب الامین کالج کے وسیع ہال میں تین خطبات ہوئے، سہ روزہ اجلاس میں علماء وفضلاء، عمائدین اور اعیان شہر کے علاوہ بڑی تعداد میں عوام کی شرکت ہوئی، میں نے خطبات کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کو تین ادوار میں تقسیم کر لیا، ماقبل نبوت کا دور، مکی دور، اور مدنی دور۔ تاکہ تین خطبات میں سیرت پر بیان مکمل ہو جائے، دو دن تقریباً ڈھائی ڈھائی گھنٹے خطاب ہوا، اور تیسرے دن تین گھنٹہ کا خطاب اختتامی تھا، ظاہر ہے کہ یہ تقریریں صرف بعض تحریری اشاروں اور نوٹس کی بنیاد پر، کسی تحقیقی مقالہ کے قائم مقام کہاں ہو سکتی تھیں !!، جب کہ دعوتی واصلاحی مقاصد سیرت کے واقعات کے دوران احوال واقعی میں بھی الجھا دیتے تھے، اور دعوت کے آہنگ اور لب ولہجہ کے ساتھ مواد بھی دعوتی نوعیت کا پھیلتا چلا جاتا تھا، بہر حال یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل خاص تھا کہ تین راتوں میں تینوں موضوعات کسی نہ کسی طرح مکمل کر لئے گئے، جن کے کیسٹس کا سیٹ بھی تیار ہو گیا۔

اسی وقت سے یہ خیال رہا کہ کیسٹس سے تقاریر نقل کر لی جائیں اور ان پر نظر ثانی کر کے اور ذیلی عنوانات کے ساتھ ترتیب دے کر شائع کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اور خوش وخرم رکھے عزیزم مولوی عبد المتین بھٹکلی کو جنہوں نے رات ودن ایک کر کے کیسٹس سے تقریریں نقل کیں اور میں نے ان پر نظر ثانی شروع کی، تقریر وتحریر کی زبان اور مواد کے فرق نے اصلاحات کے عمل کو اس قدر بڑھایا کہ بسا اوقات صفحات کے صفحات تبدیل کرنے پڑے، کام بڑھتا گیا اور تدریس اور دعوتی دوروں کی مشغولیت بار بار سد راہ بنتی

رہی، لمبے لمبے ناغے رہے، طویل ناغہ ہوتا تو طبیعت سرد ہوجاتی، پھر کام شروع ہوتا اور رکتا، جب عہد مدنی کے لکھنے کا مرحلہ آیا، تو تقریر در کنار، تحریری مواد مستقل طور پر تیار ہونے لگا، اور تیسرا باب پھیلتے پھیلتے تقریباً سوا دو سو صفحات پر ممتد ہو گیا، جب کہ اس سے پہلے کے دو باب ایک سو پچاس (۱۵۰) صفحات میں سمٹ آئے۔

میں نے خطبات کی تیاری کے لئے زیادہ تر اپنے پیش نظر زاد المعاد، سیرت النبی اور رحمۃ للعالمین، کو رکھا تھا، لیکن خطبات کو قید تحریر میں لانے کے دوران میں نے ''اصح السیر'' از مولانا عبدالرؤف دانا پوری سے جا بجا استفادہ کیا، شاہ مصباح الدین شکیل صاحب کی بھی سیرت احمد مجتبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی مفید کڑیاں ہاتھ لگیں، معاصر عرب مورخ وسیرت نگار ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی کی کتاب ''**السيرة النبوية: عرض وقائع وتحليل أحداث**'' (سیرت نبوی، واقعات نگاری اوران کا تجزیہ) سے مختلف مواقع پر روایات کی تحقیق اور ''**فقه السيرة**'' (واقعات سیرت کے فہم اور استنباط میں) فائدہ اٹھانے کی اپنی سی کوشش کی۔ مجھے مقامات سیرت کے جغرافیہ اور ان کے نقشوں کی بڑی فکر تھی، میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب مجھے برادرم مولانا عبدالعزیز بھٹکلی کے ذاتی کتبخانہ سے ڈاکٹر شوقی ابوخلیل کی چشم کشا کتابیں ''اطلس القرآن''، ''اطلس الحدیث'' اور ''اطلس السیرۃ النبویۃ'' اوران کے اردو تراجم از شیخ الحدیث حافظ محمد امین خاص طور پر سیرت نبوی کا جدید ترین اٹلس مل گیا، میں نے مقامات کو سمجھنے اوران کے نقشوں سے کتاب کو مزین کرنے کا بھرپور فائدہ اٹھایا، قاری کو ان نقشوں سے ''مغازی وسرایا'' کو سمجھنے کی جو مدد مل سکتی ہے، وہ کسی واقف کار پر مخفی نہیں ہے، میں کتاب کے مصنف اور مترجم دونوں کا بہت شکرگزار ہوں، یقیناً انہوں نے یہ سرمایہ تحقیق افادۂ علم کے لئے ہی پیش کیا ہے، امید ہے کہ میں بھی اس افادہ عام کی راہ کا ایک ادنی معاون ہوں۔

خطبات میں حوالہ جات وحواشی کا اہتمام نہیں ہو پاتا، خیال تھا کہ خطبات جب ''مقالات'' کے قالب میں ڈھلیں گے، تو ضروری حواشی اور حوالہ جات دے دیئے جائیں گے، لیکن یہ کام بھی خاصا طویل تھا، جس کے لئے وقت نہ نکالا جاسکا، اور خطبات اپنے مضامین کے اعتبار سے خطبات ہی رہے، ہاں میری پوری کوشش رہی ہے کہ کمزور روایتوں کا سہارا نہ لیا جائے، اور وہی بات درج کی جائے جو ثابت ومستند ہو، ممکن ہے کہ اس معیار پر بعض اندراجات پورے نہ اترتے ہوں، قارئین سے درخواست ہے کہ ایسے مقامات کی نشاندہی فرما کر ممنون فرمائیں۔

میں نے اس کتاب پر مقدمہ کے لئے ڈاکٹر سید سلمان ندوی - زیدت معالیہ - سے درخواست کی وہ

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے فرزند ارجمند ہیں، ان کے علوم اور بالخصوص ان کے معارف سیرت کے وارث ہیں، انگریزی اور اردو میں سیرت نبوی ﷺ پر ان کے لکچرز دنیا کے مختلف ملکوں کی موقر یونیورسٹیوں میں ہوتے رہتے ہیں، ادھر قریب میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں ان کے جو آٹھ خطبات ہوئے تھے، ان میں سے چھ خطبات، ''خطبات سیرت'' کے عنوان سے زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں، وہ نہ صرف واقعات سیرت کے حافظ ہیں، بلکہ موضوع سیرت کے فقیہ صاحب استنباط بھی ہیں، میں ان کا منت کش ہوں کہ از راہ مہربانی وخورد نوازی انہوں نے کتاب کا ایک مقدمہ تحریر فرمادیا، اسی طرح مولانا عیسیٰ منصوری دام مجدہ کا بھی بہت ممنون احسان ہوں وہ بڑے رواں اور شاداب قلم کے نہ صرف مالک ہیں، بلکہ بڑا شاداب ذہن اور قوی حافظہ بھی رکھتے ہیں، اور حالات زمانہ پر مبصرانہ نگاہ، انہوں نے بھی کتاب کی قیمت بڑھانے کے لئے ایک قیمتی مقدمہ عنایت فرمادیا، اللہ تعالی اس کرم فرمائی پر دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ان خطبات کے بارے میں میرا آخری معروضہ یہ ہے کہ سادہ اور آسان زبان میں طلباء اور عام قارئین کے لئے سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ایک ایسا مجموعہ ہے جو اگرچہ موضوع سیرت کی تشنگی کو تو دور نہیں کرسکتا، اور اس کو احاطہ تحریر میں لانے کا اس کا ادنیٰ مرتب تصور بھی نہیں کرسکتا، لیکن سیرت کے بہت سے گوشوں سے سبق لینے، فائدہ اٹھانے، کچھ اخذ کرنے اور کچھ ٹھہر کر سمجھنے اور دور حاضر میں اسوۂ نبوی کو برتنے کی دعوت دیتا ہے۔

قارئین سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ جب بھی ان کے دل میں انگڑائی لے تو اس ناچیز کے حق میں بھی اتباع سنت کی سعادت کی دعا ضرور فرمادیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین
وصلی اللہ تعالی علی النبی الامی و الہ وسلم

ہیچمدان
سلمان الحسینی
۲۰ / ربیع الاول ۱۴۲۶ھ

مقدمہ

مولانا محمد عیسیٰ منصوری صاحب

چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم لندن

مولانا سلمان الحسینی دامت برکاتہم نے ساؤتھ انڈیا بنگلور کی الامین سوسائٹی کی دعوت پر تین خطبے دیئے جو ''خطبات سیرت'' کے عنوان سے کتاب کی صورت میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی انسٹی ٹیوٹ (جامعہ سید احمد شہید احمد آباد کٹولی) ملیح آباد لکھنؤ کی طرف سے شائع ہو رہے ہیں، ان خطبات میں مولانا نے سیرت کا عطر پیش کیا ہے، یہ خطبات اپنی ہمہ گیریت، معنویت، اور حسن ادا میں بے مثال ہیں ایسے اچھوتے، البیلے، اور دلنشین انداز میں ہیں کہ پڑھنے والا اس کی چاشنی و کشش میں جذب ہو جاتا ہے۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت قرآن کی عملی تفسیر ہے، اسی لئے قرآن وسنت کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت بھی مشعل راہ، بھٹکی انسانیت کیلئے منارۂ نور اور ہر دور کے مسائل واحوال میں رہنما ہے، مگر سیرت پیش کرنے کے لئے جہاں ایک طرف قرآن وسنت میں گہری بصیرت و رسوخ فی العلم کی ضرورت ہے وہیں دوسری طرف موجودہ دور کے تقاضوں اور ضروریات سے کما حقہ واقفیت بھی ضروری ہے، اور سامعین پر خطابت کا اثر اسی وقت ہوتا ہے جب خطیب پر اتباع سنت کا رنگ چڑھا ہوا اور اس کے دل ودماغ اور حواس پر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت واطاعت پوری طرح مستولی ہوگئی ہو، الحمد للہ مولانا سلمان الحسینی قرآن وسنت کی گہری بصیرت اور رسوخ فی العلم کے حامل ہیں، قرآن وحدیث ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، تقریباً پچیس سال سے بھارت کی عظیم اسلامی علوم کی درس گاہ ندوۃ العلماء میں تفسیر وحدیث کا درس دے رہے ہیں، دوسری طرف عصری تقاضوں اور ضروریات، مغرب کے نظریات وافکار، ازم ونظامہائے حیات پر ناقدانہ نظر اور مجتہدانہ بصیرت کے حامل ہیں اور سیرت نبوی علی صاحبہا الف الف تحیات، قال سے گزر کر ان کا حال بن گئی ہے، عشق نبوی ان کی رگ وپے میں سرایت کر گیا ہے، گذشتہ چھ سال سے انگلینڈ کے دوسرے بڑے شہر برمنگھم میں منعقد ہونے والی سالانہ سیرت کانفرنس میں جو خطاب

فرماتے ہیں، سال بھر اس خطاب کا چرچا رہتا ہے، جب آپ سیرت کے کسی پہلو پر بیان کرتے ہیں تو علوم کے دریا بہادیتے ہیں اور محسوس ہوتا ہے، کہ شاید یہی پہلو وموضوع مولانا کا اختصاص ہے، انداز بیان اس قدر دلکش وسحر انگیز ہوتا ہے کہ مجمع پر سکینت ونور کی ایک چادر تن جاتی ہے، ہر شخص بقدر ظرف سیراب ہوتا ہے۔

آپ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے نواسے اور بہت سی صفات وکمالات میں آپ کے صحیح وارث وجانشین ہیں، اہل نظر اول روز ہی سے اس حقیقت کو محسوس کر رہے ہیں چنانچہ جب آپ سعودی عرب کے جامعہ امام محمد بن سعود سے اعلی دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد واپس آئے، ان دنوں دار المصنفین اعظم گڑھ میں اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر ایک سیمنار منعقد ہوا جس میں عالم عرب اور برصغیر کے چوٹی کے صاحبان علم وفضل، ممتاز اسکالرز ودانشور موجود تھے وہاں مولانا سلمان الحسینی کے عربی سے اردو اور اردو سے عربی برجستہ ترجمانی کے جوہر دیکھ کر جناب سید صباح الدین عبدالرحمنؒ نے مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی سے کہا اب اللہ نے آپ کا جانشین پیدا کر دیا ہے ہماری آپ کے بعد کی فکر بڑی حد تک دور ہوگئی ہے''۔

مولانا سلمان الحسینی پر اللہ کا خاص الخاص فضل وفیضان ہے، ان کی خاندانی وراثت واثرات، خاندانی تربیت، اہل اللہ سے طویل صحبت واستفادہ نے ان کے فکر ومطالعہ کو نورانیت سے معمور کر دیا ہے، اور ان کی صلاحیتوں کو جلاء بخشی ہے، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد طاہر صاحب منصور پوریؒ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ قدس سرہ کے شروع دور کے خلفاء اجلاّء میں تھے، لیکن آپ پر اخفاء ذات وفنا کا ایسا غلبہ تھا کہ تا حیات اپنے کو پردۂ خفاء میں رکھا حتی کہ کسی کو بیعت بھی نہیں فرماتے تھے، اسی طرح ہمارے مولانا سلمان صاحب اس دور کے برصغیر کے اہل اللہ وبزرگان دین کے منظور نظر ہیں اور انہیں ان کی خاص شفقت وعنایات حاصل ہیں، آپ کے شیخ حضرت مولانا شاہ نفیس الحسینی مدظلہ العالی کی زبان مبارک سے بندہ نے انتہائی بلند الفاظ میں آپ کی صلاحیتوں اور استعداد کا اعتراف وتذکرہ سنا ہے۔

خوش قسمتی سے مولانا نے کچھ عرصہ سے تحریر کی طرف توجہ مبذول کی ہے، ایک سال کے مختصر عرصہ میں عربی کے متعدد رسائل وکتب کے علاوہ اردو کی آدھ درجن کے قریب کتب منصۂ شہود پر جلوہ گر

ہو چکی ہیں، جن میں ''خطبات بنگلور'' - ''ہزارۂ سوم کی قیامت صغریٰ'' - ''ہمارا نصاب تعلیم کیا ہو؟'' - ''امانت کا قرآنی تصور'' اور موجودہ ''خطبات سیرت'' کی پہلی جلد شامل ہے۔

سوء اتفاق سے عصر حاضر کے بعض مفکرین اہل قلم اور فاضل شخصیات پر سیاست معیشت اور اجتماعیت کا رنگ غالب ہے چنانچہ انھوں نے اسلام کی ساری تشریح سیاسیات، اجتماعیت، اور معاشیات اور ریاست کی تشکیل کے تحت کر دی ہے، بقول ہمارے کرم فرما اور حیدرآباد کے معروف مفکر و دانشور مولانا موسیٰ بھٹو کے :

''اسلام کی حقیقی نصب العینی فکر کو ثانوی حیثیت دے کر سیاسیات و معاشیات و سماجیات اور دیگر نظریات جیسی خارجی چیزوں پر اسلامی فکر کی بنیاد رکھ دی ہے'' جس کی وجہ سے اسلام کی فکر کے مرکزی نکات، رضائے خداوندی، تعلق باللہ، فکر آخرت، تقوی و طہارت، فرد کے قلب و قالب کی اصلاح اور پاکیزہ اخلاق و صفات کے حصول پر کما حقہ توجہ نہ دے سکنے کی وجہ سے اسلام حال کے بجائے قال، اور قلمی مباحث کی چیز بن کر رہ گیا ہے، نہ افراد کا رتیار ہو پاتے ہیں اور نہ معاشرہ کو صلاح و تقوی کے رنگ میں رنگنے کی شعوری کوشش ہوتی ہے، جس کی وجہ سے افراد اسلامی نظام کی تسبیح ضرور پڑھنے لگتے ہیں مگر اندرون میں اتھاہ تاریکی و اندھیارا چھایا رہتا ہے، انسانی نفس صحرا کے ذرات کی مقدار منزل کھوٹی کرنے کیلئے کید و مکر رکھتا ہے، اس سے بچنا صحیح تعلیم و تربیت، صحبتِ صالح اور تزکیہ کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔

یہ ایک بین حقیقت ہے کہ برصغیر میں امام ولی اللہ دھلویؒ علوم ظاہر و باطن کے امام تھے، آپ جیسی جامع الصفات دوسری شخصیت نظر نہیں آتی جنھوں نے علوم نبوت و روحانیت کے ساتھ ساتھ تمام فقہی مسالک، تصوف کے طرق اور مکاتب فکر کے درمیان جمع و تطبیق کے ذریعہ ملت اسلامیہ کے مختلف طبقات کو فریق کے بجائے ایک دوسرے کا معاون بنا کر پیش کیا ہو، بیسویں صدی میں مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کو یہی جامعیت عطا کی گئی تھی جس کی وجہ سے آپ نے پورے عالم اسلام، عرب و عجم، مشرق و مغرب، قدیم و جدید غرض تمام طبقات پر گہرے اثرات و نقوش چھوڑے، بھارت کے معروف دانشور و صاحب قلم جناب وحید الدین خان نے (جن کی اسلاف پر حد سے بڑھی ہوئی تنقید

کے سبب ان کی فکر سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا) حضرت مولاناؒ کے وصال پر آپ کو صدی کی شخصیت قرار دیا تھا، اگر چھوٹا منھ بڑی بات نہ سمجھی جائے تو بندہ یہ کہنے کی جسارت کرے گا کہ موجودہ دور میں نہ صرف برصغیر بلکہ عالم عرب اور عالم اسلام میں مولانا سلمان الحسینی کی فکر و دعوت، جہد و کاوش، تقریر و تحریر کو جو پذیرائی و رسائی اور قبولیت حاصل ہوئی ہے اسے دیکھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ اس دور میں اللہ تعالیٰ کو آپ سے خاص کام لینا ہے ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ''۔

گذشتہ ۴۰-۴۵ سال سے بندہ کی برصغیر خاص طور پر بھارت کے اہل علم و فضل و ارباب فکر و دانش سے آگاہی کی شعوری کوشش رہی ہے، اس لئے اپنی معلومات کی حد تک اس وقت برصغیر میں مولانا سلمان الحسینی جیسی ہمہ گیر و ہمہ جہت شخصیت دوسری نظر نہیں آتی جس کے پاس علم و عمل، تقوی و احتیاط، بصیرت و فکر، انکساری و فروتنی کے ساتھ ایک مؤثر طاقتور اور عصری اسلوب سے ہم آہنگ قلم بھی ہے، اور تحریر میں علم و فکر کی گہرائی و جاذبیت بھی موجود ہے، دوسری طرف آپ خطابت و تقریر کے بے تاج بادشاہ ہیں جس موضوع پر خطاب کرتے ہیں محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہی موضوع آپ کا اختصاص ہے، مطالعہ نہایت وسیع ہے بندہ نے بارہا محسوس کیا کہ مسلمانوں کے ملی مسائل پر مولانا کا تجزیہ اور رائے ایسی ہوتی ہے جو سارے دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کی رائے پر بھاری ہوتی ہے، اور بارہا یہ بھی دیکھا کہ انگلینڈ و یورپ کے تھکا دینے والے پروگراموں اور سفروں میں آدھی رات کے قریب جب بستر پر جانے کا موقع ملا تو استراحت کے بجائے ڈائری لکھنے اور کسی کتاب کے پڑھنے میں مصروف ہیں، ابھی حال ہی میں ۲۶رمئی ۲۰۰۸ء کی صبح کو سعودیہ ائر لائن سے واپسی ہے مگر رات بھر امریکہ کے معروف اسکالر و مصنف پال فنڈلے کی معرکۃ الآراء اور ضخیم کتاب ''اسرائیل کی دیدہ و دانستہ فریب کاریاں'' پڑھ ڈالی۔

بندہ نے محسوس کیا کہ مولانا کی طبیعت پر ان دنوں یکسوئی و تنہائی، لوگوں اور مجمع سے اور بیانات و تقاریر سے ایک طرح کی وحشت کی کیفیت طاری ہے، شاید آپ یکسوئی کے ساتھ تصنیف و تالیف پر توجہ دینا چاہتے ہوں، لیکن انہیں چاہئے کہ اپنے عظیم المرتبت نانا مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے طرز پر عمل پیرا رہ کر اس کیفیت کو حد اعتدال سے آگے نہ بڑھنے دیں، کیونکہ آپ کے سحر انگیز خطاب سے

ایک دنیا متمتع ہورہی ہے، یہ بھی آپ پر خدا تعالیٰ کی خاص وہبی نعمت ہے، خاص طور پر آپ کو عربی خطابت میں جو طلاقت لسانی وقدرت بیانی حاصل ہے میری معلومات کی حدتک برصغیر میں یہ بھی آپ کا اختصاص ہے، یہاں انگلینڈ میں بعض عرب روز ناموں کے معمر مدیر صاحبان اور اسکالرز نے آپ کا عربی بیان سن کر بے ساختہ کہا کہ اتنا جامع وموثر بیان زندگی میں پہلی بارسنا، آپ نے نہ صرف بھارت کے اکابر علماء واہل اللہ سے علمی وروحانی فیض حاصل کیا بلکہ اہل عرب کے جید اکابر علماء ومحدثین اور اہل فضل وکمال شیخ عبدالفتاح ابوغدہ اور شیخ یوسف قرضاوی وغیرہ وغیرہ سے نہ صرف علمی استفادہ کیا ہے بلکہ ان شخصیات نے مولانا سلمان صاحب کی استعداداور صلاحیتوں کو بلندترین الفاظ میں سراہااور خراج تحسین پیش کیا ہے، حال میں آکسفورڈ کے علمی واسلامی سینٹر کے ممتاز فرد مولانا اکرم ندوی زید مجدہ نے عربی میں مولانا کی شخصیت واسناد پر کتاب مرتب کی جو دارالقلم دمشق سے طبع ہوئی ہے۔عرصہ سے ہمارا وطیرہ بن گیا ہے کہ کسی شخصیت سے زندگی میں استفادہ ورہنمائی حاصل کرنے کے بجائے اس کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد مرثیہ خوانی کرتے رہتے ہیں، مولانا اکرم ندوی نے اس فرسودہ روایت کو توڑ کر بہت اچھا کیا، خدا کرے ہمارے نوجوان علماء اور جدید تعلیم یافتہ حضرات مولانا سے خاطر خواہ فائدہ اٹھاسکیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان خطبات کو نافع بنائے اور مولانا کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور انھیں نظر بد سے اور اصحابِ حقد کے شر سے محفوظ فرمائے، آمین یارب العالمین۔

محمد عیسیٰ منصوری
۵؍جولائی ۲۰۰۴ء

تقریظ

از: ڈاکٹر سلمان ندوی دام مجدہ

(خلف الرشید حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی اور سیرت طیبہ کے قبولیت عام کا وعدہ تو خود قرآن پاک ہی نے ''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ'' کہہ کر کر دیا ہے، اس لئے تعجب نہ ہونا چاہئے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح اور ان کی سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں پر اور ان کے متنوع پہلوؤں پر لاکھوں کی تعداد میں دنیا کی مختلف زبانوں میں تحریریں موجود ہیں اور یہ سلسلہ تو تا قیامت رہے گا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہمارے عزیز گرامی مولانا سید سلمان الحسینی الندوی -جن سے مجھے کئی نسبتوں سے تعلق شدید ہے- کی ''خطبات سیرت'' پیش نظر ہے۔ مولانا نے انہیں نسبتوں کی بناء پر مجھ سے اصرار کیا کہ چند سطریں ان خطبات کے بارے میں لکھوں، مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف ہے مگر مولانا کو اپنے حسن ظن پر اصرار ہے، حالت سفر میں عجلت میں یہ چند سطریں امتثالاً پیش ہیں۔

یہ خطبات تین ادوار سیرت پر مشتمل ہیں، پہلا خطبہ تو ما قبل نبوت سے متعلق ہے اور دوسرا خطبہ مکی دور کی سوانح کے بارے میں ہے اور تیسرے خطبہ کا تعلق ہجرت مدینہ کے بعد کے حالات زندگی سے ہے، ان خطبات کی دو خصوصیتیں قابل ذکر ہیں، پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ بجائے اصحاب سیر ومغازی کے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کو اصل ماخذ بنایا گیا ہے، سیرت کے اصل ماخذ تو قرآن وحدیث ہی ہیں، مستشرقین نے عام طور پر سیرت کے بارے میں قرآن وحدیث کے بجائے مغازی

وتاریخی کتب کو اصل ماخذ مان کر کتابیں لکھی ہیں اسی لئے انہوں نے قدم قدم پر ٹھوکر کھائی ہے۔
دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ان خطبات کی زبان بہت سہل اور عام فہم رکھی ہے، اس طرح ان خطبات کو مجموعی طور پر قبولیت عام انشاء اللہ حاصل ہوگی، ہمارے مدارس وجامعات میں ان خطبات کو سیرت کے موضوع کے اعتبار سے نصابی کتابوں میں شامل کیا جانا چاہئے، ان خطبات میں بہت ہی منظم طور پر منطقی انداز میں واقعات سیرت پیش کئے گئے ہیں، اس طرح یہ خطبات جدید وقدیم دونوں ہی طبقوں سے تعلق رکھنے والے اصحاب وتلامذہ کے لئے نفع بخش ہوں گے، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ مولانا کے ان خطبات کو قبولیت عام بخشے اور اس سے سب کو استفادہ کا موقع ملے۔

وما توفیقی الا باللہ

سید سلمان ندوی
حال مقیم لسٹر، برطانیہ
۲۳؍جون ۲۰۰۴ء

پہلا خطبہ

پہلا خطبہ

الحمد لله رب العالمين نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيّآت أعمالنا من يهده الله فلا مضل له، و من يضلل فلا هادى له ونشهد أن لا اله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن محمداً عبده ورسوله۔

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿١٢٨﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ (سورة التوبه: ۱۲۸-۱۲۹)

محترم بزرگو اور دینی اور ایمانی بھائیو اور بہنو!

الامین سوسائٹی کی طرف سے گزشتہ دو تین سالوں سے دعوت دی جا رہی تھی کہ بنگلور کی سرزمین پر الامین کے کیمپس میں سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چند خطبات پیش کئے جائیں، میں موضوع کی اہمیت اور وقت کی قلت اور فراغت اور یکسوئی کے نہ ملنے کے سبب معذرت کرتا رہا لیکن اصرار مسلسل رہا اور یہ طے کرنا پڑا کہ اگر وقت یکسوئی کا نہیں بھی مل رہا ہے تب بھی اس سعادت سے محرومی نہیں ہونی چاہیئے اور یہ شرف ضرور حاصل کیا جانا چاہئے، بس اسی بنیاد پر اور اسی داخلی واندرونی محرک کے نتیجے میں میں آپ کی خدمت میں آج حاضر ہوں، تعارف میں اور موضوع کے سلسلے کی تمہید میں جو بات پیش کی گئی ہے اس سے یہ مطالبہ واضح ہوتا ہے کہ موجودہ حالات کے تناظر میں اور موجودہ حالات کے تقاضوں اور ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالعہ کا خلاصہ پیش کیا جائے، جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت دائمی اور عالمی ہے تو

اس پر کسی بھی مسلمان کو اختلاف نہیں ہے، اس معاملے میں کوئی تردد نہیں ہے، قرآن پاک کے واضح بیانات اس سلسلے میں بہت سے مواقع پر موجود ہیں اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورۃ الانبیاء: ۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

اور نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اور حکم دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا :

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

(سورۃ الاعراف : ۱۵۸)

کہہ دیجئے کہ اے انسانوں میں تم سب کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اور یہ بھی ارشاد فرمادیا گیا کہ :

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(سورۃ التوبہ : ۱۲۸)

تمھارے درمیان تم ہی میں سے یعنی جنس بشر میں سے بنی آدم میں سے، ایک پیغمبر مبعوث کیا گیا ہے، تمھارے درمیان اسکو برپا کیا گیا ہے، تمہاری مشقت ان پر گراں گزرتی ہے۔ اور وہ تمہارے لئے بہت ہی فکرمند ہیں اور ایمان والوں کے حق میں بہت ہی شفقت فرمانے والے اور رحم فرمانے والے ہیں۔

قرآن پاک میں اس طرح کے بیانات بار بار آئے ہیں اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آپ کی نبوت عالمی ہے، پوری انسانیت آپ کی مخاطب ہے، کسی خاص زمانے کے لئے یا کسی

خاص عہد کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کا بھی اعلان کیا گیا کہ آسمانی وحی کا سلسلہ آپ پر منقطع کیا جاتا ہے اور نبوت کے سلسلے کو اب بند کیا جاتا ہے، سلسلہ نبوت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری کڑی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ زمین آسمان کا رابطہ جبرئیل امین کے ذریعہ کلام الٰہی کے منتقل ہونے اور وحی الٰہی کے سلسلہ میں اب نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کسی کا انتخاب فرما سکتا ہے ولایت کے لئے، تقوی کے لئے، اس کے مقام کو بلند کرنے کے لئے، اس کے قلب میں کوئی بات ڈال سکتا ہے، اس کو الہام فرما سکتا ہے، لیکن سلسلہ وحی بند ہو گیا ہے، قرآن پاک میں فرمایا گیا :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ	محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے
رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ	کسی کے باپ نہیں وہ اللہ کے رسول
وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط	ﷺ ہیں اور نبیوں کے سلسلے کو ختم
(سورۃ الاحزاب: ۴۰)	فرمانے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ کے معنی کے سلسلے میں اگر حضور ﷺ سے کوئی تشریح منقول نہ ہوتی اور آپ ﷺ کی طرف سے کوئی وضاحت نہ فرمائی جاتی تو لغت یا قاموس کا سہارا لے کر بہت کچھ کہا جا سکتا تھا لیکن حضور اکرم ﷺ نے خود اپنے بیان اور اپنی وضاحت کے ذریعہ ہر کسی نئی تاویل کا دروازہ بند کر دیا، خاتم النبین کے معنی اور تشریح وتفسیر میں اس کے علاوہ کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی کہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ آئندہ کوئی نبی نہ ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ کی حدیث ہے جو تواتر کے ساتھ نقل کی گئی ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "**أنا خاتم النبيين، لا نبی بعدي**" میں نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والا ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "**لوكان بعدى نبي لكان عمر**" اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے، لیکن کوئی نبی نہیں ہوگا اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ آئندہ زمانے میں تمہارے سامنے کئی ایسے دجال آئیں گے، ایک حدیث میں ان کی تعداد ۳۰؍ بیان کی گئی ہے، جن میں سے ہر ایک یہ دعوی کرے گا کہ وہ نبی ہے، تو اے مسلمانو! تم ان سے دور رہنا اور اپنے کو محفوظ رکھنا اور ان کے فتنے سے بچے رہنا، وہ تمھیں فتنے میں ڈالنا چاہیں

گے، اور تمھیں گمراہ کرنا چاہیں گے، تم گمراہ مت ہونا، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ یہ قرآنی بیانات اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح اعلانات ایسے ہیں کہ ان کے بعد مسلمانوں کے کسی طبقے میں اس سلسلے میں کوئی شبہ اور تردد باقی نہیں رہ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دائمی ہے، عالمی ہے، آفاقی ہے اور پوری دنیا کے انسان اسکے مخاطب ہیں، اس کے علاوہ جو بھی کوئی دوسرا خیال رکھے، کوئی دوسرا نقطۂ نظر رکھے، کسی اور عقیدے کی گنجائش رکھے تو اس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اسلام کے علاوہ بے شمار راستے لوگوں نے ایجاد کرر کھے ہیں، کسی راستے پر چلنے کا اسے آزمائشی اختیار دیا گیا ہے لیکن اسکو یہ حق نہیں ہے کہ جو چیز غیر اسلامی ہے اسے اسلامی بتائے لہٰذا یہ جمہور امت مسلمہ کا پختہ اور قطعی واٹل فیصلہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آخری ہے اور جب آپ ﷺ کی نبوت آخری ہے تو ظاہر ہے کہ ہر دور کے چیلنجز، ہر دور کے مسائل اور ہر دور کے تقاضوں کا حل حضور اکرم ﷺ کے بیانات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ہی ملتا ہے، اگر آپ کی تعلیمات میں ہر دور کے مسائل کا حل نہ ملے اور ہر دور کی ضرورتوں کی تکمیل کا انتظام نہ ملے تو پھر یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ آپ کی نبوت دائمی نہیں ہے اور آپ ﷺ کی نبوت عالمی نہیں ہے، اور یہ تسلیم کرنا نہ صرف یہ کہ اسلامی عقیدے کے خلاف ہے بلکہ اسلامی تاریخ کے بھی خلاف ہے، اسلامی قانون کے خلاف ہے، قرآن پاک اور احادیث شریفہ کی تشریحات کے خلاف ہے، علماء محققین کے بیانات کے خلاف ہے، اور چونکہ یہ ایک حقیقت ہے اسی لئے اسلامی قانون میں اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا، قیاس کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا، کیونکہ کسی بھی دور کے مسائل کو حل کرنے کے لئے سب سے زیادہ شدید ضرورت اس کی ہوتی ہے کہ انسان عقل کا متوازن استعمال کرے، عقل کو اگر بے لگام چھوڑ دیا جائے تو وہ صحیح رخ پر نہیں لے جاسکتی، اور نقل کو اگر بے لگام چھوڑ دیا جائے تو افسانہ طرازی ہونے لگتی ہے، عقل اور نقل میں توازن پیدا کرنا جہاں ضرورت ہے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ منقولی معلومات دستاویزی ہوں یعنی جو بات کہی جائے وہ مستند ہو اس کی سند ہو اور سند بھی صحیح ہو، یعنی سند کے راوی بھی پختہ ہوں، قابل اعتماد ہوں، ہر راوی کی دوسرے راوی سے ملاقات ہوئی ہو، یا کسی بھی

معتبر ذریعے سے اس نے اس سے روایت اخذ کی ہو، اور ہر راوی بیان کرنے میں قابل اعتبار ہو، جھوٹ نہ بولتا ہو، اس کو عام طور پر وہم لاحق نہ ہوتا ہو، خطا اور نسیان اس پر غالب نہ ہو، حافظہ اس کا قوی، دیانت اسکی صفت ہو، امانتداری اسکا جوہر ہو، ایسا راوی محدثین کے نزدیک قابل قبول ہوگا۔ اور جو ان صفات سے عاری ہے، وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ آپ یہ جانتے ہوں گے کہ دنیا کی ملتوں اور مذاہب میں صرف اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اسلام میں روایات سندوں کے ساتھ نقل کی گئی ہیں اور سندوں کا تسلسل چودہ صدیوں سے قائم ہے، ابتدائی صدیوں میں سندیں ہی اصل معیار تھیں اور جب بعد میں کتابیں تصنیف کی گئیں اور کتابیں اصل واساس بن گئیں اور رجوع کتاب کی طرف ہونے لگا اور سند کی اہمیت دھیرے دھیرے گھٹتی چلی گئی تو زیادہ تر اعتماد کتابوں پر ہونے لگا، لیکن مسلمانوں نے سند کی اس برکت کو اپنے درمیان برقرار رکھا، آج بھی کسی مدرسے میں آپ چلے جائیں اور وہاں درس حدیث لیں تو اس دور کا محدث جو پندرہویں صدی میں جی رہا ہے، تسلسل کے ساتھ روایت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچادے گا اور اپنے شیخ، اور اپنے شیخ کے شیخ، اور اپنے شیخ کے شیخ کے شیخ سے روایت نقل کرتا ہوا بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آپ تک منتقل کردیگا۔ یہ امتیاز نہ یہودیوں کے پاس ہے نہ عیسائیوں کے پاس، نہ دنیا کی کسی بھی ملت اور قوم کے پاس ہے۔ یہ صرف مسلمانوں کا تنہا امتیاز ہے جو اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ جو دین مستند بننے کے لئے اور مستند رہنے کے لئے اور عالمی دستاویزی حیثیت حاصل کرنے کے لئے آیا تھا وہ صرف دین اسلام تھا، اور اسی کو برقرار رہنے کا حق ہے، اور اسی کی آخری ترجمانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی، اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ جب بھی مسلمانوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہو، جب بھی مسلمانوں کے سامنے چیلنجز آئیں تو انھیں چاہیئے کہ وہ مڑ کر پیچھے دیکھیں، وہ قرآن پاک اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کریں، سیرت رسول کے صفحات الٹیں، اور پھر دیکھیں کہ صحابہ کرام جو پرتو سیرت رسول تھے، اور تابعین جو صحابہ کے نقش قدم پر تھے، اور تبع تابعین جنھوں نے تابعین کی امانت کو سینوں میں، پھر سفینوں میں منتقل کیا، کیا عقائد رکھتے تھے، کن اعمال میں ممتاز تھے؟ اور پھر بعد کی تمام نسلوں کے

— جو تاریخ کے مختلف دوروں میں سامنے آتی رہیں — علماءِ حق کی تحقیقات، ان کی کوششوں، اوران کی علمی اور تحقیقی اور تصنیفی جد وجہد کی طرف رجوع کرنا چاہئے تا کہ ان سے استفادہ ہو سکے اوراس استفادے کو پھر آئندہ نسلوں تک منتقل کیا جا سکے، اگر آج ہم اپنی ابتداء اس طرح کریں اور اپنی انتہا کو اس کے ساتھ مربوط کریں، آغاز اور انجام دونوں سے واقف ہوں، اور ڈور کے دونوں سرے ہمارے ہاتھ میں ہوں تو میں نہیں سمجھتا کہ وقت کا کوئی دقیق سے دقیق اور پیچیدہ سے پیچیدہ چیلنج ایسا ہے جس کا جواب ایک مسلمان محقق نہ دے سکے، اور جواب بھی برائے جواب نہیں بلکہ جواب بھی عمل کی دنیا کے لئے، جواب انقلاب کے لئے، جواب تبدیلی کے لئے، جواب نسل کے تحفظ کے لئے، اور پوری انسانی برادری کے تحفظ اوراس کی پیش قدمی کے لئے۔

حضرات! سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جناب ابراہیم خلیل اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار میں ''خطبات الامین'' کا جو سلسلہ شروع کیا جارہا ہے اس سلسلے کی پہلی کڑی یہ خطبات ہیں جو تین شبوں میں انشاء اللہ آپ کے سامنے آئیں گے، اوران تین شبوں میں پہلی شب آج کی شب ہے، اللہ اس شب کو مبارک فرمائیں، آغاز مبارک ہو، تاکہ انجام بھی مبارک ہو، تین خطبات میں سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان اس طرح ہوگا (انشاءاللہ) کہ سیرت کے اہم ترین واقعات سمٹ آئیں اور پھر یہ کہ جو لوگ اس دور میں جی رہے ہیں مختلف خیالات، مختلف افکار، مختلف تاثرات، اور مختلف چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں ان کو ان کے مسائل کا حل بھی ملتا جائے، ان کی ضرورتوں کی کسی حد تک تکمیل بھی ہوتی جائے، کام بڑا دشوار ہے لیکن اس چوٹی کو سر کرنے کی کوشش ایک ناچیز اور عاجز وحقیر کرے گا۔

سیرت کے تین دور :

حضرات وخواتین! میرے سامنے تین شبیں ہیں اور تین خطبات ہیں اس لئے میں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے، پہلا حصہ وہ ہے جو نبوت اور بعثت سے پہلے کا ہے، دوسرا حصہ وہ ہے جو نبوت و بعثت سے شروع ہوتا ہے، اور مکی دور کے اختتام پر

منتہی ہوتا ہے یعنی نبوت کے بعد تیرہ سال کے عرصہ پر مشتمل ہے، تیسرا دور وہ ہے جو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور پھر الرفیق الاعلیٰ سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر منتہی ہوتا ہے، اس طرح کوشش یہ کی جائے گی کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تینوں دور تین خطبات میں سمٹ آئیں، معلومات کی حد تک آپ کے ذہن کو کسی قدر آسودگی نصیب ہو اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے روحانی اور نورانی پہلوؤں سے قلوب کو جلا ملے، اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلاب انگیز دعوت کے نتیجے میں انسانوں کے اعضاء وجوارح اور ان کے ہاتھ پیر، خیر کے کاموں کے لئے متحرک ہو جائیں۔

نبوت کسبی نہیں ہوتی:

میرے بزرگو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ زمانہ جو قبل از نبوت کا ہے، تقریباً چالیس سال پر مشتمل ہے، چالیس سال کے عرصہ کا مواد تیرہ سال کے عرصے کے مقابلے میں کم ہے، اور پھر تیرہ سال کا مواد دس سال کے مقابلے میں کم ہے، ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک نبی نہیں بنائے گئے تھے اسوقت تک خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم نہیں تھا کہ میں نبی بنایا جاؤں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال ووہم میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ میں نبوت کے راستے پر چل رہا ہوں، نبوت کسبی نہیں ہوتی ہے، نبوت ریاضت اور مجاہدے سے حاصل نہیں کی جاتی ہے۔ ولایت، مجاہدہ سے حاصل ہوتی ہے، تقوی، ریاضت اور مجاہدہ سے حاصل ہوتا ہے، لیکن نبوت خالصتاً وہبی ہے، اللہ تعالیٰ جس بندے کو بھی چاہتا ہے منتخب فرماتا ہے، جب تک اس نے یہ چاہا کہ سلسلہ نبوت قائم رہے، افراد انسانی میں سے بہترین جوہر اللہ نے منتخب فرمائے، قبل نبوت خود نبی نہیں جانتا کہ اسے نبی بننا ہے، اور اس کے آس پاس رہنے والے لوگ بھی نہیں جانتے کہ یہ نبی بننے جا رہا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے کفار اور مشرکین اور منکرین کو مخاطب کرتے ہوئے - جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت نبی کے ان کے سامنے آئے تھے اور توحید کی دعوت پیش فرما رہے تھے اور ان کی طرف سے انکار کا رویہ اختیار کیا گیا تھا۔

بطور دلیل یہ بات قرآن کے الفاظ میں ارشاد فرمائی تھی:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (سورۃ یونس ۱۶)

لوگو! میں اس سے پہلے تمہارے درمیان ایک طویل عرصے تک رہ چکا ہوں، طویل عمر تمہارے درمیان گذاری ہے تو کیا تم عقل وشعور سے کام بھی نہیں لیتے۔

قبل نبوت کا عالم حیرانی وسرگشتگی:

چالیس سال سے پہلے کیا کبھی بھی مجھے خیال آیا کہ میں نبی ہوں، کوئی بات میں نے ایسی کی، میں خود حیران و پریشان تھا، مجھے خود راستہ نہیں مل رہا تھا، اور قرآن پاک کے الفاظ میں سورۃ الضحیٰ میں خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا {وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى} (سورۃ الضحیٰ: ۷) اور اللہ نے آپ کو پایا اس حالت میں کہ آپ حیران تھے، پریشان تھے، سرگشتہ تھے، آپ کو مشن کا سرا نہیں مل رہا تھا کہ کام کہاں سے شروع کریں، تو اللہ نے رہنمائی فرمائی، اور اسی طرح قرآن پاک میں ایک اور مقام پر واضح فرمایا گیا:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ (سورۃ العنکبوت: ۴۸)

آپ اس سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھتے تھے نہ اپنے قلم سے کوئی تحریر لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرستوں کو شک کا کوئی موقع ملتا۔

چالیس سالہ عرصہ کے تاریخی مواد کی قلت:

آپ تو ایسے رہے کہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، قلم بھی نہیں پکڑا، ایک ایسے شخص نے اللہ کے حکم سے اور اللہ کے انتخاب کے نتیجے میں لوگوں کو مخاطب کرنا شروع کیا جس نے اتنا طویل عرصہ اس طرح گزارا کہ نہ لوگ یہ جانتے تھے کہ کل اتنا بڑا دعویٰ لے کر یہ کھڑے ہوں گے، نہ آپ اپنے بارے میں یہ جانتے تھے کہ اتنی بڑی ذمہ داری مجھ پر ڈالی جائے گی، اگر ایسا ہوتا تو شاید

آپ اپنی زندگی کے واقعات مرتب کرواتے اور شاید اہل مکہ آپ کی پیدائش کے دن ہی سے ڈائریاں لے لے کر بیٹھ جاتے، اور ایک ایک دن کا حال لکھتے چلے جاتے، اور روزنامچہ تیار کرتے، وہ بھی نہیں سمجھتے تھے کہ یہ واقعہ پیش آنے والا ہے نہ آپ کو اسکا علم تھا۔ اسلئے چالیس سالہ عرصے کے واقعات بہت کم ہیں اگر چہ وہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں لیکن بہت کم ہیں اور مابعد نبوت تیرہ سالہ عرصے کے جو واقعات ہیں چالیس سالہ عرصے کے مقابلہ میں زیادہ ہیں، جن کو سب سے پہلے تو قرآن پاک نے ریکارڈ کیا ہے، قرآن میں ان کے قصے موجود ہیں، ان کی تفصیلات موجود ہیں، حدیث کے ذخیرے میں ان کی بہت سی جزئی تفصیلات ملتی ہیں، اور سیرت کا اچھا خاصہ مواد سیرت کی بنیادی کتابوں میں مل جاتا ہے۔

ہجرت کے بعد سیرت کے مواد میں غیر معمولی اضافہ :

اس کے بعد جب آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تب تو صورتحال بہت بدل گئی تھی اور پھر تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈائری لکھتے تھے اور آپ کی ہر بات نوٹ کی جاتی تھی یہاں تک کہ غصہ کی حالت میں ہوں، خوشی کی حالت میں ہوں، ہر موقعہ کی بات کو نوٹ کیا جاتا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص صحابی جلیل ہیں ان کا خاص طور پر اہتمام تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک میں آپ کی ہر گفتگو نوٹ کیا کرتے تھے، اور انھوں نے اس مجموعے کو جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ملفوظات، آپ کی احادیث، آپ کی سیرت، اور سنت کے متعلق معلومات اکھٹا کی تھیں ''**الصحيفة الصادقة**'' سے موسوم کیا تھا، اور یہی وہ صحیفہ ہے جس کی روایات کتب حدیث میں آج بھی محفوظ ملتی ہیں اور اس صحیفے کی روایات محدثین کرام آج بھی نقل کرتے ہیں، اور ان کی سندیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص تک پہنچتی ہیں، اس کے علاوہ کتب حدیث وسیر کا زیادہ تر مواد اسی دور کا ہے۔

آج کی اس مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے جس مرحلے سے متعلق گفتگو ہوگی وہ مرحلہ قبل از نبوت و بعثت کا ہے، جو چالیس سالہ عرصے پر مشتمل ہے، اس چالیس سالہ عرصے کے متعلق جو

مواد ملتا ہے وہ بھی اتنا ہے کہ اس کے لئے ایک مجلس نا کافی ہے، لیکن بہر حال اس کے اہم نکات کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا اور یہ کوشش کروں گا کہ وقت بھی زیادہ نہ ہونے پائے یعنی وقت کی جو مقدار ہر خطبہ کیلئے متعین کی گئی ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے بات آپ کی خدمت میں پیش کی جائے۔

حضور خاتم النبیین کا انتخاب جزیرۃ العرب سے کیوں ہوا ؟

محترم بزرگو! اور دینی بھائیو اور بہنو!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے سلسلے میں اور حیات طیبہ کے آغاز کے بارے میں جب بھی بات کی جاتی ہے تو ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بھری پری دنیا میں سے آپ کا انتخاب جزیرۃ العرب سے کیوں کیا گیا ؟ دنیا میں بہت سے خطے آباد، ترقی یافتہ اور تہذیب وتمدن کے علمبر دار تھے، ایران کی تہذیب، روم کا تمدن، یونان کا فلسفہ، ہندوستان کا ویدانت، مصر کے علوم وفنون کیا اس کے متقاضی نہیں تھے کہ نبی ان ممالک میں سے کسی ملک میں برپا کیا جاتا؟ اس سوال کا جواب مصنفین نے دینے کی کوشش کی ہے، میں بھی مختصر طور پر اس سوال کے جواب پر روشنی ڈالتے ہوئے آگے بڑھوں گا۔

مکہ مکرمہ نافِ دنیا ہے :

دنیا کا نقشہ اپنے سامنے رکھیئے اور پھر یہ دیکھئے کہ جزیرۃ العرب دنیا کے کس مقام پر واقع ہے، آپ اگر دنیا کی آبادی کو پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا کے جغرافیہ پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو صاف طور پر یہ محسوس ہوگا کہ جزیرۃ العرب کا یہ خطہ جس کے ایک طرف بحر فارس ہے اور دوسری طرف بحر قلزم ہے اور پھر اس کے ایک طرف ایران ہے اور دوسری طرف مصر ہے، سوڈان ہے، افریقہ کا براعظم ہے، یہ جزیرۃ العرب فی الحقیقت دنیا کو دو حصوں میں منقسم کر دیتا ہے اور یہ دنیا کے بیچ میں واقع ہے، بعض محقق جغرافیہ دانوں کی یہ تحقیق ہے کہ مکہ مکرمہ دنیا کی ناف ہے، دنیا کے بیچ میں واقع ہے، آبادی کے اعتبار سے اگر دنیا کو تقسیم کیا جائے تو مکہ مکرمہ کو درمیانی خطہ تسلیم کرنا چاہئے ، دنیا کے بین الاقوامی

تعلقات اور روابط پر بھی اگر نگاہ ڈالی جائے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ پورے جزیرۃ العرب کو اور بالخصوص مکہ مکرمہ کو درمیانی حیثیت حاصل ہے۔

اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ ایک ایسا نبی جو عالمی دعوت کے لئے برپا ہو، اس کی دعوت آفاقی ہو، پوری انسانیت کے لئے ہو، اسی خطہ زمین سے برپا کیا جائے، اور جو امت برپا کی جانے والی تھی اس کو بھی درمیانی امت ہونا چاہئے تھا، ایسی درمیانی امت جو جغرافیائی اعتبار سے بھی درمیانی ہو اور اپنے توازن اور نظام کے اعتبار سے بھی درمیانی ہو، قرآن پاک کے دوسرے پارے میں جہاں پر قبلہ کی تبدیلی کے حکم کا تذکرہ ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا	اور ہم نے تم کو اسی طرح ایک درمیانی
لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ	امت بنایا تاکہ تم لوگوں کے نگراں
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا	رہو اور پیغمبر تمھارے نگراں ہوں۔
(سورۃ البقرۃ: ۱۴۳)	

''وسط'' کا جو لفظ ہے اس کے معنی درمیانی کے بھی ہوتے ہیں اور اعلیٰ وافضل کے بھی، اور یہاں دونوں معنوں کی پوری گنجائش ہے، مفسرین نے اعلی وافضل کا مفہوم بھی لیا ہے اور درمیانی کا مفہوم بھی لیا ہے، اور '' درمیانی '' بھی دونوں مفہوم میں، یعنی معنوی اعتبار سے بھی درمیانی اور مادی اعتبار سے بھی درمیانی۔ فرمایا کہ ہم نے تم کو ایک درمیانی امت بنایا ہے، یعنی ایک ایسی درمیانی امت بنایا ہے جو متوازن ہے اور عدل وانصاف کے ترازو کو قائم رکھنے والی ہے، اور ہم نے تم کو نہایت ہی اعلی وافضل ترین امت بنایا ہے، اس معنی کی تائید قرآن پاک کی ایک دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد باری تعالی ہے :

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	تم بہترین امت ہو اور تمام انسانوں
(سورۃ آل عمران : ۱۱۰)	کے لئے تمہیں برپا کیا گیا ہے۔

غرضیکہ یہ امت پوری انسانیت کے لئے اٹھائی گئی ہے اور یہ بہترین اور افضل ترین امت ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کی طبعی حالت

جزیرہ نمائے عرب کی موجودہ سیاسی تقسیم اور ہمسایہ ممالک

حضرت آدم عرفات میں اتارے گئے :

اسلامی روایات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ خداوند قدوس نے جب اس کرہ ٔ ارضی کی تشکیل فرمائی تو اس کا آغاز مکہ مکرمہ کی سرزمین سے کیا گیا، اور اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے جس کا تذکرہ علامہ شوکانی نے فتح القدیر میں کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو جنت سے جب اس روئے زمین پر اتارا گیا تو عرفات کی سرزمین کا اسکے لئے انتخاب کیا گیا، عام طور پر شہرت اس کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام لنکا کی سرزمین پر اتارے گئے لیکن یہ بات صحیح احادیث سے مدلل نہیں ہے، اس سلسلے کی سب سے زیادہ صحیح روایت وہ ہے جس میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا نزول ''نَعْمان'' میں ہوا، اور نعمان کی تشریح محدثین کرام یوں کرتے ہیں کہ وہ جگہ عرفات کا میدان ہے، یہ بات اس لئے بھی قرین قیاس ہے کہ میدانِ حشر کا آغاز بھی عرفات کی سرزمین سے ہوگا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے عرفات کو منتخب فرمایا، اسی مقصد کی خاطر حجاج کرام پوری دنیا سے جوق درجوق عرفات کے میدان میں اکٹھا ہوتے ہیں کہ ''**عهد ألست**'' کی یاد بھی تازہ ہوجائے اور محشر کا ایک چھوٹا سا عالم بھی نظر آجائے۔

عہد ألست اور اس کی یاد :

آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو اتارنے کے بعد اسی سرزمین پر جو عہد لیا گیا تھا اس کا نام ''عہد ألست'' ہے اور جس کا تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ ۚ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى۔ (سورۃ الاعراف:۱۷۲)

یاد کرو اس وقت کو جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی ذریت کو نکالا اور اسکے بعد خود ان کو اپنی ذات پر گواہ بناتے ہوئے فرمایا {أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ} کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ {قَالُوْا بَلٰى} تو سب نے کہا کیوں نہیں؟ (آپ ہمارے رب ہیں، ہم آپ کا مشاہدہ

کررہے ہیں) غرضیکہ خداوند قدوس نے اسی روئے زمین پر انسان کی تدریجی تخلیق سے پہلے حشر کا میدان قائم فرمایا تھا اور انسانوں کو اپنا ہلکا سا جلوہ دکھایا تھا، ایک ہلکی سے تجلی ان پر فرمائی تھی، اور ان سے براہِ راست خطاب فرما کر یہ ارشاد فرمایا تھا: کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سارے انسانوں نے اقرار کیا تھا کہ آپ ہمارے رب ہیں۔ بعض روایتوں میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ عہد مجھے یاد ہے، ممکن ہے کراماتی طور پر اللہ کے کسی بندے کے دل ودماغ میں وہ بات نقش ہوگئی ہو اور اس کی اس ناسوتی زندگی میں بھی اس کو یہ بات یاد ہو، ورنہ باقی تو سب کے سب اس عہد کو بھلا چکے ہیں، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس عہد کی ہی وجہ سے فطرت انسانی میں توحید کی طلب اور اللہ کی عبادت کی پیاس موجود ہے، وہ الگ الگ شکلیں اختیار کرلیتی ہے، اور انسان راہ حق سے بھٹک جاتا ہے، جب اس کو صحیح رہنمائی نہیں ملتی، انبیاء کرام علیہم السلام اسی عہد رسالت کو یاد دلانے کے لئے ہی تشریف لایا کرتے تھے۔

تعمیر کعبہ مقدسہ :

بہرحال آدم علیہ السلام چونکہ اس سرزمین پر اترے اس لئے یہ بات بالکل قرین قیاس ہے، اور روایات سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے کہ مکہ مکرمہ کے اس خاص خطے پر جس کو خدا تعالی نے روز اول سے قبول فرمالیا تھا اور جس پر اپنی تجلی فرمائی تھی اور جس کو اس حیثیت سے طے کرلیا تھا کہ اس کا مرکز توحید وہاں بنے گا، آدم علیہ السلام نے کعبہ مقدسہ کی اولین تعمیر کی، اور قرآن پاک کے الفاظ میں :

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ	سب سے پہلا گھر جس کو تمام انسانوں کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو بکہ میں ہے تمام جہانوں کے لئے بابرکت
(سورۃ آل عمران:۹۶)	اور سرتاپا ہدایت۔

''بکہ'' اور ''مکہ'' :

بکہ اور مکہ دونوں کے معنی ایک ہیں اور بکہ کا لفظ زیادہ قدیم ہے، بائبل میں بھی لفظ ''بکہ''

موجود ہے جس کوتحریف کرنے والوں نے ''بکاء'' بنا دیا اور وہیں سے ''وادی بکاء'' اور ''دیوار گریہ'' کا تصور پیدا کیا گیا جو فی الحقیقت بے بنیاد ہے، اور بعد کے یہودی اور عیسائی مصنفین نے اس کو تسلیم کر لیا ہے کہ یہ لفظ ''بکاء'' نہیں ہے ''بکہ'' ہے، اور یہ ایک جگہ کا نام ہے، اگر چہ وہ اپنی ضد اور عناد میں اسکو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ یہ وہی مقام ہے جسے ''مکۃ المکرمہ'' کہا جاتا ہے۔ بہر حال فرمایا گیا کہ سب سے پہلا گھر جو پوری انسانیت کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو ''بکہ'' میں ہے، جو بڑا بابرکت ہے اور جس کو پوری انسانیت کے لئے مرکز ہدایت بنایا گیا ہے تو پھر جس جگہ پر اللہ تعالی نے پوری انسانیت کا مرکز بنایا ہو، کیا آپ یہ سوچتے ہیں کہ پوری انسانیت کے لئے عالمی نظام کو اس جگہ سے برپا نہیں ہونا چاہئے تھا، کیا عقل اس کی متقاضی نہیں؟ کیا جغرافیائی اعتبار سے اسکی اہمیت نہیں ہے؟ کیا نقول اس کی مؤید نہیں ہیں، فطرت اس بات کا تقاضہ نہیں کرتی ہے، اور اللہ کی سنت اور حکمت اسکی طالب نہیں ہے کہ پوری انسانیت کے لئے جو نبی برپا کیا جائے اسکو مکہ مکرمہ کی سرزمین سے ہی برپا کرنا چاہئے تھا۔

مصنوعی تمدن کی پیچیدگیوں سے محفوظ ماحول :

ایک طرف تو یہ حقیقت ہے پھر اسکے ساتھ کچھ اور بھی حقائق ہیں جو اس کے متقاضی ہیں کہ ایک ایسے نبی کو وہاں سے برپا کیا جائے جس کو عالمی دعوت لے کر کھڑا ہونا ہے، جو دنیا کا مرکزی مقام ہو ایران میں، روم میں، اور اس سے متاثر علاقوں میں جو لوگ رہتے تھے وہ تمدن کی پیچیدگیوں کے شکار ہو چکے تھے، مصنوعی تمدن کی بے شمار پیچیدگیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے درمیان رہتے ہوئے انسان کی نہ نفسیات محفوظ رہتی ہے اور نہ فطرت انسانی کی سلامتی باقی رہتی ہے، مصنوعی اور نمائشی تمدن فطرت انسانی کو دھیرے دھیرے مسخ کر دیتا ہے، پھر اس کی سچی آواز اور اسکا صادق ضمیر راکھ کے ڈھیر کے نیچے یا مٹی کے تودوں کے نیچے دبتا چلا جاتا ہے، اس کے برخلاف جہاں فطرت بے نقاب ہوتی ہے اور تمدن سادہ اور حقیقی ہوتا ہے اور جہاں انسان مظاہر فطرت کو بے حجاب دیکھتا ہے، نگاہ اٹھاتا ہے تو نیلگوں آسمان دیکھتا ہے، نگاہ نیچی کرتا ہے تو خاکی زمین دیکھتا ہے، سر کچھ اور اوپر اٹھاتا ہے تو بڑے بڑے پہاڑ دیکھتا ہے،

مکہ مکرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں

جو خدا تعالی کی قدرت سے ایستادہ ہیں، کبھی خشک وسرسبز زمین دیکھتا ہے اور کبھی موجیں مارتا ہوا سمندر، وہاں پر انسان فطرت کی بات پر جلدی لبیک کہتا ہے، فطری دعوت اور فطری نظام زندگی میں اسکو جاذبیت اور کشش محسوس ہوتی ہے، اس کے اندر سادگی، حقیقت پسندی، اور صداقت ہوتی ہے، وہ کھرا اور جری ہوتا ہے۔ عرب کی سرزمین اور خاص طور پر مکہ مکرمہ کی سرزمین اس اعتبار سے دنیا میں اپنا امتیاز رکھتی تھی۔

عربوں اور بالخصوص خاندان قریش کے امتیازات :

دوسری طرف خاندان قریش اپنی کچھ صفات میں اتنا ممتاز تھا کہ دوسرا کوئی خاندان اس اعتبار سے ان کا شریک اور سہیم نہ تھا، خاندان قریش بالخصوص اور جزیرۃ العرب کے لوگ بالعموم سچے تھے، جاہلیت کے زمانے میں بھی جھوٹ بولنے سے شرماتے تھے، جھوٹ ان کی فطرت سے بہت دور تھا اور صداقت اور کھرا پن ان کا شعار تھا، واقعہ یہ ہے کہ یہ انسان کا اتنا بڑا جوہر ہے کہ اگر اسکے پاس یہ صفت ہے، تو اس بات کی ضمانت دی جاسکتی ہے کہ راہ حق جب بھی اسکی سمجھ میں آجائے گی تو بغیر کسی پس وپیش اور بغیر کسی ذہنی پیچیدگی اور نفسیاتی الجھن کے راہ صداقت پر وہ مضبوطی سے قدم جمائے گا اور اس پر بڑھتا چلا جائے گا، وہ صادق تھے، جری تھے، اور بے باک تھے، وہ کسی کے محکوم بھی نہیں رہے تھے، آزادی انکی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اور محکومی کی ذلت اور رسوائی نے ان کی فطرت کو مسخ نہیں کیا تھا، جو قومیں بہت دنوں تک ظالم اور جابر طاقت کی محکوم رہتی ہیں ان کی فطرتیں مسخ ہوجاتی ہیں، ان کے اندر بزدلی، پست ہمتی، بے حوصلگی پیدا ہوجاتی ہے، وہ قومیں اپنی موت خود مر جاتی ہیں، اور کسی بڑے مشن اور مہم کو جرأت اور حوصلہ و ہمت کے ساتھ لے کر کھڑی نہیں ہوسکتیں، عرب کی سرزمین میں جو لوگ بسے ہوئے تھے وہ محکومی کی بدنامی سے محفوظ تھے، آزادی ان کا پیشہ تھی اور اس کے ساتھ ساتھ صداقت اور شجاعت ان کے اوصاف تھے، وہ آپس میں ضرور لڑتے تھے اس لئے کہ وہ طاقتور تھے، بزدل نہیں تھے اور کسی بات کو بھی جاہلیت کے مراسم کی بنیاد پر، جاہلی تصور کی بنیاد پر، ہدایت نہ ملنے کی بنیاد پر غلط سمجھ بیٹھتے تھے، تو اس کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے تھے، چالیس

چالیس سال تک جنگیں چلتی تھیں، یہ وصف جہاں ایک قابل مذمت وصف ہے وہیں یہ وصف قابل تعریف وصف بھی ہے، یہ وصف بتاتا ہے کہ وہ لوگ جوانمرد، بہادر اور جیالے تھے، وہ شہسوار تھے، نہایت جری اور بیباک تھے، اور مقابلہ کرنا، لڑنا، جنگ مول لینا اور ٹکرا جانا یہ ان کے لئے معمولی سی بات تھی، کسی عالمی پیام کے علمبردار بننے کے لئے ایسی ہی قوم درکار ہے، جو جفاکش ہو، محنت پیشہ ہو، باہمت ہو، بلند حوصلہ ہو، صادق اللسان ہو اور جسکے عزائم نہایت پختہ، بلکہ پہاڑوں کی طرح ٹھوس ہوں۔ مکہ مکرمہ اس وصف میں سب سے زیادہ ممتاز تھا، لہذا جزیرۃ العرب کا اور بالخصوص مکہ مکرمہ کا اس نبوت کے لئے انتخاب کیا گیا جو عالمی تھی، جس کو وہاں سے نکل کر ایک طرف افریقہ ویورپ کے کنارے تک اور دوسری طرف اقصائے خراسان اور چین کے آخری علاقے تک توحید کے جھنڈے گاڑ دینے تھے۔

مکہ مکرمہ کی آبادی؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے اس مرحلے کا جب بھی ذکر کیا جائے گا جس کا تعلق قبل از نبوت وبعثت سے ہے اور عمر طیبہ کے چالیس سالہ عرصے سے ہے تو پھر اسکی بھی ضرورت ہوگی کہ یہ معلوم ہو کہ مکہ مکرمہ کی یہ سرزمین اس خاندان سے کب، کیوں اور کیسے آباد ہوئی ؟ یہ خاندان اس سرزمین پر کہاں سے آیا؟ اس سلسلے میں قرآن پاک بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے، احادیث بھی رہنمائی کرتی ہیں اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفحات بھی تاریخی واقعات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محبوب شخصیت :

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت اتنی محبوب اور عالمی شخصیت ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کا ان پر تقریباً اتفاق ہے، اور دنیا کی تین بڑی ملتیں، مذہبی اکائیاں، آسمانی مذہب رکھنے والی قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت پر متفق ہیں، یہودی، عیسائی اور مسلمان یہ تینوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بزرگ اور مقدس شخصیت اور ایک اولوالعزم پیغمبر کی حیثیت سے مانتے ہیں، اور جو قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت سے روشناس نہیں ہیں زرتشتی ہوں یا کنفوشس

مذہب کے ماننے والے، ہندو مذہب کے ماننے والے ہوں یا کسی اور مذہب کے وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت پر اعتراضات نہیں کرتے ہیں، وہ یا تو خاموش ہیں یا تذکرہ کرتے ہیں تو اچھے الفاظ میں کرتے ہیں، یہ اللہ تعالی کا عجیب معجزانہ فیصلہ ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنا کر پوری دنیا کا خلیل بنا دیا، قرآن پاک کے الفاظ میں {وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا}(سورۃ النساء : ۱۲۵) اللہ نے ابراہیم کو اپنا محبوب بنایا۔

خلیل اس دوست ومحبوب کو کہتے ہیں جس کی محبت رگ وپے میں سما جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت ان کی رگ وپے میں سمائی ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی محبت خاصہ سے نوازا تھا، یہی وہ مقام تھا جس کے نتیجے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالی نے ایک ایسا نبی بنایا جن کو ملتوں کی امامت سونپی اور خود جن کی ملت کو عالمی بنا دیا اور بعد میں وجود میں آنے والے تمام مذاہب اور مذاہب کے حامل انبیاء کرام کو ان کی ملت کے تابع بنا دیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خدا تعالی نے فرمایا :

وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا اے نبی ! آپ ابراہیم کی ملت کی
(سورۃ النساء : ۱۲۵) پیروی کیجئے۔

اور تمام مسلمانوں کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ وہ ابراہیم کی ملت کو اپنائیں :

{مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ}۔(سورۃ الحج : ۷۸)

ترجمہ :(اے مسلمانو!) ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو، ملت ابراہیم کی، اور دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا، ملت کا لفظ اپنے اندر زیادہ وسعت رکھتا ہے، یہ دین متین ملت ابراہیم کی ہی تکمیل ہے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کارِ نبوت ورسالت کی تکمیل :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کو لے کر تشریف لائے ہیں وہ نیا نویلا اور نرالا دین نہیں ہے، آپ نے قرآن کے الفاظ میں صاف اعلان کر دیا {مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ}(سورۃ الاحقاف : ۹) میں کوئی نیا نرالا پیغمبر نہیں ہوں، اس سے پہلے بھی پیغمبر آتے رہے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء

جنگ احد میں جب یہ شہرت کردی گئی تھی کہ حضور ﷺ شہید کردئے گئے تو جنگ احد پر تبصرہ کرتے ہوئے سورۂ آل عمران کی متعلقہ آیتیں نازل ہوئیں، انہیں میں یہ آیت کریمہ بھی ہے :

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

محمد ﷺ ایک پیغمبر ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر گذر چکے ہیں۔

(سورۃ آل عمران : ۱۴۴)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ انبیاء کرام آتے رہے اور ایک عمارت کی تعمیر کرتے رہے، عمارت مکمل ہوگئی لیکن صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی تھی، میں وہ آخری اینٹ ہوں جس سے یہ عمارت پایۂ تکمیل کو پہونچی۔ آپؐ نے فرمایا : (أنا اللبنة، أنا خاتم النبيين) میں عمارت کا آخری پتھر ہوں اور میں نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والا ہوں۔

"الاسلام" ہی اللہ کا مذہب ہے :

یہ وہ حقیقت ہے جس کا تذکرہ قرآن پاک میں بار بار فرمایا گیا ہے کہ "الاسلام" اللہ کا ازلی اور ابدی دین ہے، الاسلام میں کبھی بھی کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوا ہے کیونکہ "الاسلام" کے معنی ہی اللہ کے لئے جھک جانے کے ہیں اللہ کی اطاعت کرنے، اللہ کے لئے اپنے کو حوالہ کرنے کے ہیں، لہٰذا اس اعتبار سے آدم ہوں یا نوح، ابراہیم ہوں یا لوط، ھود ہوں یا صالح، موسی ہوں یا عیسی علیہم الصلاۃ والسلام جتنے بھی انبیاء ہیں سب اسلام کی ہی دعوت دیتے رہے اور سب اللہ کی اطاعت کی طرف بلاتے رہے، اور اپنا تعارف بحیثیت پیغمبر خدا کراتے رہے، حضور ﷺ اسلام کی تکمیل کے لئے تشریف لائے، نیا اسلام لے کر نہیں آئے، قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا :

{هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ} (سورۃ الحج:۷۸)

اللہ نے تمہارا نام مسلم رکھا، پہلے بھی اور بعد میں بھی، یعنی قرآن پاک کے نزول اور آخری نبی کی آمد سے پہلے بھی سب مسلمان تھے جو انبیاء علیہم السلام کے تابع فرمان تھے، اور یہ امت بھی

بحیثیت امت مسلمہ برپا کی گئی، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا :

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورۃ البقرۃ : ۱۳۱)	یاد کرو اس وقت کو جب کہ ابراہیم کے پروردگار نے ان سے کہا تھا مسلم ہوجا تو ابراہیم نے کہا تھا میں تو رب العالمین کا مسلم ہوں۔

یعنی یہ فرمایا گیا تھا کہ ابراہیم بس اللہ کے حوالے ہوجاؤ بس اللہ کی مانو، ہر طرف سے کٹ کر اللہ کی طرف یکسو ہوجاؤ، تو ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں تو تیرے لئے یکسو ہوں، ابراہیم علیہ السلام مسلم تھے، حضرت اسحٰق و اسماعیل مسلم تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام مسلم تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو فکر اسلام ہی کی لاحق تھی، انتقال ہونے لگا تو اس وقت انھوں نے کیا وصیت فرمائی ؟ وہی وصیت فرمائی جو ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی تھی۔ قرآن پاک کے پہلے پارے میں دونوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس وصیت کا تذکرہ کیا گیا ہے :

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾	ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ دین منتخب فرمایا ہے تو دیکھو مت مرنا مگر مسلم ہوکر۔

(سورۃ البقرۃ آیت ۱۳۲)

اور پھر آگے چل کر یہ بتایا کہ یعقوب علیہ السلام کے انتقال کا وقت جب قریب آگیا تو فکر اس وقت ان کو بس اس کی تھی کہ اسلام پر میرے بچے قائم رہیں:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا	کیا تم لوگ موجود تھے اس وقت جب کہ یعقوب کے انتقال کا وقت قریب تھا اور جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے

نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآٮِٕكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ﴿۱۳۳﴾

(سورۃ البقرۃ: ۱۳۳)

کہا تھا کہ بیٹو! میرے بعد کس کی بندگی کرو گے، تو بیٹوں نے عرض کیا تھا کہ ابا جان آپ کے معبود کی، آپ کے آباء واجداد ابراہیم واسماعیل واسحاق کے معبود کی بندگی کریں گے، اور ہم اسکے مسلم ہیں (ہم اس کے فرمانبردار ہیں)۔

غرض کہ لفظ ''اسلام'' قرآن پاک کا مطالعہ کرنے والا خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کیلئے استعمال ہوتا چلا آیا ہے، آخر اللہ تعالیٰ نے جب نبی آخر الزمان کو مبعوث فرمایا تو یہ اعلان کر دیا کہ {اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ} دین اللہ کے نزدیک صرف ''**الإسلام**'' ہے، صاف کہہ دیا کہ :

{وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ} (سورۃ ال عمران : ۸۵)

جو بھی اسلام کے علاوہ کسی اور ضابطۂ حیات، کسی اور دین ومذہب کو اختیار کرے گا تو ہر گز ہر گز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

ابراہیم علیہ السلام کے دو دور :

ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کے دو دور ہیں، ایک دور وہ ہے جو عراق سے متعلق ہے، عراق کے قدیم شہر ''اُر'' میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی، بچپن انھوں نے وہیں گذارا، جوانی وہیں گذاری، اور اللہ تعالی اپنے بندوں کو - جن کو نبوت اور رسالت کے لئے منتخب فرمایا کرتا ہے - بچپن ہی سے بت پرستی سے، شرک وکفر سے دور رکھتا ہے بلکہ بت پرستی کی نفرت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہوتی ہے، ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کا مطالعہ قرآن کی روشنی میں کیجئے تو آپ جو وصف سب سے زیادہ نمایاں دیکھیں گے وہ یہ کہ ابراہیم علیہ السلام بتوں سے، دیو مالائی نظام سے اور شرک اور مراسم شرک سے بے حد متنفر ہیں اور ایک لمحہ کے لئے اس کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں، یہاں

تک کہ وہ بتوں کو توڑنے پر آمادہ ہیں اور یہ عمل کر بھی گذرتے ہیں، ہر چہ بادا باد، اور اللہ تعالیٰ ان کی اس ادا کو اتنا پسند فرماتا ہے کہ مسلمانوں کو مخاطب فرما کر کہتا ہے :

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (سورۃ الممتحنۃ:۴)

لوگو! تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے صحابہ میں بہترین نمونۂ عمل موجود ہے جب کہ انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ ہم تمہارے معبودوں سے، تمہاری اس عبادت اور پوجا پاٹ سے بالکل بیزار ہیں، اور ہم تمھارے منکر ہیں اور جب تک تم ایک اللہ کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہوگے اس وقت تک ہمارے اور تمہارے درمیان نفرت اور دشمنی رہے گی۔

توحید کا غلبۂ حال:

یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کس قدر غالب تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اس کی جرأت کر ڈالی کہ بتوں کا صفایا کر دیں، اور پھر چاہے اس کے نتیجے میں ان کو آگ کے الاؤ میں ڈالا جائے۔ آگ کے الاؤ میں ڈالا جانا منظور، لیکن شرک کسی حال میں منظور نہیں، وہ اللہ جس نے ابراہیم کو خلیل بنایا، اس کو اپنی توحید کے بارے میں سب سے زیادہ غیرت ہے، اللہ کو دین کے نظام میں جو چیز سب سے زیادہ مطلوب ہے، وہ اسکی وحدانیت ہے، عقیدہ وحدانیت پر جتنا زور قرآن مجید میں دیا گیا ہے، اور سارے انبیاء کی دعوت میں جس طرح اسکو پہلا نکتہ قرار دیا گیا ہے، یہ حیثیت کسی دوسرے نکتہ کو حاصل نہیں ہے، اس نے ابراہیم کو اس توحید کے عشق کی بنیاد پر خلیل بنایا، اور پھر اپنے خلیل کی مدد اس طرح کی کہ آگ کو مخاطب کر کے حکم دیا: -اے آگ! ٹھنڈک اور سلامتی

بن جا- اللہ خود آگ کا خالق ہے،لکڑی میں آگ کا مادہ اللہ نے رکھا، اور اس زمین کے بہت سے کیمیکلس میں جلنے کی صلاحیت اللہ کی تخلیق کردہ ہے،تو جو خالق بنا سکتا ہے،کیا وہ بگاڑ نہیں سکتا؟ اور جو صلاحیت دے سکتا ہے کیا وہ صلاحیت سلب نہیں کرسکتا؟ جس مشین کے پرزے وہ جوڑ سکتا ہے تو پھر کیا وہ انہیں بکھیر نہیں سکتا،اس خداوند قدوس نے فرمایا :

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ — ہم نے کہہ دیا کہ اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔

(سورۃ الانبیاء : ۶۹)

قانون الٰہی کے استثناءات :

وہ آگ جو اللہ کی مخلوق تھی اور اس کا کام جلانا مقرر کیا گیا تھا،خدا تعالیٰ کے قانون فطرت نے اس کا ایک کام متعین کیا تھا پھر اللہ نے اس قانون کو وقتی اور استثنائی طور پر تبدیل کر دیا اور یہ حکم فرمایا کہ اے آگ اس وقت تجھے جلانے کا کام نہیں کرنا ہے، بلکہ اس وقت تجھے چمنستان وگلزار بن جانا ہے،بحکم رب آگ واقعی چمن بن گئی۔

ابراہیم علیہ السلام کی عراق سے ہجرت :

ہاں! ابراہیم علیہ السلام کو اس واقعہ کے بعد ہجرت کرنی پڑی، چونکہ جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت ٹھٹ کے ٹھٹ لوگ کھڑے ہوئے تماشہ دیکھ رہے تھے مجمع پورے اژدھام کے ساتھ اکھٹا تھا اور اس کا منتظر تھا کہ ابراہیم اب تھوڑی دیر میں جل کر کوئلہ بن جائیں گے اور اس طرح ہم اپنے بتوں کی نصرت اور حمایت کا فریضہ انجام دیں گے،لیکن جب نگاہوں نے یہ منظر دیکھا کہ آگ بجھ رہی ہے اور ابراہیم اس طرح بیٹھے ہوئے ہیں جس طرح کوئی پارک کی بہترین سیٹ پر بیٹھا ہوا ہو،تو لوگ اپنی آنکھیں ملتے رہ گئے،لوگ ششدر و حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے!! گویا کہ لوگ یہ ماننے پر مجبور تھے کہ شاید ''بھگوان'' یہی ہیں اور اب ان کو مانے بغیر چارہ کار نہیں،صورتحال ایسی تھی کہ لگتا تھا کہ پورا عراق حضرت ابراہیم کے مسلک توحید کو قبول کر لے گا، اور ایک زبردست انقلاب نمرود کی چولیں ہلا

دیگا، تو نمرود کے سامنے اس کے علاوہ کوئی حل نہیں رہا کہ ان کو وطن سے نکال باہر کیا جائے، ادھر ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالی کی طرف سے اشارہ دے دیا گیا کہ جو کام تمہارا تھا، تم کر چکے، اب اس جگہ کو چھوڑ دو اور یہاں سے منتقل ہو جاؤ۔

سفر شام و مصر اور حضرت ہاجرہ سے شادی :

ابراہیم علیہ السلام عراق سے شام تشریف لے گئے، شام سے ان کا سفر مصر کا ہوا، مصر کے حاکم ''رقیون'' نے اپنی صاحبزادی حضرت ہاجرہ سے حضرت ابراہیم کی شادی کر دی اور ان کا بڑا اعزاز واکرام کیا۔ حضرت ہاجرہ کا جہاں تک تعلق ہے ان کے بارے میں یہ غلط شہرت ہوگئی ہے کہ وہ باندی تھیں، تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ حاکم مصر کا خاندان حضرت ابراہیم کے خاندان سے رشتے ناطے کا تعلق پہلے سے بھی رکھتا تھا اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر پہنچے تو حاکم مصر نے ان کی بڑی پزیرائی کی، اور شاندار استقبال کیا، اور پھر یہ مناسب سمجھا کہ تجدید رشتہ کے ذریعے قدیم رشتوں کو تازہ کیا جائے لہذا حضرت ہاجرہ سے ان کی شادی کی گئی۔

سفرِ حجاز:

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ کو لے کر مصر کی سرزمین سے شام ہوتے ہوئے اللہ تعالی کے حکم سے حجاز تشریف لائے، حضرت ابراہیم کی حجاز میں آمد اس وقت ہوئی جب کہ ان کے اکلوتے بیٹے اسماعیل حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہو چکے تھے، ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ۲۱۶۰ قبل مسیح کا ہے، ان کی پیدائش ۲۱۶۰ قبل مسیح میں ہوئی، حضرت ابراہیم کی عمر ۱۷۵ سال ہوئی، ان کی وفات ۱۹۸۵ قبل مسیح میں ہوئی، یعنی حضرت عیسی علیہ السلام سے تقریبا دو ہزار سال پہلے انکا زمانہ تھا، یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ۲۱۳۰ ق م کے لگ بھگ مکہ مکرمہ کی سرزمین پر تشریف لائے، اللہ کا ان کے لئے یہ بھی ایک آزمائشی حکم تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش اور عالمی امامت :

ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی آزمائش خدا تعالی کی طرف سے چند مرحلوں میں ہوئی اور اسکے

بعد نوازشیں بے شمار ہوئیں، آزمائشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا :

وَاِذِ ابۡتَلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ (سورۃ البقرۃ : ۱۲۴)

یاد کرو اس وقت کو جب کہ اللہ تعالی نے ابراہیم کو چند احکامات دے کر آزمایا تھا، اور ابراہیم ان آزمائشوں میں پورے اترے تھے۔

تو اس پر اللہ تعالی نے فرمایا تھا کہ :

اِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (سورۃ البقرۃ : ۱۲۴)

ابراہیم میں تمھیں پوری انسانیت کا پیشوا بنانے جارہا ہوں۔

پوری انسانیت کی امامت تمھیں سونپی جائے گی۔ یہاں یہ نکتہ ذہن میں ملحوظ رہے کہ حضور پاک ﷺ کے جد امجد ابراہیم کو "**اماماللناس**" بنایا گیا اور حضور ﷺ کو "**رسول للناس**" بنایا گیا، سارے انسانوں کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ حضرت ابراہیم کی دعا کے نتیجہ میں، ان کی امامت کی نیابت اوران کے منصب عالی کی وراثت کے لئے تشریف لائے۔

امامت ابراہیمی کی وراثت کے مستحق کون؟

اللہ تعالی نے جس وقت ابراھیم علیہ السلام کو امامت سونپی تھی اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا {وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ} اے اللہ یہ امامت اور پیشوائی میری اولاد میں بھی رہے گی؟ {قَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِى الظّٰلِمِيۡنَ} تو فرمادیا گیا تھا، کہ یہ ذمہ داری میں انھیں لوگوں کو دوں گا، جو عدل وانصاف پر قائم رہیں گے، جو غلط روش اختیار نہیں کریں گے، تمہاری اولاد میں جو لوگ صحیح رخ پر چلیں گے، یہ مقام انھیں ملے گا، جو لوگ بھی صحیح رخ سے ہٹ جائیں گے، تو وہ اس منصب سے محروم ہوجائیں گے۔

ہاجرہ اور اسماعیل مکہ میں :

ابراہیم علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے مکہ مکرمہ میں تشریف لائے اور اللہ

کے حکم سے اپنی زوجۂ محترمہ حضرت ہاجرہ اور اکلوتے صاحبزادے حضرت اسماعیل کو مکہ مکرمہ کے اس مقام پر جو کعبہ مقدسہ کی بنیادوں کے قریب تھا بسا کر چلے گئے، حکم الٰہی کچھ اسی طرح تھا، ظاہر ہے اکلوتے بیٹے سے جو محبت ہوتی ہے وہ ہر ایسے مشفق باپ کے تجربہ میں آتی ہے جس کا ایک اکیلا بیٹا ہو۔

سارہ اور اسحاق شام میں :

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی دوسری اہلیہ محترمہ جن سے پہلے ہی شادی ہوچکی تھی حضرت سارہ علیہا السلام تھیں جن سے کئی سال بعد حضرت اسحق علیہ السلام پیدا ہوئے، وہ سرزمین شام میں بیت المقدس کے پاس مقیم ہوئے۔

طویل عرصہ کے بعد مکہ کی آبادی :

مکہ مکرمہ کی یہ سرزمین ایک طویل عرصے کے بعد ہاجرہ اور اسماعیل سے آباد ہوئی تھی اور قرآن پاک کے الفاظ میں یہ سرزمین ہر طرح کی پیداوار سے محروم تھی :

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (سورۃ ابراہیم : ۳۷)

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اس اولاد کو اس محترم گھر کے پاس بے آب وگیاہ وادی میں بسا دیا ہے اے ہمارے رب تا کہ یہ نماز قائم کریں۔

حضرت ہاجرہ کا اضطراب اور چشمۂ زم زم کی روانی :

ابراہیم علیہ السلام انہیں اس وادی میں چھوڑ کر روانہ ہوگئے اور پھر حضرت ہاجرہ، صابرہ اور شاکرہ، فکر میں پڑ گئیں کہ ابراہیم تو بحکم الٰہی چلے گئے اور یہاں زندگی کے اسباب معدوم ہیں، بس اللہ ہی مددگار ہے، اسماعیل جو ابھی گود میں تھے پانی ختم ہونے کے بعد پیاس سے تڑپ رہے تھے، نہ ماں کے پاس دودھ تھا نہ پانی کا بندوبست، اس وقت حضرت ہاجرہ کی بے چینی، اضطراب اور بے کلی قابل دید تھی، جس کو دیکھنے والا بھی تڑپے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، کعبہ مقدسہ کے قریب اسماعیل کو چھوڑ کر صفا ومروہ کے چکر جس درد وکرب کی کیفیت کے ساتھ وہ لگا رہی تھیں اور نشیبی خطہ سے گذرتی ہوئی جس

طرح ہانپتی ہوئی دوڑ رہی تھیں، خدا کی رحمت اسے دیکھ رہی تھی، ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی کے سات چکر اسی کیفیت غم والم میں لگ چکے تھے کہ پلٹ کر بچہ کے پاس آئیں حیرت وخوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس کے ننھے منے پیروں کی ایڑی کی جگہ پانی کا جاری چشمہ دیکھا، یہی وہ چشمہ تھا جو ''زم زم'' کے نام سے جانا پہچانا گیا، یہ نومولود اسماعیل اور ہاجرہ کی کرامت تھی۔

بنو جرہم مکہ میں:

اس خطۂ زمین میں پانی کا چشمہ جاری ہونا تھا کہ وہ آبادی کا مرکز بننے لگا، سب سے پہلے بنو جرہم نامی قبیلہ جو خانہ بدوش تھا اس راستہ سے گذرتا ہوا اس مقام پر ٹھہر گیا، ایک چھوٹا سا گھرانہ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے کا تھا اور ایک خاندان بنو جرہم کا تھا، یہاں سے اس خطہ کی دوبارہ آبادی کا سلسلہ شروع ہوا، ظاہر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام وقتاً فوقتاً شام سے حجاز تشریف لاتے رہتے ہوں گے، یہ بات قرین قیاس ہے، وہ دیکھ ریکھ کے لئے آتے ہی رہتے ہوں گے۔

آخری آزمائش، اسماعیل کی قربانی کا فیصلہ:

لیکن ایک عرصہ کے بعد جب وہ تشریف لائے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اتنی عمر ہوگئی تھی کہ وہ دوڑتے بھاگتے تھے اور الفاظ قرآنی میں {فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ} جب اسماعیل ان کے ساتھ دوڑ دھوپ (کی عمر) کو پہونچے، اور زندگی کی ضروریات انجام دینے کے قابل ہو گئے، اور اپنے والد کے کاموں میں ساتھ دینے لگے، ہوسکتا ہے ۱۰-۱۲ سال کی عمر ہو، اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے قیام میں یہ خواب دیکھنا شروع کیا کہ میں بیٹے کی گردن پر چھری پھیر رہا ہوں، ایک مرتبہ خواب دیکھا، دوسری مرتبہ دیکھا، تیسری مرتبہ دیکھا، اور دل میں یہ یقین مستحکم ہوتا چلا گیا کہ یہ خواب سچا ہے، لیکن وہ چاہتے تھے کہ مزید تاکید ہوجائے یہاں تک کہ دل نے فیصلہ کیا کہ یہ حکم الٰہی ہے، انھوں نے دل پر پتھر رکھ کر اکلوتے بیٹے سے فرمایا:

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ	بیٹے میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ میں تمھیں
اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى	ذبح کررہا ہوں، بتاؤ تم کیا سوچتے ہو۔

(سورۃ الصافات : ۱۰۲)

قَالَ يٰٓاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۚ سَتَجِدُنِيۡٓ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيۡنَ

(سورۃ الصافات : ۱۰۲)

بیٹے نے عرض کیا کہ ابا جان جو حکم اللہ تعالی کی طرف سے دیا جارہا ہے آپ اسے پورا کیجئے آپ مجھے صبر کرنے والا پائینگے۔

فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ

(سورۃ الصافات : ۱۰۳)

جب وہ دونوں ہی اللہ کے سامنے جھک گئے اور ابراہیمؑ نے اسماعیل علیہ السلام کو ماتھے کے بل لٹایا۔

کہ بیٹے کا چہرا دیکھ کرکہیں ایسا نہ ہو کہ میں کانپ جاؤں، شفقت کا ایسا غلبہ ہو کہ فرمان الٰہی پورا نہ ہو سکے، اس لئے ماتھے کے بل لٹایا کہ ادھر بارگاہ الٰہی سے صدا آئی :

وَنَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۝۱۰۴ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝۱۰۵

(سورۃ الصافات : ۱۰۴- ۱۰۵)

اے ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا، ہم اسی طرح نیکوکاروں کو نوازتے ہیں۔

اسماعیل کو ذبح کرنا مقصود نہیں تھا، مقصود تو غیر اللہ کے تمام علائق منقطع کر کے بس اللہ کے لئے اس درجہ یکسو کر لینا تھا کہ غیر کا خیال بھی باقی نہ رہے، جب یہ منزل بھی طے ہوگئی اور ہر ریشۂ دل اور ہر بن مو سے صرف اللہ ہی اللہ سنائی دینے لگا تو جنت کی ایک عظیم قربانی کو ان کا فدیہ بنا دیا گیا، جنت کی نعمتیں ان پر قربان۔

{وَفَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ} (سورۃ الصافات :۱۰۷)

(ایک عظیم قربانی کو اسماعیل کا فدیہ بنا دیا)۔

ابراہیم امتحان میں کھرے اترے، جب دل سے اسماعیل بھی اللہ کے لئے نکل گئے، اب دل میں صرف اللہ ہی رہ گیا تو اس نے فرمایا کہ ابراھیم ٹھہرو، امتحان پورا ہوا، اسماعیل کے بدلہ جنت

کے دنبہ کو ذبح کرو، اور قربانی کا گوشت کھاؤ۔

اسماعیلؑ کی برکتیں اور تورات کی صراحتیں:

اسماعیل علیہ السلام کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے برکت، عافیت، ترقی وخوشحالی اور ان کی نسل میں ایک عظیم نبی کے برپا ہونے کے فیصلے کئے جا چکے تھے، ان کے خاندان کی ایک نئی تاریخ لکھی جانے والی تھی، یہ ہیں وہ اسماعیلؑ علیہ السلام جن کی تعریف کے گن صرف قرآن میں نہیں گائے گئے، بلکہ بائبل بھی ان کی تعریف سے پر ہے، اگر چہ یہودی اور عیسائی، حضرت اسماعیلؑ کی تعریف میں بہت بخیل واقع ہوئے ہیں، اور کتنے ایسے بھی نام نہاد اہل کتاب ہیں جنھوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شبیہ کو داغدار بنانے کی کوشش کی ہے، لیکن اللہ تعالی نے بائبل کو-جس میں بے شمار تحریفات کی گئی ہیں- اس حد تک محفوظ رکھا، کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں جو حمد وستائش کے کلمات ہیں، وہ کچھ نہ کچھ اس میں محفوظ رہ گئے ہیں، اور یہودی اور عیسائی دنیا ان کا انکار نہیں کرسکتی، ماہرین بائبل کی نامراد کوششوں کے باوجود کہ حضرت اسحاق ذبیح اللہ تھے، خود تورات کے مضامین اسکے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ ''ذبیح اللہ'' حضرت اسماعیل تھے، اور وہی اکلوتے بیٹے تھے۔ اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں بائبل میں مختلف مقامات پر یہ وضاحتیں ملتی ہیں، مثلاً بائبل کے باب پیدائش میں اٹھارہ اور اکیس نمبر کی آیات میں یہ بیان فرمایا گیا ہے ''اسماعیل کے حق میں، میں نے تیری دعا سن لی، دیکھ میں اسے برکت دونگا، اور اسے برومند کرونگا، اور اسے بہت بڑھاؤں گا'' ایک اور جگہ یہ فرمایا گیا'' میں اسے ایک بہت بڑی قوم بناؤں گا'' بائبل میں کتاب پیدائش کا مطالعہ کیجئے تو حضرت اسماعیل اور حضرت اسحٰق کے سلسلے میں دس سے اوپر ایسی آیتیں موجود ہیں جن سے ان کی برابری اور ان کی یکساں حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت اسماعیل کے بارہ فرزند:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ۲۰۷۳ قبل مسیح کی ہے اور وفات ۱۹۳۶ ق م میں، تورات میں ان کی عمر ۱۳۷ رسال بتائی گئی ہے، اور ان کے بارہ فرزندوں کے نام تورات میں تفصیل کے

ساتھ موجود ہیں۔ کتاب پیدائش میں آیت نمبر ۱۲ میں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ یہ بارہ فرزند اپنے قبیلوں کے بارہ رئیس تھے۔

قیدار کی عظمت وشہرت :

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں "قیدار" نامی فرزند سب سے زیادہ شہرت یافتہ ہیں، یہی وہ فرزند ارجمند ہیں جنھوں نے مکہ مکرمہ کے انتظامات سنبھالے اور اس کی تولیت کا حق ادا کیا۔ تورات میں ان کا ذکر بڑی عظمت کے ساتھ مختلف مقامات پر آیا ہے، کتاب "یسعیاہ"، کتاب "یرمیاہ" اور "زبور" کے ابواب کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قیدار بڑے باعظمت اور باوقار انسان تھے۔

عدنان قریش کے مورث اعلیٰ :

قیدار کی اولاد میں ۳۷/ویں پشت میں "عدنان أول" نہایت بلند حوصلہ وعالی مقام شخص گزرے ہیں، ان کے چھوٹے بھائی "عک" نامی تھے، جنھوں نے یمن میں ایک سلطنت قائم کی تھی، عدنان کی وفات کے بعد ان کے ننہیالی رشتہ دار بنوجرھم کا مکہ مکرمہ میں غلبہ ہوگیا تھا، بنوجرہم نے ۲۰۷ء میں بنواسماعیل کو مکہ مکرمہ کی سرزمین سے اختلاف عقیدہ ومسلک کی بنیاد پر نکال دیا تھا۔

قصی کی حکومت :

لیکن قصی نے جو عدنان دوم کی سولھویں پشت میں ہیں، مکہ پر دوبارہ قبضہ حاصل کیا، اور ۴۴۰ء میں انھوں نے مکہ مکرمہ کی پوری آبادی کو نمائندگی دیتے ہوئے ایک مشترکہ حکومت کی بناء رکھی اور پھر رفادہ، سقایہ، حجابۃ، قیادہ یعنی مہمانوں کی میزبانی، زمزم کے پانی پلانے کی خدمت، کعبہ کی کلید برداری اور عساکر اور لشکروں کی قیادت کی ذمہ داریاں طے کیں اور قومی نشان کے طور پر ایک جھنڈا مقرر کیا اور ایک قومی مجلس بھی "دارالندوۃ" کے نام سے قائم کی۔ قصی کی شخصیت خاندان قریش میں بڑی اہمیت کی حامل ہے، ان کے اوپر کے نسب نامے کی مندرجہ ذیل کڑیاں ہیں:

(۱) قصی بن (۲) کلاب بن (۳) مرۃ بن (۴) کعب بن (۵) لوی بن (۶) غالب بن

(۷)فہر بن (۸)مالک بن (۹)نضر بن (۱۰)کنانہ بن (۱۱)خزیمہ بن (۱۲)مدرکہ بن (۱۳)الیاس بن (۱۴)مضر بن (۱۵)نزار بن (۱۶)معد بن (۱۷) عدنان۔

عدنان تک سلسلۂ نسب صحیح سندوں سے ثابت ہے، عدنان سے اوپر کا سلسلۂ نسب صحیح سندوں سے ثابت نہیں ہے، تاریخ کا اصول یہ ہے کہ ایک صدی میں عام طور پر تین پشتیں ہوتی ہیں اگر اس اصول کے اعتبار سے ان کڑیوں کو جمع کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت اسماعیل سے قصی تک ۷۰ یا ۷۵ پشتیں ہونی چاہئے، قصی سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تقریبا ۱۳۰/سال میں چار پشتیں ہوتی ہیں، اور جب ایک سوتیس سال میں قطعی سند کے ساتھ یہ معلوم ہے کہ چار پشتیں بن رہی ہیں تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک صدی میں تین پشتوں کا اندازہ ایک حد تک صحیح طور پر لگایا جا سکتا ہے۔

قصی کے بعد قیادت کے وارثین :

قصی کے بعد ان کے فرزند عبد مناف کے ہاتھ میں قیادت آئی، ان کے بعد ان کے فرزند ہاشم کے ہاتھ میں، پھر ان کے فرزند عبد المطلب کو سرداری حاصل ہوئی، عبد المطلب کا اصل نام شیبہ ہے، مطلب اصل میں ان کے چچا تھے، کیونکہ عبد المطلب یتیم تھے اور چچا نے ان کی کفالت کی تھی، وہ چچا کے ساتھ اس طرح رہتے تھے جس طرح خادم رہتا ہے، اس لئے ان کا نام عبد المطلب پڑ گیا ورنہ اصلا ان کا نام شیبہ ہے۔

اولاد عبد المطلب :

عبد المطلب کی پیدائش ۴۹۷ء میں ہوئی اور ۸۳ سال کی عمر میں ۵۸۱ء میں ان کا انتقال ہوا، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف آٹھ سال کی تھی، عبد المطلب کے دس فرزند تھے، سیرت ابن ہشام میں ان کے نام اس طرح بیان کئے گئے ہیں: (۱)حمزہ، (۲)عباس، (۳)ابوطالب، (۴)ابولھب، (۵)زبیر، (۶)مقوم، (۷)ضرار، (۸)مغیرہ، (۹)عبد اللہ، (۱۰) حارث۔ مورخ ابن اثیر نے عبد الکعبہ اور الغیداق کا اضافہ کیا ہے۔ ابن قیم کا بیان ہے کہ ان کا نام مصعب یا نوفل تھا، ان کا کہنا ہے کہ ایک روایت میں ایک اور لڑکے کا تذکرہ ملتا ہے جس کا نام العوّام ہے۔

نبیؐ کا شجرہ نسب

عبدالمطلب کی صاحبزادیاں :

عبدالمطلب کی صاحبزادیاں مندرجہ ذیل تھیں :

(۱) صفیہ (۲) ام حکیم (۳) عاتکہ (۴) امیمہ (۵) اروی (۶) برّہ ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں میں سب سے بڑے حارث تھے اور سب سے چھوٹے حضرت عباس، عبدالکعبہ، ضرار اور قثم کا بچپن میں انتقال ہوگیا تھا آپ کے صرف دو چچاؤں نے اسلام قبول کیا، حمزہ اور عباس۔

عبدالمطلب کی بیویاں :

آپ کی حقیقی دادی عبدالمطلب کی زوجہ محترمہ فاطمہ بنت عمر بن عائش تھیں ان سے ابوطالب، عبداللہ، زبیر اور عبدالکعبہ پیدا ہوئے، اور لڑکیوں میں ام حکیم، عاتکہ، امیمہ اور اَروی پیدا ہوئیں۔

دوسری زوجہ ہالہ بنت اھیب سے حمزہ، مقوم، مغیرہ، اور صفیہ ہیں۔ تیسری زوجہ نتیلہ بنت جناب سے عباس اور ضرار پیدا ہوئے۔ اور چوتھی زوجہ صفیہ بنت جندب سے حارث اور قثم ہیں۔ پانچویں زوجہ لبنیٰ بنت ہاجرہ سے ابولہب تھا۔

چھٹی زوجہ ممنعۃ بنت عمر سے نوفل پیدا ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیوں میں سے حضرت صفیہ مسلمان ہوئیں، اروی اور عاتکہ کے اسلام کے بارے میں اختلاف ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد محترم :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم حضرت عبداللہ غالبا ۵۴۰ء میں پیدا ہوئے تھے، ان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی ام حکیم جڑواں پیدا ہوئی تھی ۵۷۰ میں حضرت عبداللہ کا انتقال اس وقت ہوا جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماں کے پیٹ میں تھے، انتقال سے پہلے حضرت عبداللہ اپنے ننھیال مدینہ گئے ہوئے تھے اور مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ :

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا نام آمنہ ہے، ان کا نسب نامہ اس طرح ہے :

(۱) آمنہ بنت (۲) وھب بن (۳) عبد مناف بن (۴) زھرہ بن

(۵) کلاب بن (۶) مرۃ، کلاب بن مرہ حضرت عبداللہ کی پانچویں جدی پشت میں آتے ہیں، اور حضرت آمنہ کی چوتھی جدی پشت میں اس طرح کلاب اور عبداللہ کے درمیان چار واسطے ہیں، اور آمنہ اور کلاب کے درمیان تین واسطے ہیں دونوں کا نسب کلاب بن مرہ پر جا کر مل جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ پیدائش :

حضرت عبد اللہ کی شادی حضرت آمنہ سے ۵۷۰ء میں ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش بیس اپریل ۵۷۱ء بروز دوشنبہ مطابق ۹ ربیع الاول ایک عام الفیل (ہاتھی کے سال) میں ہوئی۔ واقعہ فیل کے پچپن دن کے بعد۔

طبری، ابن خلدون اور ابن کثیر جیسے محقق مورخین نے دس تاریخ لکھی ہے، لیکن دوشنبہ کا دن، نو تاریخ کو پڑتا ہے۔ تاریخ دول العرب والاسلام کے مصنف محمد طلعت حرب نے نو تاریخ ہی لکھی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے بھی ۹ تاریخ کو ترجیح دی ہے، اور مولانا سید سلیمان منصور پوری نے بھی اپنی کتاب ''رحمۃ للعالمین'' میں نو تاریخ کی ترجیح کا فیصلہ کیا ہے، محمود احمد فلکی جو مصر کے بڑے ماہر ہیئت دان تھے، ان کی تحقیق بھی یہی ہے کہ دوشنبہ کو نو تاریخ تھی، اور اس پر تمام مورخین اور اصحاب سیر کا اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش دوشنبہ کے دن ہوئی اور دوشنبہ کا دن نو تاریخ کو پڑتا ہے، لوگوں میں جو شہرت ہوگئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے غیر محققانہ بات ہے۔ یہ عوامی شہرت یافتہ بات ہے، اگرچہ عوام میں بارہ وفات کا لفظ اس سے زیادہ عام ہے یعنی ۱۲ تاریخ کو وفات ہوئی لفظ زبانوں پر بارہ وفات کا رہتا ہے اور جشن میلاد النبی کے مناتے ہیں!!

بہر حال وفات کے سلسلہ میں ترجیح ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ کو ہے، لیکن پیدائش کے بارے میں ترجیح ۹ ربیع الاول کی تاریخ کو ہے۔

''محمد'' نام کا انتخاب :

پیدائش کے بعد دادا عبد المطلب اس نوزائدہ بچہ کو کعبہ مقدسہ میں دعا و برکت کیلئے لے گئے

اور ساتویں دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیقہ ہوا، قریش کے لوگوں کو دعوت دی گئی اور جب عبد المطلب سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا نام رکھا؟ تو کہنے لگے کہ: میں نے محمد نام رکھا ہے۔ تو لوگوں نے کہا کہ محمد کیوں رکھا ہے؟ یہ تو بالکل نیا نام ہے، تو ان کا یہ کہنا تھا کہ میں نے اس لئے یہ نام رکھا ہے کہ اس کی خوب تعریف کی جائے ہر جگہ اس کی تعریف کے گن گائے جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعت :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو پہلے ماں کا دودھ پیا، دو تین دن کے بعد ابولہب کی باندی ثویبہ نے دودھ پلانا شروع کیا، انھوں نے اس سے پیشتر حضرت حمزہ کو بھی دودھ پلایا تھا، ابوسلمہ کو بھی اور اپنے بیٹے مسروح کو بھی، اس لئے حضرت حمزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں اور حضرت ابوسلمہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی ہوئے اور مسروح بھی۔

شرفائے مکہ کا یہ دستور تھا کہ اپنے بچوں کو رضاعت کے لئے کسی گاؤں میں بھیجتے تھے، اس لئے کہ گاؤں کی فضا اور آب وہوا اچھی سمجھی جاتی تھی، مختلف گاؤں سے عورتیں شہروں میں بچوں کو دودھ پلانے کی خدمت کے لئے آتی تھیں، اللہ کا کرنا کہ حلیمہ سعدیہ ان خواتین میں تھیں جو مکہ مکرمہ اس لئے آئیں تھیں کہ کوئی بچہ مل جائے جس کو لے کر میں جاؤں اور مجھے بھی کچھ اجرت مل جائے، ادھر اللہ تعالی کی طرف سے کاتب تقدیر لکھنے کے لئے تیار تھا کہ حلیمہ سعدیہ کی گود میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا جائے گا، اور حلیمہ کو دنیا کی اجرت ہی نہیں بلکہ آخرت کا عظیم ترین ثواب بھی دیا جائے گا، وہ بڑی نصیبہ ور اور خوش قسمت ہوں گی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیئے گئے اور پھر حلیمہ سعدیہ کے پاس دو سال اس طرح رہے کہ ہر چھ ماہ پر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت آمنہ کے پاس لے آیا کرتی تھیں اور آمنہ اور گھر کے دیگر افراد بچے کو دیکھ لیتے تھے، پیار کر لیتے تھے، اس کے بعد حلیمہ پھر بچے کو ساتھ لے جاتی تھیں، اور چونکہ مکہ مکرمہ کی آب وہوا اس وقت بہتر نہیں تھی دو سال کے بعد ایک وبا بھی پھیل گئی تھی اس لئے حضرت آمنہ نے دو سال بعد بھی بچہ کو حلیمہ سعدیہ کے پاس رہنے دیا اس طرح چار سال کا عرصہ حلیمہ سعدیہ کے یہاں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے گذارا۔

واقعۂ شق صدر :

یہی وہ عرصہ ہے جس میں شق صدر کا واقعہ بھی پیش آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ اچانک ان بچوں نے دیکھا کہ دو آدمی سفید اجلے کپڑے پہنے ہوئے آئے اور انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑا، وہ بچے گھبرا کر گھر بھاگے اور انھوں نے ماں سے جا کر یہ بتایا کہ دو آدمیوں نے محمد کو پکڑ لیا ہے، ماں حلیمہ اور باپ حارث بھاگے ہوئے آئے، اتنے میں سارا کام ہو چکا تھا، شق صدر کیا گیا، دل کو نکالا گیا اور اسکو صاف کیا گیا، یعنی روحانی طور پر اس کی صفائی ہوئی اور ایک نور خاص اس میں ڈال دیا گیا جس کا علم بس اللہ کو ہے اور جس کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے، ہماری اس دنیا سے وہ چیز ماوراء ہے، عقل کہاں ابھی بہت سی اس دنیائے دنی کی باتوں کا ادراک کر سکی ہے! کہ عالم غیب اور عالم بالا کی باتوں کا ادراک کرے، شق صدر کا واقعہ اسلئے پیش آیا کہ قلب سے علائق دنیا اور گناہ کے جذبات کو نکال کے پھینک دیا جائے، اس بچہ کا نشو ونما معصومانہ ہو، جسکی معصومیت کو انسانیت کے لئے حجت بنانا ہے، معصومانہ مزاج اور معصومانہ تربیت کے ساتھ آپ کا اٹھان ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا انتقال :

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب چار سال کے ہوگئے تھے تو باقاعدہ اپنی والدہ کے پاس رہنے لگے، کچھ مدت کے بعد حضرت آمنہ اپنے شوہر عبداللہ کی قبر کی زیارت اور خاندان کے لوگوں سے ملنے ملانے کے لئے مدینہ منورہ گئیں وہاں چند روز قیام رہا واپسی ہو رہی تھی ساتھ ہی ام ایمن بھی تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائی اور رضاعی ماں تھیں ''ابواء'' کے مقام پر جو مدینہ منورہ سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ایک بستی تھی ان کی طبیعت خراب ہوئی اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا، تدفین بھی وہیں ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا کا انتقال اور چچا ابوطالب کی کفالت :

ام ایمن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ لے کر آئیں اور اب دادا کی کفالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رہنا شروع کیا، دو ہی سال گذرے تھے کہ انکا بھی انتقال ہوگیا اب ان کی اولاد میں سب سے زیادہ عظمت اور وقار ابوطالب کو حاصل تھا، ابوطالب حضرت عبداللہ کے سگے بھائی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت

کرتے تھے، جب دادا زندہ تھے تب بھی بہت محبت کرتے تھے اور دادا کا جب انتقال ہو گیا تو محبت دو آتشہ ہو گئی اور دادا کی وصیت کے مطابق کفالت کی ذمہ داری بھی انہیں پر آ پڑی، تو شفقت جدی اور شفقت پدری دونوں ہی ان کے اندر موجزن ہو گئیں اور پھر واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے محبت کا اور حمایت کا حق ادا کر دیا۔

سفر شام اور پادری ''بحیرا'' کا صحیح اندازہ :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بارہ سال کی ہوئی تھی کہ ابو طالب اپنے ساتھ شام کے ایک سفر میں لے گئے ''بصری'' میں ٹھہرنا ہوا، بصری کا علاقہ اس اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل تھا کہ غسانی حکومت جو رومن امپائر کے ماتحت نیم خود مختار حکومت تھی، وہ اس کا مرکزی مقام تھا۔ بُصری کے بعد جب ''تیماء'' پہنچے تو وہاں کے بڑے کلیسا کے پادری نے جس کا نام ''بَحیرا'' بیان کیا گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اپنی کتابوں میں بیان کردہ علامات اور نشانیوں کو پا کر فوراً تاڑ لیا، کہ یہ ہونے والے نبی ہیں، آپؐ کے چہرۂ انور، رفتار و گفتار، نشست و برخاست کو دیکھ کر اس کو اس کا یقین ہو گیا کہ یہ وہی آخری نبی ہیں جن کا تذکرہ ہماری کتابوں میں آیا ہے اور جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بشارت دی تھی۔ قرآن کے الفاظ میں :

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (سورۃ الصّف : آیت ۶)	یاد کرو اس وقت کو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا کہ اے اولاد اسرائیل میں تمھاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہوں، اس تورات کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلی آئی اور خوشخبری دے رہا ہوں ایک ایسے پیغمبر کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔

انجیل کی بشارت اور ''منحمنّا'' کی تحقیق :

''احمدؐ'' سریانی زبان میں ''منحمّنا'' کہلاتا تھا، یونانی زبان میں ''پیراکلی ٹاس'' ہوا، جس میں

اعراب کا ردوبدل کر کے ''نجات دہندہ'' اور ''تسلی دہندہ'' کے معنی میں قرار دے کر عیسائی دنیا کو فریب دیا گیا کہ وہ عیسیٰ ہی ہیں جو بحیثیت ''نجات دہندہ'' پھر آئیں گے، یوحنا کی انجیل میں جو لفظ استعمال ہوا ہے عبرانی اور سریانی زبان کے ماہرین کی تحقیق یہ ہے اس کا ترجمہ اور صحیح مفہوم ''احمد'' سے ہی ادا ہوتا ہے۔ ڈیوڈ بنیامین (David Binjamin) نے جو آذر بائجان میں بہت بڑے پریسٹ تھے، اپنے مقالات میں اس بات کو مدلل طریقے پر ثابت کیا ہے کہ ''پیراکلیٹ'' اصل لفظ ہے اور اسکا بالکل صحیح ترجمہ احمد ہے۔قرآن پاک میں لفظ احمد اس مقام پر منتخب کیا گیا ہے، لفظ محمد نہیں لایا گیا، لفظ حامد نہیں لایا گیا، بہت سے الفاظ تھے جو حضور ﷺ کے لئے وصفی طور پر استعمال کئے جا سکتے تھے لیکن ان تمام الفاظ میں سے احمد کا انتخاب کیا گیا، اس لئے کہ انجیل یوحنا "Gospel of Jhone" میں اسی لفظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ بائبل میں حضور ﷺ کے بارے میں اور بھی متعدد پیشین گوئیاں ہیں جن کو مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب ''اظہارِ حق'' (بائبل سے قرآن تک) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

پادری کی حق بیانی :

بہر حال اس مقام پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہنچنا ہوا تو ابوطالب سے بحیرہ پادری نے کہا کہ ابوطالب اس بچہ میں، میں علامات نبوت دیکھ رہا ہوں، آپ اس کو لے کر مت پھریئے، مجھے ڈر ہے کہ اگر یہودی دیکھ لیں گے تو گزند پہنچائیں گے، آپ ان کو لے کر واپس چلے جایئے، وہ مخلص عیسائی پادری تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سچا ایمان رکھنے والا تھا، ابوطالب محمد ﷺ کو لے کر واپس تشریف لے آئے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے، اور یہ ملک سے باہر آپ کا پہلا سفر تھا۔

معاش کی فکر اور چچا کا تعاون :

مکہ مکرمہ واپسی ہوئی، چچا کے ساتھ رہتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی فکر رہتی تھی کہ چچا کا ہاتھ بٹائیں، ان کی مدد کریں اور معاشی اعتبار سے ان کا تعاون کریں، مکہ مکرمہ میں اس وقت تجارتی سرگرمیاں تو تھیں لیکن آپ کے پاس اس کے لئے سرمایہ نہ تھا اسلئے بکریاں چرانے کی خدمت شروع کی، معمولی اجرت پر بکریاں چراتے اور چچا کا تعاون کرتے۔مکہ تجارتی شہر تھا درآمد برآمد کا کاروبار بھی

زوروں پر تھا، شام اور یمن کے اسفار سے تجار خوب مانوس تھے، آخر آپ نے بھی فیصلہ فرمایا، کہ تجارت کے میدان میں قدم رکھنا چاہئے، اور شام کی منڈیوں سے تجارتی روابط قائم کرنا چاہئے۔

قریش کے تجارتی اسفار :

عرب کے تجار عام طور پر اور مکہ کے تجار بالخصوص مکہ مکرمہ سے شام اور یمن کا سفر بہت کثرت سے کیا کرتے تھے، سورۂ قریش میں ان دونوں سفروں کا تذکرہ اللہ تعالی نے بطور احسان فرمایا ہے:

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاۗءِ وَالصَّيْفِ ۝۲ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝۳ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ڏ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝۴

(سورۃ قریش)

قریش بہت خوگر ہیں، وہ سردی اور گرمی کے سفروں کے بہت خوگر ہیں، اور سفروں کی یہ راحت وسہولت انہیں کعبہ کی مرکزیت کی نسبت سے ہی حاصل ہے تو انہیں چاہئے کہ کعبہ کے رب کی بندگی کریں جس نے انہیں بھوک میں کھلایا اور خوف سے امن وامان عطا فرمایا۔

اکثر یہ اسفار تجارتی ہوتے تھے، کبھی کبھی سیاحتی ہوا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شام ویمن وبحرین وغیرہ کے تجارتی اسفار:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارتی سفر فرمانا شروع کئے، عام طور پر جو سامان دونوں ملکوں سے درآمد وبرآمد کیا جاتا تھا آپ نے بھی ان ہی کا کاروبار شروع فرمایا، آپ نے یمن کے سفر بھی کئے اور بحرین (جزیرۃ العرب کے مشرقی علاقہ) کے بھی، ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ میں ''جرش'' دو مرتبہ گیا ہوں، جو یمن میں پڑتا تھا، جب ۹ ھ میں عبدالقیس کے قبیلے کا ایک وفد بحرین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا تو آپ نے ان سے وہاں کے محلوں اور راستوں کے بارے میں بھی پوچھا اور فرمایا کہ وہ علاقے میرے خوب دیکھے ہوئے ہیں، غرض اس طرح بہت سے علاقوں کو تجارتی اسفار میں دیکھنے کا آپ کو موقع ملتا رہا۔

حضرت خدیجہ کی تجارت میں شرکت اور سفر شام:

یہاں تک کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت سنی کہ آپ تجارتی اسفار فرماتے ہیں، اور بڑی امانت دارانہ و دیانتدارانہ تجارت کرتے ہیں، پوری قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت داری اور دیانتداری پر متفق ہے اور آپ کی تجارت ایسی صاف ستھری ہے کہ اس میں ایک پائی بھی حرام کی پھٹکنے نہیں پاتی ہے، حضرت خدیجہ مکہ مکرمہ کی سرزمین کی ایک ایسی عاقل، متقی اور پارسا خاتون تھیں جن کی نظیر مکہ مکرمہ میں موجود نہیں تھی، اللہ تعالی نے ان کی تجارت میں بڑی برکت دی تھی، ان کی تجارت بھی خالصتاً حلال پر مشتمل تھی اور دیانتداری اور صداقت شعاری ان کا وصف امتیازی تھا، تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا کہ میں چاہتی ہوں کہ آپ میرا بھی مال لے کر شام تشریف لے جائیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کے تمام لوگوں کا جتنا مال شام جاتا تھا تنہا حضرت خدیجہ کا اتنا مال اونٹوں پر لد کر جاتا تھا،- ہماری خواتین کیلئے اس میں بڑا سبق ہے کہ وہ بھی تجارت میں بڑا حصہ لے سکتی ہیں، اور مردوں کے ذریعہ بھی بہت سا تجارتی کام کرا سکتی ہیں، انہیں صاحب ہنر بنا چاہیے، اور حسب ضرورت تجارت کے مشغلے میں جہاں تک ہو سکے پوری عفت، طہارت، اور دیانت داری کے ساتھ مشغول ہونا چاہئے،- حضور صلی اللہ علیہ وسلم چوبیس سال کے تھے، جب انہیں حضرت خدیجہ نے شام کے سفر پر بھیجا، اور اپنے غلام میسرہ کو ساتھ بھیجا، غالباً تعاون کے ساتھ یہ دیکھنے کے لئے بھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں، آپ کے معاملات کیسے ہیں، لین دین کیسا ہے، اخلاق کیسے ہیں، بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم شام کے سفر پر تشریف لے گئے اور تجارتی درآمد و برآمد کا مشغلہ رہا، اس سفر میں آپ کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی، بہت نفع ملا اور میسرہ نے دیکھا کہ آپ کی زندگی بڑی پاک، صاف و شفاف ہے، اخلاق اتنے بلند ہیں اور معاملات اتنے کھرے اور درست ہیں کہ واقعتاً دنیا میں کوئی آپ کی نظیر نہیں ہے۔

تجارتی سفر کی روداد اور نکاح کا پیام :

میسرہ جب واپس آئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ساری باتیں بیان کر دیں، حضرت

خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے دوشخصوں سے ہوچکی تھی، جنکا انتقال ہوچکا تھا اور ان سے اولاد بھی اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی تھی، اب وہ بیوہ تھیں اور چاہتی تھیں کہ ایسا صالح شخص ملے، جس کے ساتھ بقیہ زندگی تقویٰ اور طہارت کے ساتھ گزاری جاسکے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو ابھی صرف محمد بن عبداللہ تھے، حضرت خدیجہ کے قلب و دماغ پر چھا گئے، آپ کے اخلاق و کردار کے واقعات نے ان کو بے انتہا متاثر کیا، انہوں نے حضور سے پیام کہلوایا، باوجود عمر کے فرق کے حضرت خدیجہ کی عفت، طہارت، پاک نفسی، ذکاوت اور امانت و دیانت نے کسی اور کی ترجیح کا امکان نہ چھوڑا۔- آج شادی کے مسائل میں معاشرہ میں طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا کردی گئی ہیں اور شرم وحیاء کے اس سادہ اور پاک طریقہ کار کو معیوب، اور بے شمار بے شرمیوں اور بے حیائیوں کی رسموں کو مستحسن سمجھ لیا گیا ہے، - بہرحال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نفیسہ بنت امیہ کو بھیج کر حضور کو پیام کہلوایا، اور اسی کے ساتھ ساتھ خود بھی آپ سے براہ راست عرض کیا کہ "**إني قد رغبت فيك لحسن خلقك وصدق حديثك**" میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ سے میرا رشتہ ہو، میں آپ کے حسن اخلاق اور صدق گفتاری سے بہت متاثر ہوئی ہوں، یہ پیام تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اور خیال رہے کہ حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی عمر اس وقت پچیس سال کی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال۔

اس سے بیوی کے کم عمر ہونے کی عرفی شرط بھی ٹوٹی۔

حضرت خدیجہ کی خوبیاں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریب نکاح :

اللہ تعالی نے حضرت خدیجہ میں بہت سی خوبیاں جمع فرمادی تھیں، حسن ظاہر بھی، حسن باطن بھی اور اس کے ساتھ ساتھ خوشحالی بھی، اور عفت وتقویٰ بھی، حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے محترم چچا ابوطالب سے یہ عرض کیا، کہ خدیجہ کا پیام آیا ہے، ابوطالب نے کہا کہ بہت اچھا پیام ہے، انہوں نے پیام قبول کیا، اس کے بعد خود شرفائے مکہ کو لے کر حضرت خدیجہ کے گھر پہونچے اور نکاح پڑھایا، خطبۂ نکاح میں انہوں نے اپنے خاندان کی عظمت کا بھی تذکرہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے فضل وکمال کا بھی، اور صاف صاف واضح کیا کہ محمد کے ہم پلہ کوئی نہیں ہے، اور اس کے بعد اپنے مال میں سے بیس اونٹ مہر مقرر کیا، اس مجلس میں ورقہ ابن نوفل بھی آئے تھے، جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی ہوتے تھے، وہ عیسائی ہو گئے تھے، بڑے بزرگ آدمی تھے، بڑے اللہ والے تھے وہ تورات پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتے تھے، عبرانی زبان اور سریانی زبان سے واقف تھے، عربی زبان انکی مادری زبان تھی۔ انہوں نے بھی اسکے بعد خطبے کے الفاظ ادا کئے، اس رشتے پر اپنی مسرت کا اظہار کیا اور چار سو مثقال مہر کا تذکرہ کیا۔ (مہر کے بارے میں ایک روایت پانچ سو مثقال کی بھی ہے، ممکن ہے کہ اونٹوں کے بدلہ ان کی طرف سے سونا مقرر کیا گیا ہو)۔

حضرت خدیجہؓ کے سابق شوہر اور ان کی اولاد :

حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت خدیجہ کا نکاح ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا تھا، ان سے ہند ابن ابی ہالہ اور زینب بنت ہالہ پیدا ہوئیں، اور دوسرا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا تھا، ان سے دو اولادیں ہوئیں تھیں، ایک عبداللہ بن عتیق اور ایک صاحبزادی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں :

اور پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہوئی تو حضرت خدیجہ ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے صاحبزادے اور صاحبزادیاں پیدا ہوئیں، سوائے ایک صاحب زادے کے جو حضرت ابراہیم نامی ہیں، اور ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، سب سے پہلے حضرت زینب پیدا ہوئی تھیں، پھر حضرت قاسم ہوئے، حضرت قاسم اتنے بڑے ہو گئے تھے کہ سواری پر بھی چڑھا کرتے تھے پھر انکا انتقال ہو گیا، پھر حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ تینوں صاحبزادیاں ہوئیں، سارے صاحبزادے اور صاحب زادیاں نبوت سے پہلے ہوئے صرف حضرت عبداللہ تھے جو نبوت کے بعد پیدا ہوئے، اور ان کا لقب طیب اور طاہر بھی ہے۔

اہم واقعات قبل از نبوت :

مکہ مکرمہ کی سرزمین پر اس عہد میں جو واقعات پیش آئے، ان میں ایک واقعہ ’’حرب الفجار‘‘

کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ ایک جنگ قریش اور قبیلہ قیس میں چھڑی تھی جس میں قریش برسرحق تھے، اس جنگ میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی شرکت فرمائی، لیکن مؤرخین کا بیان ہے کہ حضور نے اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا، جنگ میں مجبوراً شریک ہوئے اور اس بنیاد پر کہ یہ جنگ دو قبیلوں میں ہو رہی ہے اور ہمارا قبیلہ برسرحق ہے، لیکن اللہ کو آپ سے جو کام رحمۃ للعالمینی کا لینا تھا اور عدل وانصاف اور شفقت ورأفت کا، اس شفقت نے آپ کے ہاتھ کو روکے رکھا اور کسی انسان پر وہ ہاتھ نہ اٹھے۔

حلف الفضول (ظلم کے خلاف معاہدہ):

ایک اور واقعہ اس دور کا بہت اہم ہے اور آج کے دور میں اس کو نمونۂ عمل بنانا چاہئے، وہ یہ کہ جنگوں سے جب سارا عرب زار ونزار تھا، اسکی چولیں ہل گئی تھیں اور خاندان تباہ ہوئے جارہے تھے، کہ ان ہی ایام میں چند قبائل کی طرف سے یہ بات اٹھائی گئی کہ جنگ بندی کا ایک بھرپور معاہدہ کیا جائے، اور یہ طے کیا جائے کہ مکہ کی سرزمین پر اب ظلم نہیں ہونے دیا جائیگا، مظلوم کی مدد کی جائیگی، اور ظالم کا ہاتھ پکڑا جائیگا، کب تک ہم یہ دیکھتے رہیں گے کہ اس سرزمین پر ظلم ہوتا رہے اور ظالم مظلوم کو تڑپاتا رہے، اب یہ گوارا نہیں کیا جائیگا، چونکہ اس معاہدہ میں فضیل بن حارث، فضیل بن ودعہ اور مفضل نامی افراد پیش پیش تھے، اسلئے اس معاہدے کا نام ''حلف الفضول'' (Al-Fuzul Pact) رکھا گیا، یعنی وہ معاہدہ جس میں فضل نامی لوگ بنیادی طور پر شریک ہوئے تھے، مختلف خاندانوں اور قبیلوں کے لوگوں نے اس میں شرکت کی، شرکاء میں ایک پرجوش امین وصادق جوان بھی تھا، جس کو لوگ محمد بن عبداللہ کے نام سے جانتے تھے، بعثت ونبوت کے بعد آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ آج بھی اگر کوئی ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کیلئے اور مظلوم کی مدد کیلئے معاہدہ کرے، تو میں اس پر لبیک کہنے، اور سب سے پہلے اس میں شریک ہونے کیلئے تیار ہوں، موجودہ سسکتی ہوئی انسانیت کیلئے حلف الفضول میں ایک بڑا پیام ہے کہ اگر مسلم اور غیر مسلم اس بات پر اکھٹا ہوں کہ کسی ظالم کو ظلم نہیں کرنے دیا جائیگا، اور کسی مظلوم کو بے کسی کے عالم میں نہیں چھوڑا جائے گا، اس کی امداد کی جائیگی، اور ظالم کا ہاتھ پکڑا جائیگا، تو عالم انسانیت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم مشن سامنے آئیگا، آج کے مسلمانوں کو یہ چاہئے کہ وہ ہر ایسے معاہدے اور ہر ایسی

دعوت پر لبیک کہیں، جوظلم کے خلاف آواز اٹھانے، ایکشن لینے اور عمل کرنے کیلئے دی جائے۔

بھڑکتی جنگ آپس کے تعاون میں تبدیل:

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی عمر شریف جب پینتیس سال کی تھی تو ایک اور اہم واقعہ پیش آیا جس نے مکہ مکرمہ کی سرزمین پر حضور کی عظمت میں چار چاند لگا دیئے، واقعہ یہ تھا کہ کعبہ مقدسہ کی عمارت بار بار بارش کے سیلاب سے متاثر ہورہی تھی، شگاف اسکی دیواروں میں پڑ چکے تھے، چھت بھی ڈھا جانے کے قریب تھی، مکہ والوں نے یہ طے کیا کہ ازسرنو اس کی تعمیر کی جائے، تعمیر کیلئے اس کی عمارت کو پہلے شہید کیا گیا، اسی زمانے میں جدہ کے ساحل پر ایک بڑا جہاز ٹوٹا پڑا ہوا تھا، اس کی لکڑیاں خرید لی گئیں، باقوم نامی مستری کو کام کے لئے طے کیا گیا، اور کعبہ مقدسہ کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا، جب حجر اسود کے اپنے خاص مقام پر نصب کرنے کی بات آئی تو اس شرف سے کون محروم رہتا، ہر قبیلہ اس شرف کے حصول کیلئے آگے بڑھنے لگا، کہ ہم یہ پتھر رکھیں گے، بات بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہونچی کہ تلواریں نیام سے نکلنے لگیں، اور یہ خطرہ لاحق ہوگیا، کہ اتفاق جنگ وجدل میں تبدیل ہوجائے، اس وقت یہ رائے سامنے آئی کہ آپس میں جنگ وجدل بند کیا جائے، اور یہ طے کیا جائے کہ کل مسجد حرام میں سب سے پہلے جو شخص داخل ہوگا، بس اُسی کو یہ موقع دیا جائیگا، اللہ کا کرنا، سحر کے وقت لوگوں کی نگاہوں نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے کعبہ مقدسہ کے پاس موجود ہیں، عربوں کا دل بھی یہ کہہ رہا تھا کہ جو سحر خیز اور شب بیدار ہو وہی اس کا مستحق ہے کہ اتنا اہم فریضہ انجام دے، اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کام کے لئے اپنے ہونے والے نبیؐ کا انتخاب فرمایا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی چاروں طرف شور مچ گیا، الامین، الصادق، رضینا بہ، الصادق الامین موجود ہیں، اللہ نے ان کو یہ شرف عطا فرمایا ہے، ہم سب اس پر راضی ہیں اب کوئی اختلاف نہیں رہا، لیکن حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے جن کا کام آگے چل کر ملتوں کو جوڑنا اور انسانیت کی کشتی کو پار کرنا تھا، تنہا اس شرف کو اپنے لئے مخصوص کرنا مناسب نہیں سمجھا، بلکہ ایک چادر منگوائی اس چادر میں حجر اسود اٹھا کر رکھا اور پھر فرمایا کہ قبیلوں کے نمائندگان چادر کے کونے پکڑلیں اور اس پتھر کو لے کر چلیں،

جب وہ کعبہ مقدسہ کی دیوار کے پاس اس پتھر کو لے کر پہونچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پتھر کو اٹھا کر اپنے دست مبارک سے نصب فرمایا، اس طرح ایک بڑی خطرناک جنگ جس کے بادل منڈلانے لگے تھے، ٹل گئی، اور رحمت وسلامتی کے ہونے والے نبی نے پرجوش انسانوں کو جنگ سے محفوظ رکھا، یہ واقعہ ۳۵ھ محمدی کا ہے، دور ماقبل بعثت کے یہ واقعات سب سے اہم شمار کئے جاتے ہیں، اس کے بعد دور نبوت کی تمہید کا سلسلہ شروع ہوا۔

بعثت کی تمہید، اصلاح احوال کے لئے بے چینی :

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت دھیرے دھیرے بے چین ہوتی چلی جارہی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے مشرکانہ اور جاہلی ماحول سے اس قدر دل گرفتہ اور پریشان خاطر تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجمع اچھے نہیں لگتے تھے، اور دھیرے دھیرے نوبت اسکی آئی کہ بھوک کم ہوتی گئی، نیند اڑتی چلی گئی اور طبیعت بے کل رہنے لگی یا اللہ کیا ہوگا، اس معاشرے کا؟ جس میں کھلم کھلا شرابیں پی جارہی ہیں، جوا کھیلا جارہا ہے، عورتوں پر ظلم ہورہا ہے، کمزور، ستم رسیدہ ہے، معاشرہ میں کوئی اللہ کو یاد کرنے والا نہیں ہے، اور لوگ توحید سے محروم اور شرک کے گرفتار ہیں، یا اللہ نور کی کوئی کرن عطا فرما، صحیح راستہ دکھلا دے، اے اللہ ہدایت کا کوئی طریقہ عطا فرمادے، اس بیچینی اور اضطراب میں آپ کا یہ حال تھا کہ اپنا درد دل کسی سے کہنا چاہتے تھے، لیکن کوئی ہمدم وہمراز نہیں ملتا تھا۔

مکہ مکرمہ کے ''حنفاء'' :

مکہ مکرمہ کی اس اندھیری رات میں اس وقت چند جگنو تھے، جن کی روشنی بس انہیں کی ذات تک تھی، ان کی روشنی میں کوئی سفر نہیں کرسکتا تھا، وہ ''حنفاء'' کہلاتے تھے، ابراہیم حنیف کے مسلک پر قائم رہنے کی ان کی کوشش تھی، توحید کا دامن تھامے اور شرک سے گریزاں تھے، ان میں ورقہ ابن نوفل اور زید بن عمرو بن نفیل نمایاں تھے، وہ توحید کی بات کہتے تھے، شام میں بعض پادریوں سے مل کر آئے تھے، اور صحیح مذہب کی تلقین کرتے تھے، لیکن ان میں انقلابی صلاحیت نہیں تھی، وہ کوئی طاقتور اور مؤثر تحریک نہیں چلا سکتے تھے، وہ خود بے چین رہتے تھے، زید بن عمرو، شام وعراق کا سفر کرچکے تھے، بڑے بڑے

کلیساؤں میں ان کا رہنا ہوا، پادریوں سے ملاقاتیں ہوئیں، اخیر میں ایک مسیحی پادری نے ان سے کہا تھا کہ زید! مکہ کی سرزمین میں ایک بہت بڑا نبیؐ برپا ہونے والا ہے، تم وہیں جاؤ اور انتظار کرو، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی عمر پینتیس ۳۵/ سال سے اوپر ہوچکی تھی، زید بن عمرو بن نفیل سے آپؐ نے ملاقات کی، اپنی بےچینی کا اظہار کرتے ہوئے کہا، زید کچھ تو کیجئے، حالات کا کچھ تو مقابلہ ہونا چاہئے، دیکھئے کیا ہورہا ہے، قوم کس قدر خباثت میں مبتلا ہے، زید نے کہا: میں تو تھک ہار گیا ہوں، میں نے بڑی کوشش کی، لیکن بات کچھ چلتی نہیں ہے اور میں شام میں تھا وہاں ایک پادری نے مجھ سے کہا کہ ایک نبیؐ برپا ہونے والا ہے، اب تو بس میں اسی انتظار میں بیٹھا ہوا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا ''هو يبعث أمة وحده يوم القيامة'' (قیامت کے دن وہ اکیلے ایک انجمن کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے)، حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی طبیعت کی بےقراری بڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ آپ نے حراء پہاڑ کے ایک غار کو منتخب فرمایا، جس کی چوٹی اتنی بلند ہے کہ ایک گھنٹہ چڑھتے چڑھتے لگ جاتا ہے، اور اس کا دہانہ کعبہ مقدسہ کے رخ پہ کھلا ہوا ہے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلوت گزینی کیلئے تشریف لے جانے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ ستو لیتے، کبھی جو کی روٹی لے لیتے، کھجور لے لیتے، پانی کا مشکیزہ لے لیتے اور اس غار میں رہتے اور کئی کئی دن ورات وہاں جاکر گزارتے، بےچینی اور تڑپ کی حالت میں اللہ سے لو لگائے رہتے، اللہ کی بندگی کا جس جس طرح ممکن ہوتا اظہار کرتے، ماحول سے بیزار ہوکر پوری یکسوئی کے ساتھ بس اللہ کی طرف متوجہ رہتے، اسی حالت میں عمر شریف کا چالیسواں سال شروع ہوا، اس سال سچے خواب کثرت سے نظر آنے لگے، چھ مہینے اس طرح گزرے کہ جو خواب دیکھتے اس کی حقیقت آشکار ہوجاتی، صبح کی پو پھٹنے کی طرح خواب نمودار ہوتا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: ''أول ما بدیء به من الوحي الرؤيا الصالحة، فكان لا يرى رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح'' (صحیح البخاری، کتاب الوحی)۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے نزول کا سلسلہ سچے خوابوں سے شروع ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خواب بھی دیکھتے تھے، وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوجاتا تھا۔

اسی کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی دیکھنا شروع کیا کہ ایک نور سا چمکتا ہے، وہ نور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر آتا تھا تو طبیعت بڑی مسرور اور محظوظ ہوتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش ہوتی تھی کہ اسی نور کی معیت حاصل رہے، یہ ایک کیفیت نورانی تھی، دوسری طرف ایک بے کلی، بے قراری اور اضطراب تھا، شب وروز اسی طرح گذر رہے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتخاب فرمایا۔

حضرات! بات شروع کی گئی تھی، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے اور اب ہم پہونچے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے پہلے مرحلہ کے اختتام تک، یعنی بعثت سے پہلے کی زندگی کی یہ چند جھلکیاں تھیں جو آپ کے سامنے پیش کی گئیں، اس پہلے مرحلہ کا جوں ہی اختتام ہوتا ہے، ویسے ہی نبوت کے مرحلہ کا آغاز ہوتا ہے، اور رسالت کا سورج طلوع ہوجاتا ہے، بعثت کے بعد عہد مکی سے متعلق- جو تیرہ سال کے عرصہ پر پھیلا ہوا ہے- گفتگو کے لئے آپ دوسرے خطبہ کا انتظار فرمائیں۔

{وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین}

دوسرا خطبہ

نبوت کے بعد کا مکی دور

دوسرا خطبہ

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیۡرًا (الاحزاب : ۴۵- ۴۶)

محترم بزرگو!، دینی وایمانی بھائیواور بہنو!

کل کے خطبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے اس گوشے پر روشنی ڈالی گئی تھی، جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے قبل از نبوت دور سے ہے، پیدائش سے لے کر نبوت و بعثت تک کا زمانہ جو چالیس سال پر مشتمل ہے، اس کے بارے میں نہایت ہی اختصار اور ایجاز کے ساتھ آپ سے گفتگو کی گئی تھی، اور آغاز خطبہ میں یہ بات واضح کر دی گئی تھی، کہ تین خطبات کو اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ پہلا خطبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے چالیس سال پر مشتمل ہوگا (یعنی عہد ما قبل نبوت سے متعلق ہوگا) دوسرا خطبہ نبوت اور رسالت سے سرفراز کئے جانے کے بعد سے واقعہ ہجرت تک کے دور پر مشتمل ہوگا اور انشاء اللہ تیسرا خطبہ ہجرت کے مابعد پیش آنے والے واقعات سے متعلق ہوگا جس کا اختتام حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے وصال کے احوال پر ہوگا۔

مسلمان باطل کے لئے چیلنج ہیں :

حضرات! کل یہ بات بھی ذکر کی گئی تھی کہ موجودہ دور کے حالات اور تقاضوں اور چیلنجوں کو سامنے رکھ کر سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے اور اسی کی روشنی میں اس کو پیش کرنے کی ضرورت ہے، لیکن آج میں آپ لوگوں سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ کل ذکر کیا گیا تھا، آپ کے مطالبہ اور آپ کے اعلان کے مطابق ذکر کیا گیا تھا۔

عام طور پر یہ احساس پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو چیلنجوں کا سامنا ہے، مشکلات، دشواریوں اور آزمائشوں کا سامنا ہے اور مسلمانوں کو ان کا جواب دینا ہے، لیکن آج میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہوں گا، کہ مسلمان خود دورِ حاضر کے لئے ایک چیلنج ہیں، ان کی اصل داعیانہ حیثیت ایک چیلنج کی ہے، اور دنیا کو ان کے چیلنج کا سامنا ہے۔

طرزِ فکر کو بدلنے کی ضرورت :

طرز فکر کو بدلنے کی شدید ضرورت ہے، وہ طرز فکر مدافعانہ ہے، ملتجیانہ، ملتمسانہ، معذرت خواہانہ اور منت سماجت والا طرز ہے، یہ طرز فکر ہمیشہ شکست کھاتا ہے، شکست خوردگی کی ذہنیت اور نفسیات کا غماز اور عکاس ہوتا ہے، اسلام نہ شکست سے کبھی دوچار ہوا ہے، اور نہ اس وقت شکست سے دوچار ہے، اور نہ اسے شکست سے دوچار ہونا ہے، اسلام کی طرف نسبت رکھنے والے بہت سے مسلمان اپنے احساس کہتری کی بنیاد پر شکست خوردگی کی ذہنیت اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں اور اس کی نسبت غلطی سے اسلام کی طرف کرنے لگتے ہیں۔

قرآن نے انسانوں کے سامنے چیلنج پیش کیا :

حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے مکی دور کا جب آپ مطالعہ کریں گے تو پھر آپ کے سامنے یہ حقیقت بھی آشکارا ہو جائیگی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے عالم انسانیت کے سامنے ایک چیلنج پیش کیا تھا، آپ کی دعوت ایک چیلنج تھی، قرآن عربوں کے سامنے ایک چیلنج بن کر آیا تھا جواب انہیں دینا تھا، قرآن سخت اور دوٹوک لہجہ میں ان سے چیلنج کا جواب مانگ رہا تھا، اسلام دنیا کی تمام تہذیبوں، تمدنوں، قوانین، حکومتوں اور قوموں کے لئے چیلنج ہے، ھم چیلنج دیتے ہیں، ہم کسی کے چیلنج کا سامنا نہیں کر رہے ہیں، ہم جس عقیدہ اور نظام حیات کو پیش کرتے ہیں، اور پوری دنیا کو اسکی دعوت دیتے ہیں، وہ انسانیت کے جواب کا منتظر ہے۔

غارحرا کی خلوت گزینی :

گذشتہ خطبہ میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کے مکہ مکرمہ کے ماحول سے شدید کرب محسوس کرتے تھے، اصلاح کا کوئی نسخہ اور اسکیم موجود نہیں تھی، دل خدا آشنا تھا، جو بے ساختہ عالم غیب کی طرف کھنچا جاتا تھا، مالک کائنات اور خالق انسانیت کی طرف مکمل یکسوئی ہی کسی رہنمائی

کی ضامن ہوسکتی تھی، غارحرا میں کسی نبوت ورسالت کا انتظار نہ تھا، بے چینی کا اظہار اور رہنمائی کی طلب و درخواست تھی، امام بخاریؒ کو اللہ تعالی جزائے خیر دے کہ انہوں نے زمین وآسمان، اور مخلوقات وخالق کے رابطہ کو اپنی کتاب الصحیح کا - جو قرآن پاک کے بعد صحت کے سب سے اعلی مرتبہ پر ہے- سب سے پہلا عنوان قرار دیا، اور غارحرا کے تاریخ ساز ماجرے سے کتاب کے اولین صفحات کو مزین کیا، روایت حضرت عائشہ کی ہے، واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ عائشہ رضی اللہ عنہا پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں، یقینا انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اس واقعہ کو ذکر فرمایا ہے۔

سچے خواب اور خلوت کا راز و نیاز :

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ وحی کا آغاز خواب سے ہوا، "**أول ما بدیء به من الوحی الرؤیا الصالحة فکان لا یریٰ رؤیا إلا جاء ت مثل فلق الصبح**" سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اچھے اور سچے خواب دیکھتے تھے اور جو خواب بھی دیکھتے تھے وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوجاتے تھے، یعنی حقیقت بن کر سامنے آجایا کرتے تھے، اس وقت آپ کو خلوت عزیز تھی، مجمع سے دل گھبراتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں "حبب الیه الخلاء "خلوت آپ کو محبوب تھی، خلوت کے لئے مکہ مکرمہ سے تین چار کلومیٹر کی دوری پر آپ نے ایک پہاڑ کو تلاش کیا، جس کو جبل نور کہتے ہیں، وہ اصل میں جبل حرا ہے، جس کی ایک چوٹی پر -جس کا آپ نے خلوت کے لئے انتخاب فرمایا - وہ غار ہے جہاں پر آپ وقتاً فوقتاً تشریف لے جایا کرتے تھے اور اپنے ساتھ ستو، جو کی روٹی، کھجور وغیرہ کھانے کی اشیاء اور پانی لے لیتے تھے، اور تین تین دن، اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ آپ کا وہاں قیام ہوتا تھا، ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جب یہ محسوس کرتیں کہ وقت زیادہ ہوگیا اور آپ کے پاس اب توشہ باقی نہیں رہ گیا ہوگا، تو پھر وہ توشہ لے کر غار پہونچتی تھیں، یا کسی خادم کو بھیجتی تھیں۔

نبوت ورسالت کی نامعلوم دنیا :

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کے دن سے جس محنت، خدمت، وفاداری اور نصرت کا

سلسلہ شروع کیا تھا، اس میں روز بروز ترقی ہی ہوتی جارہی تھی اور اب وہ حضور ﷺ کی اس عبادت سے معمور خلوت میں آپ کی معین و مددگار بنی ہوئی تھیں، آپ کے بارے میں دادا نے پیشین گوئی کی تھی، کہ میرے پوتے کی بڑی شان ہوگی، چچا ابو طالب نے خطبۂ نکاح میں آپ کی عظمت و بلندی اور روشن مستقبل کا تذکرہ کیا تھا، شام کے سفر میں ''بحیرا'' راہب نے آپ کے بارے میں اپنے احساسات ظاہر کئے تھے، اس نے آپ میں نبوت کی علامتیں دیکھی تھیں، مکہ کا بچہ بچہ آپ کو الصادق اور الامین مانتا اور کہتا تھا، امیدیں آپ سے وابستہ تھیں، قوم کا ہیرو، قوم کا چمکتا ستارہ، قوم کا ابھرتا قائد، اور نہ معلوم کیا کیا توقعات آپ سے قوم کے بزرگوں کو تھیں، لیکن ان تمام توقعات اور خوش گمانیوں کے درمیان آپؐ کو نبوت و رسالت کا کچھ پتہ نہ تھا، ''مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ'' (الشوریٰ: ۵۲) تمہیں نہیں معلوم تھا کہ کتاب (الٰہی) کیا ہوتی ہے اور نہ ایمان کی حقیقت کا پتہ تھا، نہ کسی کتاب کا مطالعہ تھا نہ لکھنے کا مشغلہ و علم ''وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ''۔ (العنکبوت : ۴۸)

بصیرت وفراست کی نگاہیں آپؐ کے اندر غیر معمولی شخصیت دیکھ رہی تھیں :

لیکن پیدائش کے مرحلہ سے جو غیر معمولی واقعات ظہور میں آتے رہے، مختون پیدا ہونا، حلیمہ سعدیہ کے یہاں برکات کا ظہور، شرح صدر کا واقعہ، شام کے اسفار، پادریوں کی پیشین گوئیاں، حجر اسود نصب کرنے کا موقعہ، خلوت میں قلبی کیفیات، سچے خوابوں کا سلسلہ، اس سب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات طیبہ کے ساتھ قبل از نبوت کرامات کا ایسا صدور ہورہا تھا کہ جن سے اشارے ملتے چلے جارہے تھے کہ یہ ایک ایسی شخصیت ہے، جس سے کوئی بڑی بات ظہور میں آنے والی ہے اور سمجھنے والے یہ بھی سمجھ رہے تھے — جنھوں نے قدیم آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا — کہ اللہ تعالیٰ کا ''وہ نبی'' جس کا انتظار چل رہا ہے، اب اس کی آمد قریب ہے بعضوں کی نگاہیں تاڑ گئی تھیں کہ یہی وہ شخصیت ہے جو بحیثیت نبی کے ظہور پذیر ہوگی، ان حالات میں، اس خاص فضا میں اور غیبی تیاریوں اور انتظامات کے درمیان آپ اپنا وقت اللہ سے لولگانے میں گذار رہے تھے، جبکہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں ''كان يتحنث فيه - وهو التعبد - الليالي ذوات العدد'' کئی کئی

رات غار حراء میں محوِ عبادت رہتے تھے ''یتحنث '' کا جو لفظ حدیث میں استعمال کیا گیا تھا، اس کی تشریح تعبد سے کی گئی۔

غار حرا میں آپ ﷺ کی عبادت :

عبادت کس طرح کی ہوتی تھی اسکی کوئی وضاحت موجود نہیں ہے، لیکن انسان کے اندر عبودیت کا جو مادہ ہے جس کے نتیجے میں کبھی وہ سر جھکا تا ہے، کبھی سینے پر ہاتھ رکھ لیتا ہے، کبھی جھک جاتا ہے، کبھی زبان سے تعریف کے کچھ کلمات بولتا ہے، اور اپنے مالک کے گن گاتا ہے، اسکے سامنے دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے، دل کی گہرائیوں سے اسے پکارتا اور اس سے مناجات کرتا ہے، یہ سب کچھ اور اسکے علاوہ وہ سب کچھ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رب کے درمیان کا راز ہے، آپ کے ''**تحنث**'' و ''**تعبد**'' کی شکلیں ہوں گی، پھر اچانک ایک نئے تجربے سے آپ گذرے، جس لمحہ کے لئے چالیس سال کی یہ زندگی احتیاط وتقوی کے راستوں پر سفر کر رہی تھی، وہ لمحہ آ گیا۔

نبوت کا آغاز اور وحی کی ابتدا :

بہر حال آپ ﷺ غار حراء کی خلوت میں وقت گذار رہے تھے کہ سترہ رمضان المبارک ۴۰ محمدی یعنی جب کہ آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہو چکی تھی اور عیسوی تاریخ دس اگست تھی ۶۱۰ء کا سال تھا، آپ کے سامنے ایک شخصیت نمودار ہوئی، اس شخصیت نے آپ سے کہا کہ پڑھئیے، حافظ ابن حجرؒ نے بخاری کی شرح فتح الباری میں یہ لکھا ہے کہ اس کے پاس جنت کے ریشم کا ایک ٹکڑا تھا، جس پر ایک تحریر لکھی ہوئی تھی، اس نے یہ کہا کہ پڑھئیے، آپ نے اس کے جواب میں کہا کہ ''ما أنا بقارئ'' میں پڑھا لکھا نہیں ہوں، یہ جواب بھی اس بات کو بتاتا ہے کہ آپ کے سامنے تحریر پیش کی گئی تھی، کیونکہ اگر تحریر سامنے نہ ہوتی اور کوئی شخص آ کر یہ کہتا کہ پڑھئیے تو آپ کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ کیا پڑھوں؟ اگر آپ کے سامنے کوئی تحریر نہ پیش کی جائے اور یہ کہا جائے کہ پڑھئے! آپ یہی کہیں گے میں کیا پڑھوں؟ لیکن اگر کوئی کتاب یا تحریر پیش کی جائے، اور کہا جائے کہ پڑھئے تو آپ کہیں گے کہ میں پڑھا لکھا نہیں ہوں، حضور ﷺ نے جواب میں کہا تھا، ''ما أنا بقاری'' میں پڑھا لکھا نہیں ہوں، میں حروف شناس نہیں

ہوں، اس لئے میں تحریر نہیں پڑھ سکتا، اس پر حضرت عائشہ صدیقہ اپنی روایت میں بیان کرتی ہے کہ پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سینے سے لگا کر اتنی زور سے بھینچا کہ حضور کے الفاظ میں ''حتی بلغ منی الجھد'' یہاں تک کہ میرے لئے نا قابل برداشت ہونے لگا، سخت مشقت محسوس ہونے لگی، اور اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا، پھر کہا پڑھئے، پھر میں نے کہا میں پڑھا لکھا نہیں ہوں، دوبارہ اس نے مجھے سینہ سے لگایا اور زور سے بھینچا، ''حتی بلغ منی الجھد'' یہاں تک کہ میری آخری طاقت صرف ہوگئی اور پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے، پھر میں نے وہی جواب دیا، سہ بارہ یہی عمل ہوا کہ انہوں نے مجھے سینے سے لگا لیا اور زور سے مجھے کھینچا اور اب کی بار انھوں نے کہا پڑھئے اور خود پڑھنا شروع کیا ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵'' (العلق : ۱ تا ۵)

ترجمہ: پڑھیئے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے جمے ہوئے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھئے اور آپ کا پروردگار بہت ہی عطا اور بخشش فرمانے والا ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا، اور انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جس سے انسان ناواقف تھا۔

قرآن کی ترتیب حقیقی اور ترتیب نزولی :

یہ قرآن کے پہلے بول ہیں، وحی الٰہی کے سلسلے کا آغاز قرآن پاک کی ان ہی آیات سے ہوا ہے یہ آیات سورۃ العلق کی ہیں جو تیسویں پارے کی ایک سورہ ہے، نزول کے اعتبار سے اس سورۃ کی ابتدائی آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں، لیکن موجودہ قرآن پاک کی جو ترتیب ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہی آپ کے عہد پاک میں طے کردی گئی تھی، اس کے مطابق سورہ فاتحہ پہلے ہے پھر بقرہ ہے پھر سورہ آل عمران ہے، پھر سورہ نساء ہے، یہ ترتیب وہ ہے جو لوح محفوظ کے مطابق ہے، ازلی اور ابدی ترتیب ہے، اور وہ ترتیب نزولی ہے جو حالات اور تقاضوں کے مطابق ہے، یہ بالکل ایسا ہی عمل تھا جیسے ایک کتاب کے اقتباسات (Quatations) آپ وقت اور ضرورت کے اعتبار سے لیتے اور پیش کرتے ہیں، ہر موقع پر کتاب شروع سے پڑھ کر نہیں سنائی جاتی، قرآن پاک سے اگر مجھے کوئی اقتباس لینا ہے اور میں آپ کے

سامنے جہاد کے موضوع پر، نماز کے موضوع پر، زکوۃ کے موضوع پر تقریر کرنا چاہتا ہوں، تو میں سورہ فاتحہ پڑھ کر نہیں سناؤں گا، بلکہ قرآن پاک کی ان آیات کا انتخاب کرونگا، جن میں ذکر جہاد کا ہے، نماز کا ہے، زکاۃ کا ہے، جس موضوع پر بحث ہوگی، اس موضوع کے متعلق آیات کے اقتباسات پیش کئے جائیں گے، بالکل اسی طرح لوح محفوظ میں تو اللہ کا کلام ایک خاص ترتیب سے درج ہے لیکن وہاں سے سے اخذ کردہ اقتباسات اور خطبات وقت اور ضرورت کے مطابق نازل ہوتے چلے گئے اور حضور ﷺ یہ حکم فرماتے چلے گئے کہ اس ترتیب سے ان کو مرتب کیا جاتا رہے۔ بہر حال قرآن پاک کی ترتیب ایک طرف تو لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق انجام پا رہی تھی، دوسری طرف حالات کے مطابق اس کا نزول ہو رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تبلیغ فرما رہے تھے۔

نزول وحی کا لرزا دینے والا واقعہ :

غار حراء میں یہ واقعہ پیش آیا جو آپ کے لئے بالکل نادر واقعہ تھا، اس سے پہلے کبھی بھی اس طرح کے واقعہ کا تجربہ نہیں ہوا تھا، اس واقعہ کا جو اثر آپ پر پڑا وہ اتنا زبردست تھا کہ جسم آپ کا کپکپا رہا تھا، لرز رہا تھا اور پہاڑ سے اترنا آپ کیلئے مشکل ہو رہا تھا، بمشکل پہاڑ سے اترے اور پھر آپ نے گھر تک کا راستہ بدقت اور مشقت طے کیا، جب گھر پہنچے تو اس وقت تک یہ صورتحال ہوگئی تھی کہ پلنگ پر صحیح طریقہ پر لیٹنے اور لحاف یا کمبل کو اوڑھنے کی سکت بھی باقی نہیں رہ گئی تھی، اتنا پسینہ بہہ چکا تھا اور لرزہ کی ایسی کیفیت طاری ہو چکی تھی کہ بس پلنگ پر گر پڑے اور حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو، حضرت خدیجہؓ نے کمبل اوڑھا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آرام کیا۔

جبرئیل امین کی اصلی ہیئت :

غار حرا ایک چھوٹا سا غار ہے پانچ چھ ہاتھ اس کا عرض وطول ہے، جبرئیل امین اس غار حرا میں انسانی شکل میں ہی آئے ہوں گے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ جبرئیل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اصلی شکل میں صرف دو مرتبہ دیکھا، ایک مرتبہ اس وقت دیکھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا سے اتر کر ''اجیاد'' محلے سے گذرتے ہوئے اپنے گھر تشریف

لے جارہے تھے، اجیاد آج بھی معروف ہے، جو لوگ مکہ مکرمہ جا چکے ہیں اجیاد نامی محلہ انھیں معلوم ہوگا، آپ وہاں سے گزر رہے تھے کہ اچانک یہ آواز آئی ''یا محمدؐ'' تو حضور نے سامنے دیکھا کوئی نظر نہیں آیا، دائیں بائیں دیکھا کوئی نظر نہیں آیا، پیچھے مڑ کر دیکھا کوئی نظر نہیں آیا، آواز مکرر آئی ''یا محمدؐ'' اس کے بعد پھر حضور ﷺ نے نگاہ اوپر کی، دیکھا کہ جبرئیل امین کا وجود پورے افق کو گھیرے ہوئے ہے، پوری فضا، پورا نیلگون آسمان حضرت جبرئیل سے اس وقت ڈھک چکا ہے اور ان کے چھ سو بازو ہیں، نبوت کے بعد ان کی اصل شکل میں دیکھنے کا یہ پہلا موقع ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا ہے ''فرعبت منه'' میں دہشت زدہ ہوگیا اور کانپ کے رہ گیا، اور پھر مجھ پر وہی کیفیت طاری ہوگئی اور میں گھر آیا اور آ کر لیٹ گیا اور مجھ میں اتنی سکت نہیں تھی کہ میں کمبل اوڑھ سکتا میں نے خدیجہ سے کہا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو۔

اے کملی والے :

یہ دو موقع ہیں اور دونوں موقعوں کا تذکرہ قرآن پاک کی دو سورتوں کے آغاز میں فرمایا گیا :

''يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿١﴾ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢﴾ نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ﴿٣﴾''

(المزمل : ۱ تا ۳)

''يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿١﴾ قُمْ فَأَنذِرْ ﴿٢﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿٣﴾'' (المدثر : ۱ تا ۳)

ایک جگہ ''مزمل'' کہا گیا اور ایک جگہ ''مدثر'' کہا گیا، زمال کے معنی موٹی چادر کے ہوتے ہیں اور دثار کے معنی بھی کمبل اور موٹی چادر کے ہوتے ہیں تو ''يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ'' کے معنی ہیں ''اے کملی والے'' اور ''يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّر'' کے بھی وہی معنی اے کمبل کو اوڑھنے والے، دو مترادف الفاظ دو سورتوں کے آغاز میں استعمال کئے گئے ہیں کیونکہ یہ دو واقعات کی طرف مشیر ہیں۔

دوسری مرتبہ جبرئیل امین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں دیکھا، سدرۃ المنتھیٰ کے پاس، جس کا تذکرہ خداوند قدوس نے سورۃ النجم میں فرمایا ہے ارشاد ہے :

''ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ﴿٨﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ﴿٩﴾ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ﴿١٠﴾''

(النجم : ۸ تا ۱۰)

پھر وہ قریب ہوئے اور نیچے آئے بس وہ دو کمانوں کے فاصلہ پر تھے یا اور قریب، پھر اللہ کے بندے کی طرف انہوں نے وحی کی جو بھی وحی کی، یہ دو مواقع ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو اپنی اصل شکل میں دیکھا، اس کے علاوہ جب بھی جبرئیل آمین آئے تو کسی انسانی روپ میں آئے، اور اکثر و بیشتر ایک صحابی جلیل حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل امین آیا کرتے تھے، دحیہ کلبی بڑے ہی حسین وجمیل اور شکیل ووجیہ انسان تھے اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ جبرئیل امین ایسی انجانی شکل میں آئے کہ پہچاننا مشکل ہو گیا، جس کا تذکرہ مشہور حدیث جبرئیل میں آیا ہے۔

جبرئیل امین ایک اجنبی کی شکل میں :

راوی حدیث بیان کرتے ہیں: کہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک صاحب مسجد نبوی میں داخل ہوئے، جن کے بال بالکل سیاہ تھے، اور کپڑے نہایت سفید تھے، سفر کا کوئی اثر ان پر ظاہر نہیں تھا، اور ہم میں سے کوئی ان کو جانتا نہیں تھا، اگر وہ ہمارے علاقے میں رہنے والے ہوتے تو ہم ان کو جانتے، اگر باہر سے آئے ہوتے، تو سفر کا کوئی اثر گرد وغبار و دھبہ وغیرہ کا کوئی نشان ہوتا، لگ یہ رہا تھا کہ جیسے غسل خانے سے ابھی نہا دھو کر نکلے ہیں، وہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ حضور کے سامنے دوزانوں بیٹھ گئے اور اپنے گھٹنے حضور ﷺ کے گھٹنوں سے ملا دیئے، اپنے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں زانوں پر رکھ دیئے، ایک عجیب منظر تھا، لوگ تکتے رہ گئے، کہ یہ کون بے تکلف انسان ہے! اس طرح مجلس نبوی میں چلا آرہا ہے، اور گھٹنوں سے گھٹنے ملا رہا ہے، اور ہاتھ حضور ﷺ کے زانوں پر رکھ رہا ہے پھر مزید دلچسپ بات یہ کہ وہ آتے ہی یہ پوچھنے لگے :

"یا محمد أخبرنی عن الإسلام" محمد بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تشریح فرمائی، اس کے بعد پھر انھوں نے سوال کیا: بتایئے ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے ایمان کی توضیح فرمائی، پھر سہ بارہ سوال کیا: بتایئے کہ احسان کیا ہے؟ تو آپ نے احسان کی حقیقت بیان فرمائی، پھر سوال کیا: قیامت کب آئے گی؟ تو آپ نے جواب دیا کہ اس کا علم نہ مجھے نہ تمھیں، ہاں میں تمھیں

قیامت کی علامات بتا سکتا ہوں، پھر آپ نے علامات کا تذکرہ فرمایا، جب وہ حضور ﷺ کا جواب سنتے تھے، تو کہتے تھے "**صدقت**" ٹھیک کہا آپ نے! اس سے یہ لگتا تھا کہ کوئی ممتحن صاحب تشریف لائے ہیں اور حضور کا امتحان لے رہے ہیں، صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے تعجب کی انتہا نہ رہی، ہم حیران تھے کہ یہ نیا آدمی کون آیا ہے، جو اس قدر بے تکلف ہے، حضور ﷺ سے سوالات کر رہا ہے، اور جب آپ جواب دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ آپ نے ٹھیک کہا، تصدیق بھی کرتا جاتا ہے، گویا امتحان کے نمبر بھی دیتا چلا جا رہا ہے، یہ ہے کون آدمی؟ یہاں تک کہ وہ صاحب مسجد سے باہر نکلے، حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا، ذرا دیکھنا کدھر گئے، ان کو ذرا بلاؤ، لوگ اٹھے، لپکے اور مسجد کے دروازے کے پاس پہنچے، تو دیکھا کہ وہاں تو کسی کا نام ونشان نہیں، تب آپ ﷺ نے فرمایا: "**ذالکم جبرئیل أتا کم یعلمکم دینکم**" وہ جبرئیل تھے تمہارے پاس اس لئے آئے تھے کہ تم کو تمہارا دین سکھا دیں۔

یہ بات حضور ﷺ کی وفات سے کچھ عرصے پیشتر کی ہے۔

حضرات! یہ تفصیلات میں نے اس لئے ذکر کر دیں، کہ جبرئیل امین کے سلسلے میں جو مختلف روایات آئی ہیں، ان کی کچھ جھلکیاں آپ کے سامنے آجائیں، اور یہ معلوم ہوجائے، کہ فرشتہ نبی کے پاس کس کس طرح آتا تھا۔

جبرئیل امین کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ اور تلقین آیات :

غار حراء چھوٹا سا غار تھا، جبرئیل اپنی اصلی شکل میں اس میں سما ہی نہیں سکتے تھے یقیناً کسی انسانی روپ میں وہ آئے ہوں گے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان ہی تھے، آپ کے سینے کو اپنے سینے سے لگانے کا امکان اسی وقت ہوسکتا تھا جب کہ وہ اپنی اصلی شکل میں نہ ہوں کیوں کہ اپنی اصلی شکل میں تو انھوں نے پورے افق کو ڈھک رکھا تھا اور یہاں تو معانقہ کی بات کہی گئی ہے، معانقہ تو انسانوں میں ہوتا ہے لہٰذا اس سے بھی اس بات کا اشارہ ملتا ہے، کہ وہ انسانی شکل میں آئے، حضور ﷺ سے معانقہ کیا اور اس کے بعد ان آیات کی تلقین کی۔

حکم ''اقرأ'' کا راز :

یہاں پر تھوڑی دیر کے لئے ہم کو ان آیات پر تھوڑا سا تدبر کر لینا چاہئے کہ قرآن پاک کا آغاز ان آیتوں سے کیوں ہوا؟ اور یہ آیات اپنے اندر کیا پیام رکھتی ہیں؟ آیات میں جو بات ارشاد فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ''(العلق : ۱) پڑھئے اپنے پروردگار کی صفات کا استحضار کرتے ہوئے، اور ان پر عقیدہ رکھتے ہوئے اور ان کی برکت حاصل کرتے ہوئے اور اس پر ایمان رکھتے ہوئے کہ وہ خالق کائنات ہے، اس طرح آخری نبی کو سب سے پہلا جو حکم دیا گیا، جب آسمان سے زمین کی ایک عرصہ کے بعد ملاقات ہوئی، اور جب وحی الٰہی کا نزول آخری مرتبہ شروع ہوا، اور جب آخری نبی کو پکارا گیا، اور فرشتہ روح الامین آخری نبی سے جب پہلی ملاقات کے لئے آیا، تو اس نے یہ نہیں کہا کہ ''**اعبد** ''**اسجد**''**اعتقد، كذاوكذا**، کہ بندگی کیجئے سجدہ کیجئے اور ایسا اور ایسا عقیدہ رکھئے ان سب ممکنہ احکامات اور فرمودات کے جگہ پر جو پہلا حکم ملا وہ یہ کہ ''اقرأ'' پڑھئے اس سے یہ معلوم ہوا کہ پڑھنے ہی سے اسلامی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔

عبادت کے لئے قراءت ضروری :

رب کائنات اور خالق ارض وسماء کے کلام وفرمان سے واقف ہونے کے لئے پڑھنا ازحد ضروری ہے، حروف سیکھنا ہے، جملے اور مرکبات پڑھنا ہیں، آیتوں کی تلاوت کرنا ہے، اور پھر انہیں کے ذریعہ عبادت ادا کرنا ہے، نماز سب سے اہم اور اولین عبادت ہے، جو بغیر کلام الٰہی کی تلاوت کے ادا نہیں ہوسکتی، اس لئے حکم ہے کہ بچہ جب سات سال کا ہوجائے تو اس کو نماز سکھا دو، یعنی پانچ سال سے اسے پڑھنے بٹھا دو، تاکہ سات سال تک پہنچتے پہنچتے وہ نماز پڑھ سکے۔

جامع ترین کتاب :

اور پھر جب قرآن پڑھ لے اور نماز ادا کرنے کے قابل ہوجائے، تو پھر اس کی تفسیر وتشریح پڑھتا چلا جائے اور یہ کتاب جس کے بارے میں صاحب کتاب نے فرمایا :

''مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ''(الانعام : ۳۸)

''ہم نے کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی'' ایک جامع ترین کتاب ہے، جو اس امت کو عطا کی گئی ہے، پڑھنے کا آغاز اسی سے ہونا ہے، پھر اس کے بعد اس کتاب کے مضامین اور مطالب پر غور کرتے چلے جانا ہے، اور اس کتاب نے جن علوم وفنون کی دعوت دی ہے ان علوم وفنون کو اس کتاب کے فہم اور تدبر کی خاطر حاصل کرتے چلے جانا ہے۔

علوم کتاب کی ہمہ گیری :

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے، کہ اس آیت کریمہ میں اس کو متعین نہیں کیا گیا، کہ کیا پڑھنا ہے؟ لیکن یہ بات متعین کردی گئی، کہ جو کچھ پڑھنا ہے، اللہ کی وحدانیت کے عقیدہ کے ساتھ، اللہ کی ذات اور اس کی صفات اور اس کے اسماء پر یقین کے ساتھ، اور منزل کے تعین کے ساتھ، پڑھنا ہے۔ سائنس پڑھنا ہے، جغرافیہ پڑھنا ہے، علوم دین پڑھنا ہے، دنیا کی معلومات حاصل کرنی ہے، ان میں کوئی بھی چیز ناجائز نہیں ہے، لیکن شرط اساسی یہ ہے کہ وحدانیت الہٰ کے عقیدہ اور صحیح تصور کے ساتھ علوم کی تحصیل کی جائے اور انسان کی منزل متعین ہو، کہ اسے اللہ کے پاس جانا ہے، وہ اللہ کے پاس سے آیا ہے، اور اسکی حاضری بھی اسی کے پاس ہوگی، خالق اللہ ہے، یہاں اللہ تعالی کے اوصاف میں سے وصف تخلیق کا اسلئے تذکرہ کیا گیا ہے کہ یہ ساری کی ساری کائنات وصف تخلیق سے جڑی ہوئی ہے، اللہ ایک ہے، ''وحدہ لا شریك له'' ''اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں'' باقی ساری کی ساری کائنات مخلوق ہے، ان کی تخلیق میں اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔

اللہ تعالی کی معرفت سے ابتداء :

اللہ کی ذات وصفات کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو اسم ''رب'' میں آ گیا ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ'' اللہ کی ذات کی معرفت کے لئے اس کی صفات پڑھو، اس کی معرفت حاصل کرو، اللہ کی معرفت کے بعد ''الَّذِیْ خَلَقَ'' مخلوقات کا تعارف حاصل کرو، اس نے آسمانوں اور فضاؤں کو پیدا کیا، اسلئے فلکیات کا علم حاصل کرو، اس نے سمندروں کو بنایا اسلئے سمندروں کا علم حاصل کرو، اس نے خشکی کو بنایا ہے اسلئے خشکی کا علم حاصل کرو، زمین کے اندر اس نے بہت سی دھاتیں بنائی ہیں اور بہت سے کانیں رکھی ہیں ان

کا علم حاصل کرو، اس نے پرندے بنائے ہیں، حیوانات بنائے ہیں ان کا علم حاصل کرو، اس نے نباتات اگائی ہیں ان سے واقفیت حاصل کرو، جو چیز بھی اس نے پیدا کی ہے اس کو سمجھنے کی کوشش کرو، تاکہ اس کی صفات کا علم اس کی مخلوقات کے ذریعہ ہوتا جائے اور یہ معلوم ہو کہ کیا چیز نفع بخش ہے اور کیا چیز نقصان دہ ہے تاکہ نقصان دہ چیزوں سے انسان کو بچایا جاسکے، نفع بخش چیزوں کو حاصل کیا جاسکے۔

علوم کی تقسیم نفع وضرر کے اعتبار سے :

اسلام نے علوم وفنون کے سلسلے میں بہت ہی بنیادی نقطہ نظر، بلکہ کہنا چاہئے کہ بنیادی عقیدہ، اس آیت کریمہ کے ذریعہ دے دیا کہ علم کی تفریق نہ قدیم وجدید سے کی جائے، نہ دین ودنیا کی بے جا تقسیم سے، علم کی تقسیم اگر ہے بھی تو صرف ''نافع'' اور ''ضار'' کی بنیاد پر ہے، حضور ﷺ کی حدیث بار بار آپ نے سنی ہوگی، حضور ﷺ دعا فرماتے تھے ''أللهم إني اسئلك علما نافعا''، اے اللہ میں تجھ سے نفع بخش علم کی بھیک مانگتا ہوں، مجھے نفع بخش علم عطا فرما، اور دوسری طرف یہ فرماتے تھے، ''اللهم إني أعوذ بك من علم لا ينفع'' اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ پہنچائے، معلوم ہوا کہ جو علم نفع بخش نہیں ہے وہ مطلوب نہیں ہے، وہ علم جو دین ودنیا کو نقصان پہنچائے اس سے بچنا چاہئے، اور جو علم نفع بخش ہے اس کا نفع دنیا میں ہو یا آخرت میں ہو، اس کا نفع بدن کے لئے ہو یا روح کے لئے، ظاہر کو ہو یا باطن کو، ہر نفع بخش علم کی تحصیل میں لگنا چاہئے اور اس کو ''اسم رب'' سے جوڑ دینا چاہئے یعنی اللہ کی ذات وصفات پر عقیدہ کے ساتھ اس کو جوڑ دینا چاہئے، معرفت الٰہی کے صحیح تصور کے ساتھ اس کو مربوط کردینا چاہئے۔

تخلیق کے مرحلوں کا احساس ادعائے علم سے مانع :

قرآن پاک کا درس یہاں سے شروع ہوا، وحی الٰہی کا آغاز یہاں سے ہوا، غار حراء میں سب سے پہلا پیغام ان الفاظ سے ملا، اس وحی میں یہ خوشخبری بھی دے دی گئی کہ جب علم کی تحصیل کے لئے مخلصانہ قدم بڑھائے جائیں گے، تو اللہ کی صفت ''أکرم'' کا فیضان ہوگا ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝'' (العلق: ۱-۲) تخلیق کا جب تذکرہ کیا گیا تو اس کائنات کے

نوشہ اور اللہ کے خلیفہ، جس کے لئے یہ کائنات پیدا کی گئی ہے، یعنی انسان کا تذکرہ بالخصوص کیا گیا، اور اسے یہ حقیقت بھی یاد دلا دی گئی کہ وہ خون کے ایک لوتھڑے سے بنا ہے، اس کا وجود ایک حقیر چیز سے تیار ہوا ہے، اس لئے اس کے اندر فروتنی اور عاجزی ہونی چاہئے علم انسان کے اندر گھمنڈ پیدا کر دیتا ہے، اسے مغرور بنا دیتا ہے، علم سے کبھی سر اٹھنے لگتا ہے، اس پہلے سبق میں جب کہ علم کا فیضان ہونے جا رہا تھا، علم پڑھنے کا حکم دیا جا رہا تھا، اس اندیشہ سے کہ کہیں علم کے راستے سے انسان میں غرور نہ آ جائے، گھمنڈ پیدا نہ ہو جائے، انسان کو یوں مخاطب کیا گیا ''اے انسان تو مخلوق ہے خالق نہیں اور تیرا وجود ''علق'' (جونک) کی سی ابتدائی شکل سے ہوا، علق کا خاص طور پر اس جگہ اس لئے ذکر کیا گیا کہ علق کی شکل بڑی بدنما ہوتی ہے، اگر آپ نے انسان کے جنین کا مطالعہ کیا ہو، رحم مادر میں انسان کی جو تشکیل درجہ بدرجہ ہوتی ہے اس میں دوسرا مرحلہ ''**علق**'' کا ہوتا ہے، اس کی شکل جونک کی سی ہوتی ہے، جو کسی چیز سے چپک جائے، اس وقت بڑی بدنما اور بھدی شکل نظر آتی ہے، اگر آپ اسکرین پر اس انسان کو دیکھیں جو علق کے مرحلے میں داخل ہوتا ہے، تو رحم مادر سے کیڑے کی طرح چپکا ہوا نظر آتا ہے، اس کو دیکھ کر خود انسان کو اپنے اوپر شرم آتی ہے، بلکہ اپنے اس وجود سے گھن آتی ہے، پھر خداوند قدوس نے اپنی قدرت سے اسی میں اعضاء پیدا فرمانا شروع کر دیئے، اور اس کو ایک سڈول اور حسین وجمیل وجود کا جامہ پہنا دیا۔

تعلیم کا صفتِ کرم سے تعلق :

اس کے بعد فرمایا: ''اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ'' دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ''اِقْرَأْ'' دو مرتبہ استعمال کیا گیا، ایک مرتبہ اس مقصد کے لئے، کہ علم کا تعلق اللہ کی معرفت سے جوڑا جائے، اور دوسری مرتبہ اس لئے کہ بتایا جائے، کہ علم کی کوئی انتہا نہیں، اس سمندر کا کوئی ساحل نہیں، اس بحر کی کوئی تھاہ نہیں، لہٰذا پڑھتے چلے جاؤ اور خدا کی صفت ''اَکرم'' پر نگاہ رکھو کہ وہ بہت ہی دینے والا، بہت ہی عطا فرمانے والا، بے انتہا کریم ہے، جتنا زیادہ طلب کرتے جاؤ گے اتنا زیادہ ملتا چلا جائے گا، فیضان الٰہی کے سوتے پھوٹتے چلے جائیں گے اور چشمے ابلتے چلے جائیں گے۔ اس علم کا حال یہ ہے کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم — جنھوں نے اللہ کے اس علم کو سب سے زیادہ حاصل کیا، جو اس سے سب سے زیادہ

سیراب ہوئے، اور پوری دنیا کو سیراب فرمایا — اللہ نے ان سے بھی فرمایا :

"وقل ربی زدنی علما"

اے محمد تم بھی یہ دعا کرتے رہا کرو کہ اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما، تو جب نبی کو حکم یہ ہے کہ وہ علم میں اضافے کی دعا کرتے رہیں، تو ظاہر ہے کہ ہر امتی کتنا محتاج ہے کہ علم میں اضافے کی دعا کرے اور اسکی راہوں میں سفر کرتا رہے۔

اس عالم کے تمام علوم علم الٰہی کا ایک ذرہ ہیں :

جو شخص بھی کسی مرحلہ پر یہ سمجھ بیٹھے کہ میرا علم اب کمال کو پہنچا اور میں عالم کامل ہو گیا اس سے بڑھکر کوئی نادان نہیں ہے، علم کے کمال کو کوئی پہنچا ہی نہیں ہے، یہ تو صرف صفت باری تعالی ہے، علم کا کمال صرف اسی کو حاصل ہے، انسانوں کو مخاطب کر کے اس نے صاف فرمادیا "وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا" (بنی اسرائیل : ۸۵) جو علم تمھیں دیا گیا ہے بہت تھوڑا ہے، حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، -اس وقت جب کہ دریائے نیل میں کشتی رواں دواں تھی، اور وہ اس پر سوار تھے، کہ اچانک ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھی اور اس نے دریا میں چونچ ڈالی اور پانی کا ایک قطرہ لیا کہ حضرت خضر علیہ السلام کا درس شروع ہو گیا- فرمایا: کہ اے موسیٰ! اس چڑیا کی چونچ میں جو پانی آیا، ہمارا اور تمہارا علم، اللہ کے علم کے مقابلے میں، بس ایسا ہی سمجھو، جیسے کہ چڑیا کی چونچ میں ایک قطرہ پانی، اور کیونکر ایسا نہ ہو جب کہ ریگستان کے ذرات کے بقدر آسمان پر ستارے اور سیارے ہیں اور یہ دنیا بھی ان ہی ستاروں اور سیاروں میں سے ایک چھوٹا سا سیارہ (کرہ) ہے، ابھی اس دنیا کی تہوں میں بھی ہم نہیں اتر سکے اور اس کا ہی علم حاصل نہیں کر سکے، اس کی فضاؤں کا بھی احاطہ نہیں کر سکے تو اربہا ارب ستاروں اور سیاروں کے علم تک کب اور کہاں پہنچیں گے!؟ ہمارا علم ایک ذرہ کے بقدر بھی نہیں، ساری دنیا کا علم بھی اگر انسان کو مل جائے تو بھی وہ ایک ذرہ کے برابر نہیں، چہ جائے کہ ذرہ کا بھی کوئی لاکھواں کروڑ واں حصہ ہو۔

قلم کی عظمت و مقام بلند :

"الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ" کہہ کر قلم کا اعزاز و اکرام کیا گیا، اور امت کو بتایا گیا، کہ قلم کے ساتھ بھی اپنا رابطہ قائم کرنا ہے، یہی قلم ہے جسکی قسم کھا کر خداوند قدوس نے فرمایا "نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا یَسۡطُرُوۡنَ" (القلم: ۱) نون ! قلم کی قسم اور اس کی جو وہ لکھ رہے ہیں، معلومات نوٹ کی جاتی ہیں، تبھی وہ دستاویز بنتی ہیں، محفوظ رہتی ہیں، نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں، اور باقی رہتی ہیں، قلم سے معلومات کا انضباط ہے، اور قلم ہی سے معلومات کی بقاء ہے، اور قلم ہی ذریعہ تعلیم ہے۔

علوم کے الہامات :

آخری بات اس وحی میں فرمائی گئی: "عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ" (العلق: ۵) اس نے جنس انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جسکا اسے اتہ پتہ نہیں تھا، انسان قدیم ہو یا جدید، بیسویں صدی کا ہو یا پہلی صدی کا، کسی بھی دور کا انسان ہو، خدا ہی اس پر علم کا فیضان فرما رہا ہے، انسان مؤمن ہو یا کافر، مشرقی ہو یا مغربی، معلومات کے دریچے اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے ہی کھولے جاتے ہیں، وہم و گمان اور ظن و تخمین کی بات نہیں ہو رہی ہے، بات اس علم کی ہو رہی ہے، جس کا الہام اللہ تعالی کی طرف سے کسی بھی کار خیر کیلئے کسی بھی انسان کے قلب میں ہوتا ہے، اسی بنیاد پر تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "الحکمة ضالة المؤمن" حکمت اور دانش مندی کی بات مسلمان کا گم شدہ مال ہے، جہاں بھی ملے اسے چاہئے کہ اسے لے لے، وہی زیادہ اسکا حق دار ہے۔

حکمت مسلمان کا گمشدہ مال :

مسلمان کو اس بات کو تلقین کی گئی، کہ علم کی بات، دانش کی بات، حقائق اور اعداد و شمار (Facts & Figures) کی بات، کسی یہودی کے پاس ہو یا کسی بھی غیر مسلم کے پاس، مسلمانوں پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسے علم کی امانت سمجھتے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ حکمت ہے، اسے حاصل کریں اور یہ سمجھیں کہ یہ ہمارا گمشدہ مال ہے جو ہم کو فراہم ہو گیا، علم کی اسی وسعت کی طرف اللہ نے اس آیت کریمہ میں اشارہ فرمایا: "عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ" (العلق :۵) انسان کو وہ سب کچھ سکھایا

جس سے انسان بالکل ناواقف تھا، اور جتنی چیزوں سے انسان ناواقف تھا ان سب کا گویا تذکرہ اس میں آ گیا، اور علم کو محدود کرنے کی ہر کوشش اور ذہنیت کو غلط قرار دیا گیا۔

واقعۂ وحی ورقہ بن نوفل کے سامنے :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کے ان بولوں کو سننے کے بعد، اس حالت میں تشریف لائے تھے، کہ آپ پر لرزہ طاری تھا، آرام کے بعد جب آپ کی طبیعت بحال ہوئی، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پورا واقعہ سنایا، کہ غار حرا میں آج عجیب واقعہ پیش آیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بڑی عاقل، بڑی فہیم اور ذہین خاتون تھیں، اور چونکہ ان کے خاندان کے ایک بزرگ ورقہ بن نوفل جو ان کے چچازاد بھائی ہوتے تھے، مذہبی کتابوں کے بڑے عالم تھے، عبرانی اور سریانی زبان سے واقفیت رکھتے تھے، شام میں کئی پادریوں سے ان کی ملاقات رہ چکی تھی، انھوں نے بائبل کا باقاعدہ مطالعہ کیا تھا، اور مکہ مکرمہ میں ان کا بائبل کا درس ہوا کرتا تھا، تورات کو وہ عبرانی زبان میں پڑھتے تھے، عربی میں ترجمہ اس کا کرتے تھے، انجیل کو سریانی زبان میں پڑھتے تھے، عربی میں اسکا ترجمہ کرتے تھے، کچھ لوگ ان کی محفل میں شریک ہوجایا کرتے تھے، اس ماحول میں جو خالصتاً تاریک ماحول تھا وہی ایک نور کی کرن تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ خیال ہوا، کہ ورقہ بن نوفل کے پاس چلنا چاہئے اور یہ واقعہ ان سے بیان کرنا چاہئے، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، چلئے ورقہ کے پاس ان کو سارے حالات بتائیے۔

ورقہ بن نوفل کی حقیقت بیانی :

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس گئے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا، کہ ذرا بھتیجے سے سنئے! کیا کہہ رہے ہیں۔ ورقہ بن نوفل بہت بوڑھے ہو چکے تھے، اور نابینا ہو گئے تھے، انھوں نے فرمایا کہ بیٹے تم نے کیا دیکھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غار حرا کے پورے واقعہ کو بیان فرمایا، واقعہ کو سننا تھا کہ حضرت ورقہ اچھل پڑے اور کہنے لگے کہ خدا کی قسم یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ اور عیسیٰ کے پاس آیا تھا، اور تم وہ پیام لے کر آئے ہو، جس کو لے کر جب بھی کوئی اٹھا ہے، تو اس کی مخالفت اس کی قوم نے کی ہے، اور مجھے ڈر ہے کہ ایک دن ایسا آئیگا کہ تمہارے وطن کے لوگ

تمھیں گھر سے نکال دیں گے، اگر میں اس وقت زندہ رہا تو میں تمہاری بھر پور مدد کرونگا، کاش کہ میں جوان ہوتا، اور تمہاری تقویت اور حمایت کا فریضہ انجام دیتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب اور حیرت سے کہا، کیا یہی لوگ مجھے گھر سے باہر نکال دیں گے، وطن سے بے وطن کردیں گے، ورقہ نے کہا، صاحبزادے! بات ہی ایسی ہے کہ جب بھی کوئی اس دعوت کو لیکر اٹھا ہے، کوئی نبی یا مصلح اس مشن کے ساتھ اپنی قوم میں کھڑا ہوا ہے تو لوگوں نے مخالفت کی ہے، اور ایک وقت ایسا آیا ہے کہ اسکو گھر سے بے گھر ہونا پڑا، وطن سے اسے نکلنا پڑا ہے، یہ تاریخ تمہارے ساتھ بھی دہرائی جائے گی۔

ورقہ بن نوفل پہلے مسلمان :

ورقہ بن نوفل سے غالبا حضور کی یہ پہلی باقاعدہ ملاقات تھی، ورقہ بن نوفل کے جملوں سے آپ یہ سمجھ ہی گئے ہونگے کہ ورقہ دعوت اسلام قبول کررہے ہیں، یہ اس میں پہل کرنے والے اور مسلمانوں میں اولین شخص ہیں، ورقہ بن نوفل نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، اسلئے کہ انھوں نے نبوت محمدی کو مان لیا اور اس بات کی تصدیق کی کہ وہی فرشتہ، وہی جبرئیل امین ان کے پاس آئے ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے پاس آئے تھے، جس طرح اللہ نے انھیں نبی بنایا تھا، اسی طرح آج آپؐ کو اللہ نے نبی بنایا ہے، اللہ کو تو وہ پہلے ہی سے مانتے چلے آرہے تھے، وہ حنیف تھے، یعنی ہر طرف سے کٹ کر بس اللہ کے ہورہے تھے، لہٰذا جب انھوں نے نبوت اور رسالت محمدی کو بھی تسلیم کرلیا تو وہ سب سے پہلے مسلمان ہوئے، عام طور پر سیرت نگار یہ ذکر کرتے ہیں، کہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں، پھر ابوبکر صدیقؓ اسلام لائے پھر علیؓ اسلام لائے، اور محتاط انداز میں یہ کہا جاتا ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ، بچوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ، بڑوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ، غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہؓ اسلام لائے، لیکن یہ بات اپنی جگہ پر ہے کہ اولیت اور سبقت بہرحال ورقہ کو حاصل ہے، جب پہلی وحی کا ماجرا سوائے حضرت خدیجہ کے کسی نے سنا ہی نہ تھا اس وقت ورقہ بن نوفل نے صرف واقعہ ہی نہیں سنا بلکہ تصدیق کی، ہاں ان کا انتقال بہت ہی جلد ہوگیا، انھیں یہ موقع ہی نہیں ملا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت کرتے اور آپؐ

کی دعوت وتبلیغ میں معاون بنتے، اور بعد کے دور میں ان کا کردار سامنے آتا، وہ ایک نیک صالح اور پارسا انسان تھے، حضور نے ان کو خواب میں جنتیوں کے حال میں دیکھا۔

حضرت خدیجہؓ کی گواہی :

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنایا گیا، اب آپ کی یہ ذمہ داری تھی، کہ آپ لوگوں کو اس بات سے مطلع کریں، کہ خداوند قدوس نے مجھے امانت سونپی ہے، مجھے نبی اور پیامبر بنایا ہے، حضرت خدیجہؓ تو اس گفتگو میں شریک تھیں، جو ورقہ بن نوفل سے ہورہی تھی، اور خود حضرت خدیجہؓ کا حال یہ تھا کہ پندرہ سالہ عرصہ میں جو حضور ﷺ کی زوجیت میں اب تک گذرا تھا، انھوں نے حضور ﷺ کے صبح وشام اور رات ودن ایسے دیکھے، کہ ان کے دل ودماغ نے اس بات کی گواہی دی کہ روئے زمین پر ان سے بہتر کوئی نہیں ہے، حضرت خدیجہؓ نے - جو سب سے زیادہ حضور سے قریب تھیں اور سب سے زیادہ حضور سے واقف تھیں - اس موقع پر جب حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے اس پہلی وحی کے واقعات کا تذکرہ کیا، اور یہ فرمایا: کہ مجھے اپنے اوپر ڈر لگ رہا ہے، واقعہ میرے لئے نا قابل برداشت سا ہے - ڈھارس، اعتماد، تائید وتقویت اور تسلی کے جو الفاظ کہے ہیں، تاریخ نے انھیں ریکارڈ کیا ہے، سیرت کی کتابوں نے انھیں نوٹ کیا ہے۔ ان میں حضرت خدیجہ کے تاثر اور ایمان ویقین کے ساتھ ایک بہت بڑا پیام ہے، انھوں نے کہا تھا "**كلا والله لا يخزيك الله أبدا، انك لتصل الرحم، و تحمل الكل و تكسب المعدوم و تعين على نوائب الحق**" کہا کہ ہرگز نہیں بخدا! اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا، اور ایک اور روایت کے الفاظ میں اللہ آپ کو ہرگز بے یار ومددگار نہیں چھوڑے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ بے سہاروں کا سہارا ہیں، آپ بے روزگار کو روزگار سے لگاتے ہیں، ناداروں کی مدد کرتے ہیں، کسی پر مصیبت پڑ جاتی ہے اور معاملہ حق کا ہوتا ہے تو آپ نصرت کے لئے سینہ سپر ہو جاتے ہیں، جس انسان کے یہ اوصاف ہوں، جس کے اتنے اعلی اخلاق ہوں، کیا خدا اسے بے یار ومددگار چھوڑ دیگا!! آپ خاطر جمع رکھئے، اللہ آپ کے ساتھ یقینا کوئی بہت بڑا ارادہ فرما رہا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان الفاظ کے ذریعہ جو شہادت دی ہے، اور جو مرقعہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پیش کیا ہے وہ اس قابل ہے کہ

اس پر خوب غور وتدبر کیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوبیوں کے ''مجمع البحار'' تھے :

ایک مسلمان تو یہ جانتا ہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق نہایت عالی تھے، نبوت سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس جوہر کی ایسی پرورش فرمائی تھی، ایسی تربیت کا انتظام کیا تھا، کہ انسانی کمالات اور خوبیوں کے آپ مجمع البحار (خوبیوں کے سمندروں کا سنگم) تھے، ساری خوبیاں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر جمع فرمادی تھیں ؎

حسن یوسف، دم عیسیٰ ید بیضا، داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

یہ تو صفات ایسی تھیں کہ مکہ مکرمہ کا بچہ بچہ ان کا قائل تھا، الامین، الصادق کی جامع صفتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عنوان بن گئی تھیں، امانت دار ہیں اور صداقت شعار ہیں، سچے ہیں، قول کے بھی سچے، عمل کے بھی سچے۔ ان کے اندر کھرا پن ہے، اور ان کی سیرت میں کوئی داغ، دھبہ نہیں، اس کا اعتراف تو سبھی کو تھا، لیکن حضرت خدیجہؓ نے جس پہلو کا تذکرہ کیا ہے، اس کا تعلق خدمت خلق سے ہے۔

دعوت سے پہلے خدمت خلق :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے انتظام فرمایا کہ دعوت وتبلیغ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خدمت خلق کی راہ ہموار کی جائے، خدمت خلق کے دائرہ میں ایک طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داروں کے رشتے کو ہمیشہ نباہا، رشتہ داری کا پورا خیال رکھا، حقوق ادا کئے اور حسب مراتب سب سے معاملہ کیا، بے روزگاروں کو روزگار سے لگانے کی فکر کی، جو مجبور و پریشان حال تھے، ان کی امداد فرمائی، اور کبھی کسی پر حق کے راستہ میں مصیبت آگئی، لپک کر آپ نے اس کی مدد کی، یہ خدمت خلق کا وہ اہم ترین شعبہ ہے، جس کو بسا اوقات دین کی دعوت کا کام کرنے والے بھی فراموش کر دیتے ہیں، اور خدمت خلق کا یہ شعبہ ہمارے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، تو دعوت کے لئے بھی دل کے راستے اور دل کے دروازے کھل نہیں پاتے، خدمت خلق دعوت کا راستہ ہموار کرتی ہے، پہلے خدمت خلق ہونی چاہیے پھر دعوت وتبلیغ۔

کارنبوت کی ترتیب :

نبوت کے کام کی ترتیب یہ بتاتی ہے، کہ جب اللہ تعالی نے آپ کو رسول بنانا چاہا، نبی کی حیثیت سے اٹھانا چاہا، اور دعوت توحید کا علم بردار بنانے کا فیصلہ فرمانا چاہا، تو اس سے پہلے یہ انتظامات فرمائے، کہ لوگوں کے قلوب میں آپ کی جگہ پیدا ہو، معاشرے کے غریب اور پسماندہ طبقات کے لوگ اور پریشان حال یہ سمجھتے ہوں، کہ آپ ملجاو ماویٰ ہیں، آپ کے پاس ہم کو زخموں کا مرہم ملتا ہے، درد کی دوا ملتی ہے اور شفقت و محبت کی حرارت ملتی ہے اور ایمان ویقین کی ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔

خدمت خلق میں دوسروں کی سبقت :

یہ وہ شعبہ ہے، جس کی طرف آج بعض دوسری قوموں نے توجہ کر رکھی ہے، اور مسلمان اس سے بہت ہی غافل ہیں، واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر اسوہ نبی کا تقاضہ اور مطالبہ ہے، کہ انسانیت کے ساتھ شفقت اور رحم دلی کے جذبات، سب سے زیادہ ان میں موجزن ہوں اور وہ بغیر کسی تفریق کے، ہر پریشان حال، ہر دکھی اور ہر سسکتے تڑپتے اور مضطرب و بے چین انسان کی مدد اور نصرت کے لئے آگے بڑھیں، وہ نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرت طیبہ کے اس حصے پر عمل پیرا ہوں، جو **"نسیاً منسیاً"** ہوتا چلا جارہا ہے۔

خدمت خلق تقرب الٰہی کا عظیم ذریعہ :

الغرض کہ خدمت خلق کے شعبہ کا حضرت خدیجہؓ نے تذکرہ کیا، اور اس طرح حضرت خدیجہؓ کی صاف ستھری نیک اور صالح فطرت نے ایک حدیث کا مضمون بیان کر دیا، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے چل کر ارشاد فرمایا تھا: کہ قیامت میں اللہ بندوں سے کہے گا، اے میرے بندے میں بھوکا تھا، تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، اے میرے بندے میں پیاسا تھا، تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، اے میرے بندے میں برہنہ تھا، تو نے میرے لئے کپڑوں کا انتظام نہیں کیا، تو بندہ حیرت و استعجاب سے خدا کے سامنے عاجزی وزاری سے کہے گا، اے میرے اللہ آپ کہیں برہنہ ہو سکتے ہیں! آپ بھوکے ہو سکتے ہیں! آپ پیاسے ہو سکتے ہیں! آپ تو سب کو کپڑا پہنانے والے ہیں، آپ تو سب کو روزی دینے والے ہیں، آپ

سب کی پیاس بجھانے والے ہیں، تو خدا کہے گا کہ اے میرے بندے! میرا فلاں بندہ تیرے پڑوس میں، تیرے شہر میں، تیرے آس پاس بھوکا تھا، اگر تو اسے کھانا کھلا دیتا تو مجھے پاتا، میرا فلاں بندہ پیاسا تھا، اگر تو اسے پانی پلا دیتا، تو مجھے پاتا، میرا فلاں بندہ برہنہ تھا، اگر تو اسے کپڑے پہنا دیتا تو مجھے پاتا، اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ مسلمان کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے، ایک ھندو، سکھ، عیسائی، جینی، بدھسٹ کسی بھی مذھب کا ماننے والا پیاسا ہے، محتاج ہے تو مسلمانوں کی دینی، ملی، نبوی ذمہ داری ہے کہ اس کی مدد کریں، اسکا تعاون کریں اس کی بھوک و پیاس دور کریں۔

مکّی زندگی کے چار دَور :

یہ ایک جملہ معترضہ تھا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دور شروع ہوا، مکہ مکرمہ میں نبوت کے بعد یہ دور تیرہ سال پر محیط ہے، اور تیرہ سال کی اس زندگی کے چار دور ہیں ایک دور آغاز نبوت سے ۳ نبوی تک ہے، تین سالہ دور، پھر اس کے بعد ۳ نبوی سے ۵ نبوی تک، یعنی نبوت پر تین سال گذرنے کے بعد سے پانچویں سال تک، دوسرا مرحلہ ہے، پھر ۵ نبوی سے ۱۰ نبوی تک تیسرا مرحلہ ہے، پھر ۱۰ نبوی سے ۱۳ نبوی تک چوتھا مرحلہ ہے، اس طرح تین سال، دو سال، پانچ سال اور پھر تین سال پر مشتمل چار مرحلوں پر سیرت کے مختلف دور تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔

ابتدائی دعوتی کوشش :

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی بنانے کے بعد جلد ہی یہ حکم دیا گیا، "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴿۲۱۴﴾" (الشعراء: ۲۱۴) "اپنے قریب ترین رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کو خبردار کرو"، اس حکم کا یہ نتیجہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاندان کے افراد کو اکٹھا فرمایا، اور ان کے سامنے آپ نے بات رکھی، اے لوگو! اللہ کے علاوہ کوئی معبود اور مالک نہیں ہے، اس کو اس حیثیت سے مانو کہ وہ "وحدہ لا شریك له" ہے میں اللہ کا رسول ہوں، خداوند قدوس نے میرا انتخاب فرمایا ہے، مجھے نبی تسلیم کرو، اور میری بات مان لو، خاندان کے لوگوں سے اس پہلی دعوتی ملاقات کے بعد اس سلسلے کی ملاقاتیں دیگر افراد سے بھی ہوتی گئیں۔

پہلا دعوتی مرکز :

اس ابتدائی مرحلہ میں ایک صحابی ارقم بن ابی ارقم کے گھر کو مرکز دعوت بنا یا گیا، یہ گھر مسجد حرام کے قریب ہی واقع تھا، لیکن یہ محلے کے اندر اس طرح واقع تھا، کہ آنے جانے والوں کی نمایاں نقل وحرکت اور چلت پھرت نظر نہیں آتی تھی، لوگ گلی میں داخل ہوتے تھے، اور چپکے چپکے اور چھپتے ہوئے اس مکان میں پہونچ جاتے تھے، یہ دور مخفی دعوت کا تھا، جس میں آپ نے رازدارانہ طور پر لوگوں تک دعوت پہونچانا شروع کردی تھی۔

صدیقؓ کا ایمان :

جولوگ آپ سے سب سے زیادہ واقف تھے، اور زیادہ قریب تھے انھوں نے اولاً اس دعوت پر لبیک کہا، ان میں سرفہرست ابوبکر صدیق تھے، جو حضور ﷺ کے پرانے رفیق تھے، تجارت کے ساتھی تھے، بہت عرصے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر میں دوستی تھی، حضور ﷺ نے جب ان کے سامنے بات رکھی کہ خداوند قدوس نے نبوت اور رسالت کے لئے میرا انتخاب کیا ہے، مجھے اپنا رسول بنایا ہے تو ابوبکر صدیق نے اپنی طبیعت کی صداقت شعاری کا ثبوت دیتے ہوئے بلاتردّد اس دعوی کو تسلیم کیا، انھوں نے آپ کی زندگی کا جس طرح مشاہدہ کیا تھا، اس کے بعد ان میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہ گیا، کہ حضور جو کچھ کہہ رہے ہیں بالکل سچ اور حق ہے، اس میں جھوٹ کا کوئی امکان نہیں ہے، لہٰذا انھوں نے بلا پس وپیش اس دعوت حق کو قبول کرلیا۔

نمازوں کی فرضیت :

دھیرے دھیرے آپ کی براہ راست اور آپ کے اصحاب کی کوششوں سے حلقۂ اسلام بڑھتا گیا، حضور ﷺ پر وحی کے آنے کے بعد پہلی ہی فرصت میں نماز بھی فرض کردی گئی، جبرئیل امین حضور ﷺ کو ایک گھاٹی میں لے گئے، وہاں ایک چشمہ نمودار ہوا، جبرئیلؑ نے اس چشمہ سے وضو کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرنے کی عملی تلقین کی، حضورؐ نے بھی وضو فرمایا اور پھر اسی گھاٹی میں جبرئیل امین نے حضور کی امامت کی، نماز پڑھائی، بلکہ گویا نماز سکھائی، اور پھر یہاں سے سلسلہ نماز بالکل آغاز نبوت کے

ساتھ ہی ساتھ شروع ہو گیا، حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نماز سکھائی، اور پھر جو جو مسلمان ہوتا چلا گیا نماز کی تلقین اسے بھی کی جاتی رہی، مکہ کے دور میں نمازیں تین اوقات کی رہیں، یہ ایسے اوقات میں پڑھی جاتی تھی، جو دن کی روشنی کے اوقات نہیں تھے، ظہر اور عصر کو چھوڑ کر مغرب عشاء اور فجر کی نمازیں ابتداء میں لازم کی گئی تھیں، تا کہ راز داری قائم رہے، رات کی تاریکی میں ان نمازوں کو ادا کیا جائے، اور مکہ مکرمہ کے دشمنوں اور سرکشوں کو پتہ نہ چلنے پائے۔

دعوت صدیقی کے اثرات :

مخفی طور نماز بھی ادا کی جاتی، اور دعوت کا سلسلہ بھی چلتا تھا، جو فرد بھی دعوت کو قبول کرتا تھا وہ اپنی جگہ پر خود داعی بن جاتا تھا، ابوبکر صدیقؓ مسلمان ہوئے تو انھوں نے زبیر بن العوام، عثمان بن مظعون، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن أبي وقاص، سب کو اسلام کی دعوت دی، اور اتنی موثر دعوت دی کہ ان سب نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سابقین اولین میں شمار کئے جاتے ہیں، اور انکے بعد ابوعبیدہؓ بن الجراح اور عامر بن ربیعہؓ، ابوحذیفہ بن عتبہؓ، سائب بن عثمانؓ، ارقم بن ابی الارقمؓ، خباب بن ارتؓ، سعید بن زیدؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوسلمہؓ بن عبدالاسد، قدامہؓ بن مظعون، عبیدہؓ بن الحارث، جعفرؓ بن ابی طالب، وغیرہ حضرات اسلام لائے۔

عورتوں میں حضرت جعفرؓ کی اہلیہ اسماءؓ بنت عمیس، حضرت عباسؓ کی اہلیہ ام فضلؓ، ابوبکرؓ کی ایک صاحبزادی اسماءؓ، حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ، حضرت عمارؓ کی والدہ سمیہؓ، اور کچھ کنیزیں لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ، ام عبیسؓ، وغیرہ اسلام لائیں۔

مخفی دعوت :

یہ اسلام کا ابتدائی قافلہ تھا، جس کو سب سے زیادہ ظلم وستم کے دور سے گزرنا پڑا، تین سال کا جو عرصہ گزرا ہے اس میں کام مخفی طور پر ہو رہا تھا، لیکن اسکی بھنک کبھی کبھی کفار کو لگ جاتی تھی، اگر چہ کوشش اس کی بھرپور طریقے پر کی جاتی تھی کہ دعوت مخفی رہے، اور لوگوں سے نجی ملاقاتیں کی جائیں، گھروں پر ملا جائے، یا ارقم بن ابی ارقم کے گھر میں انہیں بلا لیا جائے، اور ان کے مکان میں بات کی جائے۔

ابوذر غفاریؓ مسجد حرام میں :

یہی وہ دور ہے کہ قبیلہ غفار سے ابوذر غفاری مکہ مکرمہ آئے، انہوں نے دیکھا کہ یہاں کا ماحول نہایت ہی تناؤ کا ماحول ہے، لوگوں پر بڑی کڑی نگاہ ہے، اور مسلمانوں کی نقل وحرکت پر عملاً شدید پابندیاں قائم ہیں۔ ابوذر غفاری اس سے پہلے اپنے بھائی کو مکہ مکرمہ بھیج چکے تھے، کہ میں لوگوں سے سن رہا ہوں کہ کسی نبی کا ظہور ہوا ہے، بھائی ذرا تم جا کر تحقیق کر کے آؤ، ان کے بھائی مکہ مکرمہ آئے تھے، چند دن قیام کیا تھا، لیکن وہ زیادہ تحقیقات نہیں کر سکے، اور جب واپس پہونچے اور ابوذر غفاری کو رپورٹ دی، تو انہوں نے کہا: کہ بھائی میں آپ کی رپورٹ سے زیادہ مطمئن نہیں ہوا، اب مجھے خود سفر کرنا ہے، لہٰذا ابوذر غفاری خود مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور مسجد الحرام میں آ کر مقیم ہو گئے تھے، انہیں کوئی پہچانتا نہیں تھا۔ وہ فکرمند تھے، کس سے پوچھوں، سوال کس سے کروں، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں جس سے پوچھوں وہی دشمنوں کا جاسوس نکلے، اور سرداران مکہ سے شکایت کر دے، اور میں گرفت میں آ جاؤں، لہٰذا مسجد حرام میں ایک پردیسی مسافر کی طرح کہیں پر پڑے رہتے تھے، کھانے پینے کا بھی انتظام نہیں تھا، ایک ماہ تک وہ صرف زمزم پر گزارا کرتے رہے اور ان کا خود ہی یہ بیان ہے کہ میں زمزم پی پی کر گزارا کرتا رہا، اور میری صحت اچھی ہوگئی، میری توند نکل آئی، زمزم پانی اور کھانے دونوں کا کام کرتا رہا، یہ زمزم کی خاص برکت، اور ابوذر غفاری کے خلوص کی کرامت تھی۔

ابوذرؓ علیؓ کی مہمانی میں :

علی ابن ابی طالبؓ نے دیکھا کہ ایک شخص اسی طرح پڑا رہتا ہے، پردیسی آدمی ہے، معلوم نہیں کس طرح گزارا کرتا ہے، انہوں نے کہا کہ میرے گھر چلئے، وہ ابوذر کو اپنے ساتھ لے کر گھر گئے، گھر پر کھانا کھلایا، لیکن دونوں میں سے کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ کیوں آئے ہیں؟ ماحول اس قدر خوف ودہشت کا تھا، کہ ہر فرد کے بارے میں جاسوسی کا اندیشہ تھا، آپ اس کا اندازہ ان ممالک کے حالات سے کر سکتے ہیں جو کمیونسٹ بلاک کے تحت رہے، جہاں بھائی کو بھائی پر، باپ کو بیٹے پر بھروسہ نہیں رہا، اور نہ بیٹے کو باپ پر اعتماد، ایسی ہی صورتحال معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں قائم تھی، سخت دہشت

کا ماحول تھا، تین دن تک علیؓ ابوذر غفاری کو گھر لے کر جاتے رہے، کھانے سے ضیافت کرتے رہے، لیکن ایک دوسرے سے عام اخلاقی نوعیت کی بات کرتے تھے، اس سے زیادہ نہیں، تفصیلات پوچھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

ابوذرؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں :

آخر میں حضرت علیؓ نے ان تین دنوں کے حالات کے جائزہ، اور مردم شناسی کی روشنی میں سوال کر ہی لیا: کہ آپ کہاں سے آئے ہیں، کیوں آئے ہیں؟ انہوں نے اپنا تعارف کرایا، تو حضرت علیؓ نے ان سے رازدارانہ کہا کہ دیکھئے حالات بہت سخت ہیں، بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، میں آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس طرح لے چلوں گا، کہ میں آگے آگے چلوں گا، آپ میرے پیچھے پیچھے چلئے گا، لیکن فاصلہ سے چلئے گا، ایسا نہ محسوس ہو کہ آپ میرے ساتھ چل رہے ہیں، کہیں راستہ میں کوئی خطرہ محسوس ہوگا تو میں گلی کے کنارے اسطرح بیٹھ جاؤں گا جیسے کہ کوئی پیشاب کر رہا ہو، تاکہ لوگوں کو یہ خیال نہ ہو کہ میں آپ کی رہنمائی کر رہا ہوں، اس طرح بہت ہی بچ بچ کے حضرت علیؓ حضرت ارقمؓ کے گھر میں ابوذر غفاری کو لے گئے، ابوذر غفاری جب حضرت ارقمؓ کے گھر پہونچے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو دل باغ باغ ہوگیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے توحید ورسالت کی دعوت سنی تو دل وزبان نے گواہی دی "**أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله**" میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا جوشِ ایمانی :

گواہی کے الفاظ ادا کرنے تھے، اور قلب ایمان سے معمور ہونا تھا کہ ایک کیفیت جذبی طاری ہوگئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری ہدایات کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم ابھی وطن چلے جاؤ، لوگوں کو تمہارے ایمان کے بارے میں پتہ نہ چلے، جب سننا کہ اللہ تعالی نے ہم کو غلبہ دیا تب آنا۔ کہنے لگے کہ حضورؐ مجھ سے تو رہا نہیں جاتا، میں تو کعبۂ مقدسہ کی دیواروں کے سامنے جا کر بہانگ دہل اعلان کروں گا،

کہ اللہ ایک ہے، آپؐ نے فرمایا: اپنے اوپر رحم کرو، حالات بہت خراب ہیں، تم ابھی گھر چلے جاؤ، لیکن ابوذر غفاریؓ مجذوب صفت آدمی تھے، ان پر ایسا عالم جذب طاری تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہو کر مسجد حرام گئے، اور کعبہ مقدسہ کے سامنے زور سے کہنا شروع کر دیا "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله" اس کلمہ کو کہنا تھا کہ مجمع پل پڑا، ابوذر غفاریؓ کو چاروں طرف سے مارا جانے لگا، لیکن وہ جذب وکیف کے عالم میں پٹتے رہے اور صدائے توحید لگاتے رہے، حسن اتفاق کہ حضرت عباسؓ اچانک نکل آئے، انہوں نے دیکھا کہ ابوذرؓ پٹ رہے ہیں، تو فوراً آ کر بیچ بچاؤ کیا اور کہنے لگے کہ "لوگو! جانتے بھی ہو کہ یہ کون ہیں؟ یہ قبیلہ غفار کے اہم آدمی ہیں، تم نے ان کے ساتھ اس طرح ظلم کیا تو آئندہ اس علاقے سے تمہارے یہاں گیہوں نہیں آ سکے گا، خیر کسی طرح معاملہ رفع دفع ہوا، ابوذرؓ کو چھوڑا گیا، لیکن دوسرے دن ابوذرؓ غفاری پھر آ گئے، اور پھر اسی جوش سے کلمہ توحید پڑھا، رسالت محمدی کا اعلان کیا، لوگوں نے پھر اشتعال میں آ کر ان کو زدوکوب کیا، پھر اللہ کا کرنا کہ حضرت عباسؓ نے ان کو بچایا، لیکن تیسرے دن بھی انہوں نے اسی صدا کو دہرایا، اور وہی ردعمل ہوا۔ تین دن تک یہی صورتحال رہی، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح ہدایت پر ابوذر غفاریؓ اپنے گھر واپس گئے، بعد میں پھر مدینہ منورہ انکی حاضری ہوئی۔

اعلانیہ دعوت کا آغاز :

تین سال تک دعوت کا عمل اسی طرح جاری رہا، یہاں تک کہ خداوند قدوس کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم آیا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝۔۔۔الخ (الحجر: ۹۴-۹۵)

اب جو بھی حکم دیا جا رہا ہے اس کو ہانکے پکارے بیان کرو، اور مشرکین کی پرواہ نہ کرو، جو مذاق اڑانے والے ہیں ہم ان سے نمٹ لیں گے۔

تین سال کے بعد یہ نیا مرحلہ شروع ہوا، مخفی اور خاص دعوت کے بعد اب علانیہ اور عام دعوت

کا وقت آ گیا، عمومی دعوت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ مقدسہ کے پاس اس پہاڑی کا انتخاب فرمایا، جہاں سے حاجی سعی شروع کرتے تھے، اور ایک دیوی کی مورتی اس پر نصب تھی، کسی خطرہ کے موقعہ پر لوگوں کو للکارنے کا جو طریقہ رائج تھا کہ "**یاصباحاہ**" (خطرہ کی صبح) کہہ کر پکارا جاتا تھا، اور لوگ ہنگامی حالت کی تیاری کے ساتھ گھروں سے نکل آتے تھے۔ یہ نعرہ اس بات کی اطلاع ہوتی تھی کہ کوئی اہم معاملہ یا خطرہ پیش آ گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت عمومی کے آغاز کے لئے یہ ہنگامی انداز اختیار فرمایا۔ بس یہ نعرہ لگانا تھا کہ چاروں طرف سے، محلوں سے، گھروں سے، گلیوں سے، لوگ نکل نکل کر صفا پہاڑی کے دامن میں جمع ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی پہاڑی پر ہیں، اور نیچے مجمع بے قراری سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا منتظر ہے۔

مجمع عام سے پہلا خطاب :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ مجمع نے بیک زبان کہا: آپ پہاڑی پر ہیں اس کے دونوں رخ آپ کے سامنے ہیں اور ہم نے کبھی بھی جھوٹ کا تجربہ آپ پر نہیں کیا ہے، ہم آپ کی تصدیق کریں گے، جب آپ نے ان سب سے تصدیق لے لی، اور ان کی زبان کو اپنی سچائی پر گواہ بنالیا، تو ارشاد فرمایا کہ "**إني نذير لكم بين يدي عذاب شديد**" لوگو! میں تمہیں ایک سنگین عذاب سے خبردار کرنے آیا ہوں، پھر آپ نے اسی پہاڑی پر وہ تاریخ ساز اور انقلاب انگیز وعظ فرمایا، جس کا یہ جملہ زبان زد مقررین وخطباء ہے اور جو اسلامی دعوت کا خلاصہ ہے،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ: {**يا أيها الناس قولوا لا إله إلا الله تفلحوا**}

اے لوگو! اس بات کو تسلیم کرو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود و مالک نہیں ہے، تبھی تم کامیاب ہوسکو گے۔

اعلانیہ دعوت کا ردّ عمل اور ابولہب کی بد قسمتی :

اس جملہ نے مجمع میں آگ لگادی، اشتعال اور انتشار کی کیفیت پیدا ہوئی، اور ابولہب جو جناب

رسالت مآب کا چچا تھا، غصہ میں آگ بگولہ ہو کر بکنے لگا، "تبا لك سائر اليوم ألهذا جمعتنا" تباہی ہو تمہاری، تم نے اسی لئے ہم کو اکھٹا کیا تھا، یہ شور اسی لئے مچایا تھا!؟ اللہ کی تقدیر میں یہ بات طے تھی کہ ابولہب کو کافر جینا اور مرنا ہے۔ دین اور ایمان سے محروم رہنا ہے، اس جملے نے اس قسمت پر مزید مہر لگادی۔ خداوند قدوس کے جلال اور غضب کو جوش آیا، اور قرآن پاک کی ایک سورۃ "سورة اللهب" کے نام سے اس کی بدبختی کے اعلان کے لئے نازل کر دی گئی، جس میں فرمایا گیا:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵ (سورہ لہب)

ٹوٹ گئے ہاتھ ابولہب کے، اور برباد ہو گیا وہ، نہ اس کے مال نے فائدہ پہنچایا، نہ اس کی کمائی نے عنقریب ایسی دوزخ میں جھلسے گا جو شعلوں والی ہے، اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں (چن چن کر لاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھاتی ہے) اس کی گردن میں مضبوط، بٹی ہوئی رسی پڑی ہوگی۔

ایمانی رشتہ کے مقابل ہر رشتہ نا قابل اعتبار :

اس سورہ پاک کے ذریعہ گویا یہ اعلان کر دیا گیا، کہ لوگو! اچھی طرح سمجھ لو، کہ رشتے ناطے اور نسب وحسب اور خونی تعلقات اب نہیں چلیں گے، اب ایمان اور عقیدہ کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا، نبی کو جو تسلیم کرے گا، خواہ وہ بلال حبشی ہو، یا صہیب رومی، یا خباب بن ارت ہو، یا عمار، غلام ہو یا باندی، مزدور ہو یا نوکر، جو نبی کو قبول کرے گا، خداوند قدوس اسے نوازے گا، اور جو ان کو رد کرے گا، خواہ وہ کتنا ہی بااثر ہو اور صاحب وجاہت ہو، خدا اسے رد کر دے گا، اور اس کی قسمت خراب ہوگی، اور انجام بربادی۔

مزمل کے بعد مدثر سے خطاب :

میں نے ذکر کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی اور طبیعت پر اس کا زبردست اثر پڑا، اور کملی اوڑھ کر آپ لیٹ گئے تھے تو خطاب فرمایا گیا تھا :

يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ (المزمل: ۱- ۲)

''اے کملی والے رات کے اکثر حصہ میں ہمارے حضور کھڑے رہا کرو''۔

اب دعوت کے اس نئے مرحلہ میں خطاب یوں فرمایا گیا :

يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۙ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۙ (المدثر : ۱ تا ۷)

اے کملی والے کھڑے ہو جاؤ اور خبردار کرو، اور اپنے رب کی عظمت اور کبریائی بیان کرو اور اپنے کو پاک اور صاف رکھو، اور شرک کے قریب مت پھٹکو اور احسان کرکے اسکو زیادہ مت سمجھو اور اپنے پروردگار کی خاطر ڈٹے رہو۔

مواعظ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ :

سنہ ۴ نبوی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کبھی پہاڑی پر وعظ ہو رہا ہے، کبھی کعبہ مقدسہ کے سامنے، کبھی کسی سڑک پر بیان ہو رہا ہے، کبھی کسی چوراہے پر، کبھی بازار میں اعلان ہو رہا ہے، کبھی میلہ میں، اور جہاں جہاں بھی انسانی مجمع ہیں وہاں پہنچ کر لوگوں کو خطاب کر رہے ہیں، اور بتا رہے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ نے مجھے یہ پیام دیکر بھیجا ہے کہ میں انسانوں کو اس حقیقت سے روشناس کردوں، کہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، رب وہی ہے، الٰہ وہی ہے، اس کی اس حیثیت کو تسلیم کرنا دین برحق کی عمارت کا پہلا پتھر ہے۔

ظلم کی چکی چلنے لگی :

آپ کی اسی دعوت و پیام کے ساتھ ساتھ ردعمل میں کافروں، مشرکوں اور ظالموں کی طرف سے ظلم کی چکی چلنی شروع ہوگئی، سب سے زیادہ ظلم وستم کا نشانہ وہ لوگ بنے جو غلام تھے، جو باندیاں تھیں، جو کمزور طبقے کے لوگ تھے، جن کا خاندان اور جتھا مضبوط نہیں تھا، ظلم کی شکلیں کیا کیا ہوتی تھیں؟ تاریخ نے اس کی تفصیلات بھی محفوظ رکھی ہیں کبھی ایسا ہوتا تھا کہ تیز دھوپ میں دوپہر کے وقت جبکہ مکہ مکرمہ کی سرزمین

پر ننگے پیر چلنا کسی عذاب سے کم نہیں، ننگی پیٹھ لٹا کر گھسیٹا جاتا، اور سینہ پر پتھر کی سل رکھ دی جاتی، بلال اسی طرح تڑپائے جارہے تھے، لیکن ایمان کے کیف اور جذب اندرون سے ''احد احد'' کہتے رہتے۔

ظلم کی انتہا، صبر کا کمال :

مطالبہ کیا جاتا کہ انکار کرو محمد کا، انکار کرو اللہ کا، لیکن عجیب مستی تھی اسلام کی، اور عجب ہمت وعزیمت تھی ایمان کی، کہ ظلم جتنا بڑھتا اور ستم جتنی مشق کرتا اتنا ہی زیادہ ان کا قلب وضمیر طاقتور ہوتا چلا جاتا، اور ان کی زبان، حق کی للکار کے ساتھ یوں گویا ہوتی ''اللہ ایک ہے، ایک ہے، اللہ ایک ہے'' کبھی لوہا گرم کر کے جسم داغا جاتا اور کبھی دہکتے انگاروں پر لٹایا جاتا، جناب خباب بن الارت کے ساتھ یہی کیا گیا کہ دھکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا اور پکڑ کر روک لیا گیا، یہاں تک کہ چمڑی جلی، پیٹھ کا گوشت جلا، گہرے گڑھے پڑ گئے، حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں حضرت خباب نے اپنا کرتا ایک مرتبہ اٹھا کر دکھایا، حضرت عمرؓ دیکھ کر حیران رہ گئے، ظلم وستم نے کیا کیا کیا!؟ انسان انسان کا کیسا خونخوار اور بے رحم شکاری بن گیا!!

آل یاسرؓ صبر کرو :

ایک طرف یہ مشق ستم تھی اور دوسری طرف محبت خدا ورسول کے دیوانے ہر قربانی کے لئے تیار اور فدا کاری اور جاں نثاری کے لئے ہمہ وقت مستعد تھے، عثمان بن عفانؓ جیسے معزز شخص کو چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیا گیا، کسی کے پیر میں رسی ڈال کر اسے گھسیٹا گیا، خوف ناک ودہشت ناک مناظر کا ایک سلسلہ تھا جن کو دیکھ کر اچھے اچھے بہادروں کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں، اور زبانیں گنگ ہوجائیں، عمار بن یاسرؓ، ان کے والد یاسرؓ، ان کی والدہ سمیہؓ، کتنے دردناک حالات سے گذر رہے تھے، جب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اس روح فرسا منظر کو دیکھتے تو دل پر پتھر رکھ کر، یہی کہنے پر بس کرتے ''صبراً یا آل یاسر فإن موعدكم الجنة'' اے خاندان یاسر صبر کرو جنت کا تم سے وعدہ ہے۔ اس دین کا سودا جس کے سر میں سما جاتا اور یقین جس کے دل میں بیٹھ جاتا، پھر محال تھا کہ اسے کوئی چاقو یا چھری سے کھرچ کر نکال سکے۔

ارتداد کا کوئی سوال نہیں :

واقعہ یہ ہے جو بھی اسلام میں داخل ہوا وہ پھر کبھی مرتد ہونے کے لئے تیار نہ ہوا، ذرا یاد کیجئے، اس وقت کو جب ابوسفیان رومی امپائر کے امپرر ہرقل کے دربار میں صلح حدیبیہ کے زمانے میں فلسطین میں ان کی موجودگی کے دوران بیت المقدس میں طلب کئے گئے تھے اور ہرقل نے ان سے پوچھا تھا کہ جو اس دین میں داخل ہوتا ہے کیا مرتد بھی ہوجاتا ہے؟ تو انہوں نے اپنے اس اعتراف کا برملا اظہار کیا تھا کہ کوئی بھی مرتد نہیں ہوتا، اس پر ہرقل کا تبصرہ تھا کہ واقعی دین برحق جب دل میں گھر کر لیتا ہے تو انسان اس سے پھرتا نہیں۔

وقت سے پہلے فتح ونصرت کی بیتابی درست نہیں:

ظلم وستم کے اسی ماحول میں ایک مرتبہ حضرت خباب ؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "یا رسول اللہ ألا تستنصر لنا . ألا تدعو لنا" حضور آپ ہمارے لئے نصرت کی دعا نہیں فرماتے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ مقدس کی دیوار سے پیٹھ لگائے تھے جوش میں بیٹھ گئے اور فرمایا ابھی سے تم بے تاب ہوگئے، ماضی میں ایسے ایسے اللہ کے بندے گذرے ہیں، جن کے سروں پر حق پرستی کے جرم میں آرے چلا دیئے گئے، جن کو جلتے ہوئے تیل کے کڑھاؤ میں ڈالا گیا، جن کو آگ کے الاؤ میں پھینکا گیا، اورلوہے کی کنگھیوں سے ان کے جسم چھیل دیئے گئے، یہ سارے مظالم انہیں حق سے نہ روک سکے، اور وہ دن دور نہیں ہے کہ جب تم عرب وعجم کے مالک ہوجاؤ گے، خدا تعالی تمہیں خلافت ارضی سونپے گا۔

مشاہداتی یقین :

آپ کو خداوندقدوس نے یقین کی وہ اٹل طاقت عطا فرمائی تھی، کہ ماحول کتنا ہی سخت ہو، کبھی آپ کے یقین میں ادنی سا تردد بھی پیدا نہیں ہوا، آپ کو حق الیقین ہی نہیں عین الیقین حاصل تھا، آپ نے فرشتہ سے ملاقات کی تھی، ملأ اعلیٰ سے آپ کا رابطہ تھا، عالم غیب آپ پر منکشف ہورہا تھا، آپ کو مشاہداتی یقین حاصل تھا۔

مخالفتوں کا طوفان :

سنہ ۳ نبوی کے بعد جب علانیہ دعوت وتبلیغ کا دور شروع ہوا، تو اس کے ساتھ ہی دھیرے دھیرے مخالفتوں کا طوفان بھی اٹھتا گیا، ایک طرف کافروں نے اپنے اپنے زیر دستوں اور کمزوروں پر اپنا زور چلانا شروع کیا، جس جس طرح اذیت دے سکتے تھے، اس میں کوئی کسر اٹھا نہ چھوڑی، دوسری طرف ان کی کوشش یہ تھی کہ قومی دباؤ ڈال کر یا لالچ دے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعوت ترک کرنے اور خاموش ہوجانے پر مجبور کیا جائے، یا ان کے چچا ابوطالب کو ان کی حمایت سے باز رکھا جائے، یعنی قبیلہ بنو ہاشم کی حمایت ونصرت سے انہیں محروم کر دیا جائے، اس سلسلہ میں کافروں کی طرف سے ابوطالب کے پاس وقفہ وقفہ سے تین وفود آئے، پہلے وفد میں عتبہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ابوجہل، ولید بن المغیر ۃ، عاص بن وائل وغیرہ آئے، اور انہوں نے شدت کے ساتھ اپنی شکایت پیش کی، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے علاقے میں ایک انتشار برپا کر دیا ہے، گھر گھر پھوٹ پڑ گئی ہے، اب یا تو آپ انہیں روکیں یا ان سے الگ ہوجائیں، ابوطالب نے انہیں سمجھا بجھا کر کسی طرح رخصت کر دیا۔

فیصلہ کن موقف :

پھر کچھ وقفہ کے بعد یہی لوگ ابوطالب کے پاس دوبارہ اپنا مطالبہ زیادہ شدت اور اشتعال کے ساتھ لے کر آئے، اور دھمکی دے کر چلے گئے، اسکے بعد ہی ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس صورتحال اور اپنے اضطراب کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس ہوا، کہ چچا کے لئے حمایت بارگراں بنتی جارہی ہے، ان کی پریشانی اور بے چینی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نہایت مضبوط اور طاقتور موقف کو ان تاریخی الفاظ میں واضح فرمایا:

''چچا! خدائے ذوالجلال کی قسم میں اللہ تعالی کی طرف سے مامور ہوں، اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج، اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو یہ نہ ہو سکے گا، میرا سرتن سے جدا ہوجائے یہ گوارا، لیکن دعوت کو ترک کر دینا کسی حال میں گوارا نہیں ہے''، آپؐ نے پورے جوش اور نبوی اعتماد کے ساتھ یہ بات ارشاد فرمائی، لیکن شدت جذبات سے آنکھوں میں آنسو

آ گئے، اور آپ ﷺ چچا کے پاس سے اٹھ کر چلے آئے، بھتیجہ کے ان جذبات کا چچا پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ کسی حالت میں بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت سے دست کش نہیں ہوا جا سکتا۔

ابو طالب کی حمیت وحمایت :

اس کے بعد آخری پیش کش ابو طالب سے تیسری مرتبہ کفار کے وفد نے یہ کی تھی کہ ان کے پاس ''عمارہ بن الولید'' کو لائے، کہ یہ عقلمند اور اچھا نوجوان ہے، تم اسے اپنی خدمت میں رکھو، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالہ کرو، ابو طالب نے کہا: کیا خوب سودا ہے کہ تم اپنا لڑکا دو کہ میں اسے پالوں، اور تم میرا لڑکا لے لو کہ اسے قتل کرو، یہ انصاف ہے؟ اب تمہیں جو کرنا ہے کرو، میری حمایت ہر حال میں جاری رہے گی۔

رجھانے کی کوششیں :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے بھی کافروں کے نمائندے اور سفیر متعدد موقعوں پر آئے، اور آپ کو رجھانے کی، اور قومی دھارے میں شامل کرنے کی ہر ممکن کوششیں کی گئیں، ابو الولید عتبہ بن ربیعہ ایک موقعہ پر دار الندوہ کی میٹنگ سے اٹھ کر آیا، اور بڑے ''دانشمندانہ'' انداز سے آپ سے گفتگو کی، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقائد وافکار اور ان کی تبلیغ سے تفریق اور انتشار پیدا ہو رہا ہے، آپ کا مقصد سیاسی، مادی، معاشی یا نفسیاتی ہے تو بتائیں، ہم لوگ ہر تعاون کے لئے تیار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتبہ سے فرمایا: کہ آپ اپنی کہہ چکے اب میری سن لیجئے، پھر آپؐ نے سورۂ حم السجدہ کی آیات پڑھنا شروع کیں، آیت سجدہ آئی، آپ ﷺ نے سجدہ فرمایا، پھر فرمایا: کیا آپ نے بات سن لی؟ عتبہ اس قدر مبہوت، مرعوب، اور (لوگوں کی نظر میں) مسحور ہوا کہ بالکل خاموش اور سکتہ کے عالم میں واپس چلا گیا، اور کافروں سے کہا کہ ان کو نہ چھیڑنا ہی بہتر ہے، لوگ الٹے عتبہ کو کوسنے لگے کہ تم پر بھی جادو کر دیا گیا، دوسری مرتبہ وہ پورا وفد جو ابو طالب کے پاس گیا تھا حضورؐ کے پاس آیا، اور وہی باتیں جو عتبہ نے کہی تھیں، اس نے کہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب مرحمت فرمایا۔

معجزات کے مطالبے :

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزات کے مطالبے کیے جانے لگے، مکہ میں نہریں جاری کر دیجئے، سونے

کے پہاڑ بنادیجئے، آسمان سے فرشتوں کو کتاب لے کر اترتا دکھایئے، وغیرہ وغیرہ، آپ ﷺ نے صاف فرمادیا، کہ میرا کام کوئی تماشہ یا شعبدہ دکھانا نہیں ہے، میں تو خدا کا پیامبر ہوں، میری دعوت برحق، صحیح اور واضح ہے، اس میں کسی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

پروپیگنڈہ مہم :

اس کے بعد کافروں کی طرف سے حضور ﷺ کے خلاف پروپیگنڈہ مہم بڑی شدت سے شروع ہوئی، آپ ﷺ کو شاعر، جادوگر، دیوانہ، مجنون، اور نہ جانے کیا کیا کہا گیا، اور اس طرح آپ ﷺ کے مشن کو ناکام بنانے کی زبردست مہم چلائی گئی۔

ہجرت حبشہ :

انہیں حالات میں بات بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہونچی کہ ۵ نبوی میں حضورؐ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ حبشہ (ETHOPIA) کی طرف ہجرت کر کے چلے جائیں، لہٰذا اسی سال کی ابتداء میں بارہ مرد، اور چار عورتیں حبشہ کی طرف روانہ ہوئے، ان میں حضرت عثمانؓ، ابوحذیفہؓ، زبیرؓ، مصعبؓ، عبدالرحمن بن عوف، ابوسلمہ، عثمان بن مظعون، عامر بن ربیعہ، ابوسبرہ بن ابی رہم، ابوحاطب بن عمرو، سہیل، عبداللہ بن مسعود اور عورتوں میں رقیہ زوجہ عثمان، سہلہ زوجہ ابوحذیفہ، ام سلمہ زوجہ ابوسلمہ، لیلیٰ زوجہ عامر بن ربیعہ تھیں۔ یہ وہ ابتدائی لوگ ہیں جو حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلے جدہ گئے، جہاں ان کو کشتیاں ملیں، اور انھوں نے پانچ درہم کشتی والوں کو بطور کرایہ دیئے اور حبشہ کی طرف سمندری سفر پر رواں دواں ہو گئے۔

نجاشی حق پرست تھا :

اس زمانے میں حبشہ میں عیسائی حکومت تھی، حاکم کا لقب نجاشی ہوا کرتا تھا جیسے ہمارے ملک میں وزیر اعظم، اور صدر جمہوریہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اور کسی ملک میں کوئی اور اصطلاح استعمال ہوتی ہے، نجاشی نام نہیں بلکہ حکومت کے سربراہ کا لقب تھا، نجاشی ایک مخلص انسان تھا، حضرت عیسیٰؑ کے سچے مذہب پر قائم تھا، وہ شرک سے محفوظ تھا، اور دین عیسوی کی حفاظت کر رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ

معلومات تھیں کہ ایتھوپیا کی حکومت خیر خواہ اور عدل پرور ہے، ہمارے لوگ وہاں جائیں گے تو کام کرنے کا انھیں موقع ملے گا، اور ایک پناہ گاہ مل جائے گی جہاں کچھ دن سکون کے ساتھ وہ دعوت کا کام کر سکیں گے۔

دوسری ہجرت حبشہ :

ان کے جانے کے کچھ عرصے کے بعد کسی طرح انہیں خبر پہونچی کہ قریش کے لوگ اسلام سے متفق ہوگئے ہیں اور ماحول پرسکون ہوگیا ہے، تو کچھ لوگ واپس آ گئے، لیکن آنے پر خبر کے غلط ہونے کی حقیقت معلوم ہوئی، اور پھر حضرت جعفر بن ابی طالب کی قیادت میں دوسری ہجرت حبشہ ہوئی، مجموعی طور پر وہاں تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں مہاجرین کی فہرست میں شامل ہوئے، یہ ۵ سنہ نبوی کا واقعہ ہے۔

حضرت حمزہ کا قبول اسلام :

حبشہ کی طرف ہجرت کے واقعہ کے بعد دو واقعے ایسے موثر اور طاقتور پیش آئے جنھوں نے صورتحال کو بڑی حد تک تبدیل کر دیا، ایک واقعہ حضرت حمزہ کے اسلام لانے کا ہے، دوسرا واقعہ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا ہے، حضرت حمزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور حضورؐ سے بڑی محبت کرتے تھے، لیکن ابھی تک اسلام سے محروم تھے، ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت حمزہ شکار سے واپس آئے تو قبیلہ بنی جدعان کی ایک عورت نے ان سے کہا: جناب! آپ کو معلوم بھی ہے کہ محمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوجہل نے کیا گستاخی کی؟ کہا کہ: کیا بات ہوئی؟ کہا کہ: آج اس نے محمدؐ سے بڑی بدسلوکی کی، ان کے ساتھ بڑی بے ہودگی سے پیش آیا، حضرت حمزہ کے اندر چچا کی دبی اور چھپی شفقت جوش میں آ گئی، اور غصے میں اپنی کمان لئے ہوئے وہ ابوجہل کے پاس پہنچے، اس کے سر پر کمان کی نوک مارتے ہوئے کہا: کیا کہتا ہے تو، تو نے محمدؐ سے کیا کہا؟ سن لے میں نے بھی کلمہ پڑھا اور ان کے مذہب میں داخل ہوا، ابوجہل حمزہؓ کی حیثیت کو جانتا تھا، وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ بڑے بہادر اور جری ہیں، اور خاندان بنو ہاشم کے ایک اہم ترین فرد ہیں، ان سے جنگ مول لینا آسان نہیں، ابو طالب کا جو مقام و وقار تھا وہ بھی تسلیم شدہ تھا، ابوجہل کسی ردعمل کا اس وقت اظہار نہیں کر سکا، جہاں تک حضور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے امر واقعہ

یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ ڈالنے کی کبھی کسی کو جرأت نہیں ہوئی، خاندانی حمایت بھی حاصل تھی، اور نبوت کا رعب وجلال بھی تھا، اور حق کی ایک ہیبت تھی کہ جس کی وجہ سے بڑے بڑے مجرموں کو قریب پھٹکنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

عمر کا قبول اسلام :

ابھی چند ہی دن گذرے تھے کہ اللہ تعالی کی طرف سے عمرؓ کے لئے بھی فیصلہ ہو گیا، عمرؓ، خطاب کے بیٹے، بڑے ہی سخت مزاج، تندخو، اور طاقتور و جفاکش تھے۔ بکریاں چرایا کرتے تھے، تجارتی سفر بھی کرتے تھے، بعض وقت قریش کی طرف سے سفارت کے کام پر بھی جایا کرتے تھے، وہ اسلام اور مسلمانوں کی روز افزوں ترقی اور قومی عقائد کی مخالفت سے بہت نالاں تھے، باتیں سنتے رہتے تھے، اور طیش میں آتے رہتے تھے، ایک دن ان کے اندر سخت ردعمل کی کیفیت پیدا ہوئی اور جوش اشتعال میں یہ طے کیا کہ آج مجھے نکل کر نبی کا کام ہی تمام کر دینا ہے۔ حضرت حمزہ اسلام لا چکے تھے، عمر تقدیر الٰہی سے ناواقف تھے، جاہلیت کے جوش میں گھر سے تلوار لے کر نکلے کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ ہی کر دینا ہے، یہ معلوم تھا کہ ارقم کا گھر ان کا خفیہ مرکز ہے، رخ ادھر کا ہی تھا، حسن اتفاق کہ راستے میں حضرت نعیم نے دیکھا کہ عمر ننگی تلوار لئے جوش میں جا رہے ہیں، پوچھا: کدھر جا رہے ہو؟ اشتعال میں بولے: مدعی نبوت کی گردن ہی مار دونگا۔ نعیمؓ نے کہا کہ: میاں پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمہارے گھر میں بھی ان کا دین داخل ہو چکا ہے، تمہاری بہن بھی مسلمان ہو چکی ہے، تمہارا بہنوئی مسلمان ہو چکا ہے۔ یہ سننا تھا کہ غصہ میں طنطنا گئے، غصہ کا رخ ادھر مڑ گیا، جاہلی حمیت کی بھٹی سلگنے لگی، کہنے لگے: اچھا! میرے گھر میں؟ ابھی جا کر نمٹتا ہوں۔ گھر پہونچے اور زور سے دروازہ پیٹا، اتفاق کی بات کہ اس وقت حضرت خباب رضی اللہ عنہ گھر میں ان کے بہنوئی اور گھر کے دیگر افراد کو قرآن پڑھا رہے تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانے میں جب کہ ظلم کی چکی زوروں کے ساتھ چل رہی تھی، اللہ کے عاشق اور دین کے متوالے گھروں میں گھس گھس کر، کمروں کے اندر چھپ چھپ کر دین کی تبلیغ کر رہے تھے، بہن نے دروازہ کھولا، گھر میں داخل ہوئے، غصہ میں تلملاتے ہوئے کہا: میں کیا سن رہا تھا، تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟ بہنوئی

سعید بن زید آگے بڑھے تو ان کو مارنے لگے، بہن فاطمہ بنت الخطاب بیچ بچاؤ کے لئے بڑھیں تو ان کو مارا اور اس زور سے مارا کہ بہن خون آلود ہوگئیں، عمر سخت مزاج تھے لیکن عقلمند اور ذہین بھی تھے، اشتعال میں بہن کو زدوکوب تو کرلیا لیکن پھر ضمیر نے اندر سے کچوکے لگائے اور کہا کہ عمر! تو بہن پر یہ ظلم کررہا ہے، اس پر غور نہیں کرتا کہ ایمان کا وہ کون سا نشہ ہے جو اترتا نہیں؟، کچھ دیر بعد ان کی بصیرت واپس آئی انھوں نے بہن سے کہا کہ تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے، مجھے بتاؤ؟ بہن نے کہا ہم قرآن پڑھ رہے تھے، جس کو پاک لوگ چھو سکتے ہیں آپ غسل کیجئے تب ہم آپ کو وہ دینگے، عمر کی نفسیات میں ایک بڑی تبدیلی آچکی تھی، وہ تحیر کے ساتھ تجسس میں تھے، انہوں نے غسل کیا، بہن نے ان کو وہ صحیفہ دیا جس میں سورہ طٰہٰ لکھی تھی، اس زمانہ میں قرآن کا جو حصہ نازل ہوتا تھا، جھلی پر، چمڑے پر، پتھر پر، پتہ پر، کسی نہ کسی ایسی چیز پر لکھ لیا جایا کرتا تھا، انھوں نے پڑھنا شروع کیا :

”بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۔ طٰهٰ ۝١ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۝٢ اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ۝٣ تَنۡزِيۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰى ۝٤ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ۝٥ الخ۔ (طٰہٰ : ۱- ۵)

ہم نے یہ قرآن تم پر اس لئے نہیں اُتارا کہ تم مصیبت میں پڑو، یہ تو ایک نصیحت نامہ ہے ایسے انسان کے لئے جس کے دل میں خوف الٰہی ہو، نازل کیا جارہا ہے اسکی طرف سے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کی تخلیق فرمائی وہ سرتاپا رحم وکرم ذات جو عرش اقتدار پر جلوہ افروز ہوئی۔

عمر کے حق میں دعائے نبوی :

عمر آیتیں پڑھ رہے تھے۔ اور ان کا دل نکلا جارہا تھا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، طبیعت پر کلام الٰہی کا شدید تاثر تھا، بے ساختہ ایمان ابل پڑا، توحید رسالت کی گواہی دی، اب تک انہوں نے ضد اور مزاج کی سختی کی وجہ سے سنا نہیں تھا، اب جب اس کو سنا تو اندر سے وجود لرز کے رہ گیا، وہ ساعت آگئی، جس کی دعا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی تھی، خباب بن الارت گھر کے خفیہ معلم تھے، اس وقت وہ گھر ہی میں تھے، عمر کے خوف سے چھپ گئے تھے، اب منظر بدلتے دیکھا، عمر کا ایمان ابلتے دیکھا، باہر آئے،

اورعمر کو بشارت دی کہ حضور ﷺ نے آپ اور ابوجہل کے حق میں قبول حق کی دعا کی تھی کہ: اے اللہ دونوں میں جو تیرے نزدیک اس سعادت کا اہل ہو اسے نواز دے، آپ کے حق میں دعا قبول ہوئی، عمر پر عجیب کیفیت، ندامت کی، اب تک حق سے دور رہنے پر حسرت کی، اور گھر میں بے وجہ قہر ڈھانے، اور بہن پر ظلم کرنے پر افسوس وملامت کی، غالب تھی۔ دوسری طرف ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، عقیدت، اور محبت کا چشمہ ابل رہا تھا۔

نعرۂ تکبیر:

بس اب خباب وسعید کو ساتھ لے کر حضور کی خدمت میں تلوار حمائل کئے چلے، کہا اب یہ تلوار دفاع اسلام کے لئے وقف ہوگئی، ارقم کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، محسوس ہوا کہ عمر ہیں، حضرت حمزہ وہیں موجود تھے، جوش میں فرمایا: اگر حق کی نیت سے آرہا ہے تو مرحبا، ورنہ اسکی تلوار ہوگی اور اسکا سر، حضورؑ نے خود آگے بڑھ کر دروازہ کھولا، عمر داخل ہوئے، لوگ گھبرائے، لیکن حضور نے ان کا پٹکا پکڑ کر فرمایا: کیسے آئے ؟ عمر نے کلمہ حق ادا کیا، حضور کی محبت میں سر جھکا دیا، آنکھیں اشکبار، دل بے قرار لے کر، اور عزیمت واستقامت کی چٹان بن کر حاضر ہوئے۔ واقعہ ایسی مسرت وشادمانی کا تھا کہ موجود اصحاب نبیؐ اپنے جوش پر قابو نہ پاسکے اور بے ساختہ بلند آواز سے نعرۂ تکبیر ایسا بلند ہوا کہ قرب وجوار میں شور مچ گیا۔

اعلانیہ نماز :

جب اسلام لائے تو انھوں نے کہا حضور آپ چھپ چھپ کر نماز مت پڑھیئے، اب اعلان کر کے نماز پڑھی جائے گی اور پھر انہوں نے کعبہ مقدسہ کے سامنے مجمع عام میں اپنے اسلام کا اعلان کیا، قریب تھا تلواریں نکل آئیں اور جنگ سے مسجد لالہ زار ہوجائے، لیکن قریش کے ایک بزرگ نے لوگوں کو سمجھایا اور معاملہ رفع دفع ہوا، عمر نے کھلم کھلا نماز پڑھی، اور مسلمانوں نے بھی اعلانیہ نماز پڑھنا شروع کردی، جو لوگ اب تک اپنا اسلام مخفی رکھتے تھے، انہوں نے اسلام ظاہر کردیا، خفیہ تحریک کا دور ختم ہوگیا۔

بنی ہاشم اور بنی المطلب کا بائیکاٹ :

۶ سنہ نبوی کا سال گذرا، اور ۷ نبوی کا بھی بڑا حصہ اسی حال میں گذر گیا، دعوت اعلانیہ جاری تھی،

مسلمان اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم ،حبشہ میں مسلمانوں کو پناہ بھی مل گئی تھی ، اور حبشہ کی حکومت کو مسلمانوں کے خلاف ورغلانے کی کوششیں نا کام ہو چکی تھی ، اب کافروں نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے خلاف ہر حربہ نا کام ہو چکا ہے، اب آخری حربہ یہ ہے کہ بنو ہاشم کا سوشل بائیکاٹ کر کے محمد کو حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے اور اس میں شدت پیدا کی جائے یہاں تک کہ یہ مجبور ہو جائیں اور گھٹنے ٹیک دیں، جس بستی ،کالونی یا محلہ میں خاندان بنو ہاشم اور بنو المطلب کے لوگ بستے تھے وہ ''شعب ابی طالب'' کے نام سے موسوم تھی ، کافر و مشرک لیڈروں نے یہ طے کیا کہ ان خاندان والوں اور محمد کے ساتھیوں کا بائیکاٹ کریں، ان سے کوئی نہ ملے ،کوئی بات نہ کی جائے ،خرید فروخت بند ہو، تعلقات اور شادی بیاہ بالکل نہ ہوں، منصور بن عکرمہ اور نضر بن حارث نے مقاطعہ (بائیکاٹ) کی تحریر تیار کی ، تاکید وقطعیت کے لئے کعبہ مقدسہ کی اندر کی دیوار پر اسے آویزاں کر دیا گیا۔

مقاطعہ کے تین سال :

اس معاہدہ نے ظلم وستم کی ایک نئی تاریخ رقم کی ، خاندان نبوت ، بنو ہاشم اور بنو المطلب اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بائیکاٹ کے تقریبا تین سال بڑے سخت جاں گسل ،مصیبتوں ،مشقتوں، فاقوں ،اور کرب وابتلاء کے گذرے ، بھوک سے لوگ تڑپ تڑپ گئے ، پتے کھاتے ، چمڑے بھگو کر پکا کر کھانے کی نوبت آتی ، بچوں کے بلکنے تڑپنے کا منظر سب سے زیادہ دلدوز ہوتا تھا،لیکن ذات نبوی صبر وشکیبائی کی ایک چٹان تھی ،جس پر ٹکرا کر ہر چیز پاش پاش ہو رہی تھی ۔

غیر مسلموں کی ہی طرف سے بائیکاٹ ختم کرنے کا فیصلہ :

کفر وشرک کی شدت اور تعصب اور عناد نے جہاں بہت سی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی تھیں ، بہت سے دلوں کو پتھر سے زیادہ سخت کر دیا تھا، وہیں کچھ آبائی مذہب پر قائم رہتے ہوئے ،اس ظلم پر کڑھ رہے تھے، وہ اپنے پہلو میں انسانی دل رکھتے تھے، ان میں ہشام بن عمر بن ربیعہ، زھیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابوالبختر ی بن ہشام، زمعہ بن اسود، نمایاں تھے یہ وہ افراد تھے جن سے رہا نہ گیا اور انھوں نے آپس میں خفیہ ملاقات کر کے یہ طے کیا کہ یہ ظلم ختم ہونا چاہئے ، یہ ہمارے لئے کیسے گوارا ہوسکتا ہے کہ ہم

آرام سے رہیں اور بنو ہاشم کے بچے بھوک سے ہلاک ہو رہے ہوں، یہ فیصلہ کیا گیا ''دارالندوہ'' میں - جو اس وقت قریش کے مشاورتی بورڈ کا دفتر تھا، ان کی بدویانہ پارلیمنٹ تھی، جہاں ان کی قومی مجلس لگا کرتی تھی -کل یہ مسئلہ اٹھایا جائے گا،لیکن دوسرے دن مسجد حرام ہی میں لیڈران کی موجودگی میں یہ مسئلہ اٹھا دیا گیا، زھیر بن ابی امیہ نے بات یوں شروع کی: بنو ہاشم کے ساتھ یہ ظلم جاری نہیں رہنا چاہئے، یہ ہمارے ہی بھائی ہیں، یہ کیسے ہمارے لئے درست ہے کہ ہم کھاتے رہیں اور وہ بھوکے رہیں اور ان کے بچے بلکتے رہیں۔اس پر ابوجہل بولا کہ معاہدہ ختم نہیں کیا جائے گا، معاہدہ کی دستاویز کو ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا۔زمعہ بن اسود اور ابوالبختر ی نے کہا ہم اس پر راضی نہیں ہیں، معاہدہ ختم کرنا پڑیگا، دوسرے ساتھیوں نے بھی تائید کا اعلان واظہار کیا۔

''رہے نام اللہ کا'' ایک معجزہ کا ظہور :

مسجد کے ایک کونہ میں ابوطالب موجود تھے انہوں نے کہا کہ محمد تو یہ کہتے ہیں کہ تمہارا وہ معاہدہ باقی ہی نہیں رہ گیا ہے، کیڑے اس کا کاغذ کھا گئے ہیں، دیمک نے دستاویز کو چاٹ لیا ہے، صرف ''اللہ'' کا نام باقی ہے، اب تم دیکھ لو اگر ایسا ہی ہے تو سمجھ لو تمہارے معاہدہ کی حقیقت کیا ہے؟ اسے ختم کرو اور ظلم کا سلسلہ بند کرو، اور اگر محمد کی بات غلط ثابت ہوتی ہے تو ہم انہیں تمہارے حوالہ کر دیں گے۔مطعم بن عدی آگے بڑھے، دیوار کعبہ سے صحیفہ کو اس حال میں اتار کر لائے کہ دیمک نے ساری تحریر صاف کر دی تھی، صرف لفظ ''اللہ'' باقی رہ گیا تھا، لوگوں کی حیرت کی انتہاء نہ رہی، محمدؐ کی صداقت وحقانیت کا منہ بولتا ثبوت ایک اور فراہم ہو گیا، صحیفہ کے پرزے پرزے کر دیئے گئے اور اعلان کر دیا گیا، کہ اب یہ معاہدہ ختم کیا جاتا ہے۔

طفیل دوسی کا قبول اسلام اور ''اراشی'' کا واقعہ :

اس دوران قبیلہ دوس کے سردار طفیل بن عمرو دوسی نے مکہ آ کر اسلام قبول کیا، وہ پہلے کافروں کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوئے، پھر تحقیق حال نے حقیقت پر سے نقاب اٹھا دیا، اسی زمانہ میں اراشی کا واقعہ بھی پیش آیا، جو بیوپار کے سلسلہ میں مکہ آیا تھا، ابوجہل نے اس سے چیزیں خریدیں، پیسہ نہ دیا، لوگوں

نے چھیڑنے کی خاطر مشورہ دیا کہ محمد سے ملو، آپ نے ابوجہل کے گھر جا کر دروازے پر دستک دی، اس کے لئے ابوجہل سے پیسوں کا مطالبہ کیا ابوجہل سہم گیا، اور پیسے ادا کئے۔لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔

بائیکاٹ کے تین سال مادی اعتبار سے مسلمانوں کے لئے کتنے ہی جانگسل کیوں نہ ہوں، دعوتی اعتبار سے مسلمانوں نے نہ صرف اہل مکہ بلکہ پورے جزیرۃ العرب پر اپنی بے مثل استقامت اور استقلال کے گہرے اثرات ڈالے، اس ظلم وستم رانی کی خبریں اطراف واکناف میں پھیلتی گئیں۔

غم کا سال :

۱۰ نبوی عام الحزن (غم کا سال) کہلاتا ہے، کیونکہ اس سال ابوطالب چل بسے اور چار پانچ دن بعد حضرت خدیجہ بھی وصال فرما گئیں، یہ دوغم بہت بڑے تھے، ایک طرف حضرت خدیجہؓ کی گھریلو خدمات اورنفسیاتی اورجذباتی تسلیاں تھیں، محبتیں تھیں، نصرتیں تھیں، حمایتیں تھیں، دوسری طرف ابوطالب کی سرپرستی تھی، تائید تھی، خاندانی حمیت تھی، مشفقانہ حمایت تھی۔انسانی دنیا کی یہ دوتائیدیں تھیں، مادی طور پر یہ دوسہارے تھے۔

ابوطالب کی بے مثال حمایت اور خدیجہ کی بے مثال رفاقت :

۱۰ نبوی میں یہ دو اہم واقعات پیش آئے، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت متاثر کیا جہاں تک ابوطالب کا تعلق تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد ان کی پوری زندگی ایسی گذری کہ ہر دن انھیں اپنے ہم مذہب اور ہم نسب کافروں کا طعنہ سننا پڑا، مخالفتیں مول لینی پڑیں، سازشوں کے گھیرے سے گذرنا پڑا، دوستیاں اور رشتہ داریاں عداوتوں اورنفرتوں سے بدل گئیں، نفسیاتی آزمائشوں، اعصابی جھٹکوں، معاشی پریشانیوں، بے وفائیوں اور مالی الجھنوں سے گذرنا پڑا، لیکن ان کی ثابت قدمی او راستقلال میں کوئی فرق نہ آیا، مکہ کے لیڈروں اور سربراہوں نے ان پر بار بار قبائلی ہی نہیں قومی سطح کا شدید دباؤ ڈالا، کہ وہ اپنے بھتیجہ کی حمایت سے دست کش ہوجائیں، ورنہ ناگفتہ بہ حالات کا سامنا کریں لیکن تھوڑی دیر کی انفعالی کیفیت کے بعد حضورؐ کے پاکیزہ اور سچے جذبات دیکھ کر انہوں نے کفر کے لیڈروں کو بالکل مایوس کردیا، اور ہمت وپامردی کا پہاڑ بن گئے، ان کے انتقال نے گویا ایک پشتہ توڑ دیا،

اور پھر حضرت خدیجہ جیسی رفیقۂ حیات، غمگسار، جاں نثار، نبی اسلام اور دعوت دین کے لئے جان و مال قربان کرنے والی، حضور ان کے دل کا نور، اور وہ حضور کی آنکھوں کا نور و سرور، ان کی وفات نے تو گھر کا نظام ہی درہم برہم کر دیا، جس کے بعد آپ نے خولہ بنت حکیم اور حاطب بن عمر کے توسط سے حضرت سودہؓ سے نکاح فرمایا، جن کے شوہر سکران بن عمرو کا ہجرت حبشہ سے مکہ واپسی پر انتقال ہو گیا تھا، لیکن حضرت خدیجہ کا بدل تو کوئی نہ تھا۔

مکہ سے باہر پناہ گاہ کی تلاش :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکا یقین تھا کہ یہ دین غالب آ کر رہے گا، آپ سے اللہ تعالی کے وعدے تھے، ان وعدوں کی قطعیت و حقانیت آپ کے لئے ایک مشاہدہ کی بات تھی، لیکن یہ دنیا دارالاسباب ہے، اسباب کے اختیار کرنے کا حکم الٰہی ہے، مکہ مکرمہ کی زمین باوجود وسعت کے تنگ ہو رہی تھی، ہٹ دھرمی، ضد و عناد میں شدت آتی جا رہی تھی، دو مادی سہاروں کے اٹھ جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے باہر دعوت حق کے انصار و مددگاروں کی تلاش شروع کی، اس کے لئے آپ کی نگاہ سب سے پہلے طائف پر پڑی۔

طائف کا راستہ :

حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے عام راستہ سے بچتے ہوئے، خفیہ طور پر سفر کی خاطر سواری بھی اختیار نہ فرمائی کہ سفر کی کسی کو بھنک نہ لگے، ساتھ زید بن حارثہ کو لیا جو مثل بیٹے کے تھے، جن کو محمد کا بیٹا ہی کہا جاتا تھا، طائف مکہ سے تقریباً ۷۰، ۸۰ کیلومیٹر ہے، راستہ وادیوں سے، چٹیل میدانوں سے، پہاڑوں سے، گھاٹیوں سے گذرتا ہے۔

طائف کے متعصب لیڈر اور اوباش لڑکے :

طائف مکہ کے مالداروں کا ہل اسٹیشن (Hill Station) اور گرمیاں گذارنے کا خوش گوار علاقہ تھا، مکہ کے دولتمندوں کے باغات وہاں تھے، مکہ والوں نے ماضی میں طائف پر قبضہ کرنے کی کوشش بھی کی تھی، جس کے مقابلہ کے لئے قبیلہ ثقیف نے مختلف قبائل سے سیاسی معاہدات کر لئے تھے، قبیلہ بنو

ہاشم اور بنو عبد شمس کے طائف سے اچھے روابط تھے، طائف میں دعوت دین کی حمایت ونصرت ایک بڑی طاقت کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔ طائف پر قبیلہ بنی مالک اور حلفاء (Allied Tribes) کا قبضہ تھا، بنو مالک نے قبیلہ ھوازن سے سیاسی معاہدے کرر کھے تھے، اور حلفاء اہل مکہ کے ساتھ تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی کوشش یہ تھی کہ حلفاء سے رابطہ قائم کریں اور قبیلہ خزاعہ کے افراد سے رابطہ میں مدد لیں، آپ طائف میں داخلہ کے بعد قبیلہ بنو عمرو بن عمیر (یعنی قبیلہ ثقیف) کے پاس گئے، وہ حلفاء (Allied Tribes) کے لیڈر تھے، اس قبیلہ کے تین افراد اس لیڈر شپ کی نمائندگی کرتے تھے، (۱) عبد یالیل بن عمرو (۲) مسعود بن عمرو (۳) حبیب بن عمرو، یہ تینوں بھائی تھے، آپ نے اولا ان سے بات کی، تینوں افراد نے بالکل منفی جواب دیا، بلکہ مذاق اڑایا، پھبتی کسی، آپ کی توقع کے بالکل برخلاف معاملہ کیا۔ حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام شکستہ خاطر ہوکر وہاں سے پلٹے، اور ان سے صرف اتنا فرمایا کہ تم اگر قبول نہیں کرتے تو مجھے اسکا موقع دو کہ میں اپنی بات کہہ سکوں، اور اس بات کو راز میں رہنے دو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں سے ملاقات کرنے کا ارادہ کیا، تو ان بدبختوں نے طائف کے غنڈوں کو، اوباشوں اور لفنگوں کو حضورؐ کے پیچھے لگادیا، کہ ان کو ٹکنے مت دینا، ان غنڈوں اور بدمعاشوں نے ڈھیلوں پتھروں سے آپ کے پیروں کو لہولہان کردیا، رحمۃ للعالمین، نبی رحمت، رہبر انسانیت، طائف کو توحید آشنا، رسالت شناس، اور خوش انجام، بنانے گیا تھا۔ بستی کے ''مترفین'' عیاشوں نے اسکا یہ صلہ دیا، کہ اسکے دل کو زخمی اور پیروں کو لہولہان کردیا!!

حضور عتبہ وشیبہ کے باغ میں :

آہ ! یہ انسان اپنے انجام سے غافل ہوکر کتنا ظالم، وحشی اور خونخوار بن جاتا ہے، غنڈوں کا غول طائف کی آبادی کے باہر سے پلٹا، ساتھ ہی عتبہ وشیبہ کا باغ تھا، کچھ ٹھہرنے، سانس لینے، زخموں پر مرہم پٹی کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں داخل ہوئے، عتبہ وشیبہ مکہ کے دو دولتمند بھائی باغ میں موجود تھے، ان کی خاندانی غیرت میں کوئی حرکت نہ پیدا ہوئی، مذہبی تعصب نے حمیت سے بھی محروم کردیا، تجارتی ومعاشی مفادات غالب تھے، باغ میں نوکر ''عداس'' نامی عیسائی تھا، دونوں بھائیوں کو اتنا

خیال آیا کہ نوکر سے کہا کہ ایک سینی میں انگور دھوکر ان کے پاس پہونچا دو۔

ایک عیسائی کا قبول اسلام :

عداس انگور کے خوشے لے کر حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت زار دیکھ کر وہ بہت غمگین ہوا، حضور صلی اللہ نے خوشہ اٹھایا، بسم اللہ کہا اور کھانا شروع کیا، عداس حیرت سے تکنے لگا، یہ لفظ میں نے کبھی کسی اور کی زبان سے نہیں سنے، آپ ؐ کون ہیں، فرمایا کہ: میں اللہ کا نبی ہوں، پوچھا تم کون ہو، کہاں کے ہو؟ کہا کہ میں عیسائی ہوں، اور نینوا کا رہنے والا ہوں، تو حضور پاک علیہ الصلو ۃ والسلام نے فرمایا اچھا تم یونس بن متیٰ کے شہر کے رہنے والے ہو، پھر عداس اور حیرت میں پڑ گیا، پوچھنے لگا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یونس بن متی کے بارے میں کیسے معلوم؟ کہا کہ یونس بن متی میرے بھائی تھے وہ بھی نبی، میں بھی نبی، بس یہ کہنا تھا کہ عداس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں میں پڑ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو بوسہ دینے لگا، پیر چومنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی چومی، اور کہا کہ ایک نبی کی آمد کا تذکرہ ہم سنتے تھے الحمدللہ میری قسمت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا۔

روئے زمین پر یہ سب سے افضل ہیں :

عتبہ اور شیبہ یہ منظر دیکھ رہے تھے، اور ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے، دیکھو یہ بھی ہاتھ سے گیا؟ عداس واپس آیا تو عتبہ نے کہا کہ تم کو کس نے کہا تھا کہ جا کر اس کے ہاتھ پیر چومو، تم نے یہ کیوں کیا؟ عداس نے پوری صفائی سے دل کی بات کہہ دی کہ جناب اس وقت روئے زمین پر ان سے افضل کوئی آدمی نہیں، انہوں نے وہ بات کہی جو صرف کوئی نبی ہی کہہ سکتا ہے۔

طائف کی آزمائش اور رحمۃ للعالمینی :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں سب سے زیادہ سخت، صبر آزما، نفسیاتی طور پر بے انتہا تکلیف دہ یہ موقعہ تھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث منقول ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ ؐ پر احد کے موقعہ سے بھی زیادہ سخت کوئی دن گذرا، فرمایا: وہ دن جب میں نے طائف میں ابن عبد یالیل سے تعاون کی بات کی اور اس نے کھرا جواب دیا میں اسوقت سخت غم

واندوہ کی کیفیت میں تھا، اسی حالت میں جب ''قرن المنازل'' کے پاس پہنچا اور میری نگاہ اوپر اٹھی تو ایک بدلی سی چھائی تھی، میں نے غور سے دیکھا تو جبرئیلؑ نظر آئے انہوں نے مجھے پکارا اور کہا کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنی اور ان لوگوں کا جواب سنا، اور یہ پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے جو چاہیں ان کو حکم فرمائیں، اتنے میں پہاڑوں کے فرشتہ نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور عرض کیا کہ اگر فرمائیں تو طائف کے دونوں طرف کے پہاڑ (اخشبین) ملا کر ان کو تہس نہس کر دیا جائے، آپؐ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں موحدین پیدا فرمائے گا جو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کریں گے۔

طائف کی دعا :

یہ سب درحقیقت آپ ﷺ کی اس دعا کا اثر تھا جو اس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک پر جاری ہوئی، جب غنڈوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کیا، پتھروں کی بارش کی اور خود آپ کے خون سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنگین کر دیا، اس وقت آپ ﷺ کے دل کی کیفیت کا عجب عالم تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں طائف کی یہ دعا، مناجات، آہ وزاری، تضرع وخشیت، توکل وانابت، بندگی وعاجزی، تفویض وتسلیم، رضا بالقضاء اور محبت الٰہی کا شاہکار ہے، ذرا دل پر ہاتھ رکھئے اور دعائے نبوی کے الفاظ پڑھئے :

''اللهم إليك أشكو ضعف قوتي، وقلة حيلتي، وهواني على الناس، يا أرحم الراحمين ! أنت رب المستضعفين، وأنت ربي، إلى من تكلني ؟ إلى بعيد يتجهمني ؟ أم إلى عدو ملكته أمري ؟ إن لم يكن بك غضب علي فلا أبالي، غير أن عافيتك هي أوسع لي، أعوذ بنور وجهك الذي أشرقت له الظلمات ، وصلح عليه أمر الدنيا والآخرة من أن ينزل بي غضبك أو يحل علي سخطك، لك العتبى حتى ترضى، ولا حول ولا قوة إلا بالله''

اے اللہ ! میں تیرے حضور اپنی بے طاقتی کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیرے حضور اپنی تدبیر کی کمزوری، لوگوں کے درمیان بے حیثیتی کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم

الراحمین، اے کمزوروں کے رب و پروردگار، اے اللہ! تو میرا رب ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے، کسی ایسے اجنبی کے جو مجھ سے درشت روئی اور زشت خوئی سے ملتا ہے، یا مجھے کسی دشمن کے حوالے کرتا ہے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا ہے۔ اے خداوندا! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو پھر کوئی فکر نہیں ہے۔ اے اللہ! لیکن میں چاہتا ہوں کہ تیری عافیت مجھے نصیب ہو، تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔ اے اللہ! مین پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے نور کی جس سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے تمام معاملات ٹھیک ہوجاتے ہیں، کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو۔ اے اللہ! میں تجھے راضی کرتا رہوں گا یہانتک تو راضی ہو جائے۔ اے اللہ! میرے پاس کوئی طاقت نہیں، کوئی قوت نہیں، بس تیرا ہی سہارا ہے۔

اسلامیان ہند دعائے طائف کے سائے میں :

یہ وہ الفاظ ہیں جن کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پروردگار کے حضور میں اپنی درخواست پیش کی، اور اپنا دکھڑا سنایا، اپنا دردو کرب اپنے مالک کے حضور پیش کردیا، آخر اللہ تعالی کی رحمت کو جوش آیا اور جبرئیل ''ملک الجبال'' پہاڑوں کے فرشتہ کو لے کر حاضر ہوئے۔ قربان جایئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کے، اگر اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ''ملک الجبال'' کو اہل طائف کی سزا کا حکم دے دیتے، تو طائف کی جو بربادی ہوتی سو ہوتی، ہم اہل ہندوستان طائف کے قبیلہ کے اس مجاہد وغازی نوجوان محمد بن قاسم الثقفی کی ان فتوحات سندھ سے محروم رہ جاتے جنہوں نے اسلام کے لئے ہند کا دروازہ کھولا، ہندوستان کے مسلمانوں کو قبیلہ ثقیف کے اس اولین مجاہد کے توسط سے اس دعائے نبوی کے فیض سے مستفیض اور اس کے سایہ میں زندگی گزارنے کا موقعہ ملا۔

جنوں کا قبول اسلام :

طائف سے حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام جب واپس آرہے تھے، تو اب کیونکہ عبودیت کی آخری منزل بھی طے ہوگئی تھی، ہر ظاہری سہارا ٹوٹ گیا تھا، ہر مادی رشتہ بکھر گیا تھا، لہذا مستور وغیبی

طاقتوں اور فتوحات کے دروازے کھلتے جارہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''نخلہ'' کے مقام پر پہنچے تھے کہ ''**نصیبین**'' کے علاقے کے سات جن آئے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سنی، ان کے دلوں کی دنیا بدل گئی، وہ ایمان سے مشرف ہوئے اور اپنے وطن جا کر علاقہ کے جنوں میں انہوں نے پرزور دعوت پیش کی، اور پھر تو جنوں کی جماعتیں حاضر ہونے لگیں، جو نبی کے روبرو حاضر ہوتیں، دعوت کی گفتگو سنتیں، ہدایات لیتیں اور کاردعوت کے لئے اٹھ کھڑی ہوتیں، ایک مستور مخلوق کی نصرت واعانت نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کی یاد تازہ کردی، سورۂ احقاف اور سورۂ جن کچھ تفصیلات اس باب کی پیش کرتی ہیں۔

مطعم بن عدی کی حمایت کے ساتھ مکہ میں داخلہ :

اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ واپس آنا تھا، آپؐ خفیہ طور پر گئے تھے، اور طائف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے یارومددگار چھوڑ دیا، اگر آپؐ دوبارہ مکہ مکرمہ میں خفیہ طور پر داخل ہوتے، تو شکست خوردہ ہوکر رہتے، اور اس سے دعوت کمزور ہوتی، آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ کسی قبیلہ سے باقاعدہ پناہ لے کر اور حمایت حاصل کرکے، داخلہ ہو، علامہ ابن القیم کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں سب سے پہلے حراء کے پاس ٹھہر کر اپنا قاصد اخنس بن شریق کے پاس بھیجا، اس نے جواب دیا کہ میں حلفاء میں ہوں، مجھے پناہ دینے کا حق نہیں، پھر آپ نے سہیل بن عمرو کے پاس اپنا قاصد بھیجا، اس نے یہ کہلوایا کہ بنی کعب کے مقابلہ میں بنی عامر اس فیصلہ کی ہمت نہیں کرسکتے، پھر آپؐ نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کو بنی نوفل کے سردار مطعم بن عدی کے پاس بھیجا، انہوں نے عزت نفس اور غیرت وحمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہاں ضرور تشریف لائیے، مطعم بن عدی نے اپنی اولاد اور خاندان کے لوگوں سے کہا کہ ہتھیار پہن کر کعبہ مقدسہ کے پاس پہونچو، میں نے محمد کو پناہ دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور زید بن حارثہ مکہ میں داخل ہوئے، مسجد حرام آئے، مطعم نے سب کے سامنے اعلان کیا، میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی ہے، کوئی انہیں نہ چھیڑے۔

داخلہ مکہ کے لئے حضور کی تدبیر:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ خزاعہ سے مدد لی، کیونکہ وہ شروع سے قریش کی مخالفت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے نرم گوشہ رکھتا تھا، اور مکہ میں تجدید داخلہ کے لئے بنونوفل کی حمایت حاصل کر کے قریش کی طاقت اور اتحاد کو دونیم کر دیا۔

طائف کا مظلوم ”سدرۃ المنتھیٰ“ کے قریں :

طائف کی سرزمین پر جس کو دبایا گیا، رد کیا گیا، ستم کا نشانہ بنایا گیا، نکالا گیا، اور وہ اپنے مالک کے سامنے ٹوٹے دل کے ساتھ رویا، تڑپا، گڑگڑایا، اسے پھر اٹھانا شروع کیا گیا، ظاہری طاقتوں سے مستور طاقتوں کی طرف پھیرا گیا، جس مالک غیب نے حراء کے غار میں اس پر نبوت کا سورج طلوع کیا تھا، دوبارہ اس مرحلہ پر مکہ میں داخلہ سے پہلے وہ حراء کے دامن میں کھڑے ہو کر مکہ میں داخلہ چاہتا تھا، کہ حراء کی چوٹیوں سے بہت بلند ہو کر، مسجد اقصیٰ کے خطہ مبارک سے گزر کر، غیبوں کی بلند دنیاؤں کی سیر کرے، اور جیسے پہلے نبوت و رسالت کے غیب نے شہود کی دنیا کی ذمہ داریاں اس کو سونپی تھیں، اب عالم بالا، ملأ اعلیٰ، سدرۃ المنتہیٰ، عرش بریں، لوح و قلم، جنت و دوزخ، کے ہونے والے مشاہدات عالم حسیات میں منصب قیادت وخلافت کی تمہید کا کام انجام دیں۔

آزمائشوں کے بعد عنایتیں :

مالک عرش وکرسی کی نوازشوں، عنایتوں، کرم فرمائیوں اور عطاؤں کی بھی کوئی انتہا ہے، اس نے ابراہیم کو آزمائشوں سے گزار کر امامت کے منصب جلیل پر فائز کیا تھا :

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ (البقرۃ: ۱۲۴)	یاد کرو اس وقت کو جب کہ ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند احکامات کے ذریعے آزمایا تو انھوں نے ان کو پورا کر دکھایا، تو اللہ نے فرمایا: میں تم کو تمام انسانوں کا پیشوا بناؤں گا۔

اب مکہ کی مخالفانہ فضاؤں کی گھٹن اور طائف کے پہاڑوں کی خوشگوار ہواؤں میں دشمنوں کے ظلم

وستم کی چبھن کے بعد مکہ مکرمہ میں ابراہیم کے حقیقی جانشین کا دوبارہ اس شان سے داخلہ ہورہا ہے کہ چاروں طرف ہتھیار بند نوجوان ان کو حفاظت کے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں، اور کفار و مشرکین کے ہی ایک مضبوط جتھے کی طرف سے حمایت، حفاظت اور نصرت کا اعلان ہورہا ہے، یہ تو طائف کے ردعمل کا محدود جواب تھا، اور اب تو حیات طیبہ میں وہ واقعہ پیش آنے والا تھا، جو نبوتوں کی رفعتوں اور بلندیوں، اور سیادت و خاتمیت انبیاء کا حیرت انگیز اور معجزانہ اظہار بن کر سامنے آنے والا تھا۔

واقعہ اسراء ومعراج :

روایت صحابی مالک بن صعصعہؓ کی ہے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے: میں حطیم کعبہ (کعبہ کا وہ حصہ جو دیوار سے گھرا ہوا ہے عمارت کے اندر ضم نہیں ہے) میں آرام کررہا تھا، کہ ایک آنے والا آیا (یعنی جبرئیل علیہ السلام) انہوں نے میرے سینہ کو چاک کرکے دل نکالا، اور سونے کی ایک طشتری میں جو نور ایمان سے مملوء تھی، اسے دھویا، پھر دل کو اپنی جگہ واپس رکھ دیا (اور جسم اپنی حالت پر عود کرآیا) پھر میرے پاس ایک جانور لایا گیا، خچر اور گدھے کے درمیانی سائز کا، وہ اپنے پیر وہاں رکھتا تھا جہاں تک نگاہ جاتی تھی۔ (مسلم شریف: کتاب الایمان، باب الاسراء بالرسول، رقم: ۱۶۲)

رنگ سفید تھا، کسی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ میرے پاس ''براق'' لایا گیا، مین اس پر سوار ہوکر بیت المقدس آیا، میں نے اس کو اس کڑے سے باندھ دیا، جس سے انبیاء اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے، پھر میں مسجد میں داخل ہوا، اور دو رکعتیں ادا کیں، ایک اور روایت میں یہ ہے کہ بیت المقدس پہنچنے پر میرے سامنے ابراہیم، موسی اور عیسی اور دیگر انبیاء علیہم السلام لائے گئے، میں نے نماز میں ان کی امامت کی اور ان سے بات کی۔

محمد بن اسحاق کی روایت آگے یہ بتاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر معراج (فضائی سواری، یا اوپر لے جانے والی گاڑی) حاضر کی گئی، جب میں پہلے آسمان پہنچا، تو اس کا گیٹ کھلوایا گیا، پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا: جبرئیل، آپ کے ساتھ کون؟ کہا گیا: محمد! پوچھا گیا: اچھا ان کی بعثت ہوگئی؟ کہا: جی ہاں!۔ کہا: خوش آمدید۔ دروازہ کھولا گیا، وہاں حضرت آدمؑ سے ملاقات ہوئی، میں نے سلام کیا،

انہوں نے فرمایا: نیک بیٹے کوخوش آمدید۔ دوسرے آسمان کا گیٹ اسی طرح انہیں سوالات وجوابات کے بعد کھولا گیا، وہاں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے جو خالہ زاد بھائی تھے، ملاقات ہوئی۔

تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

چوتھے آسمان پر ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

پانچویں آسمان پر ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

چھٹے آسمان پر موسی علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

پھر ایک بیری کا درخت دکھایا گیا، جس کے پھل علاقہ "**هَجَر**" کے مٹکوں کے برابر تھے، اور پتے ہاتھیوں کے کانوں کے برابر، اور چار نہریں دیکھیں، دو باطنی دو ظاہری، باطنی جنت کی دو نہریں تھیں، ظاہری، دریائے نیل وفرات۔

پھر بیت المعمور دکھایا گیا۔

پھر ایک پیالہ پانی کا، ایک پیالہ شراب کا، ایک پیالہ دودھ کا، لایا گیا، میں نے دودھ کا پیالہ لیا، تو جبرئیلؑ نے کہا: یہ فطرت کی ترجمانی ہے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امت قائم ہے۔

پھر مجھ پر (اور میری امت پر) پچاس نمازیں فرض کی گئیں، لیکن جب میرا موسی علیہ السلام کے پاس واپسی میں آنا ہوا، تو انہوں نے بنی اسرائیل کے تجربہ کی روشنی میں فرمایا کہ پروردگار سے تخفیف کی درخواست کریں، کئی بار مراجعت کے نتیجہ میں تخفیف ہوتے ہوتے جب پانچ کے عدد تک پہنچی، تو اگرچہ موسیٰ علیہ السلام نے مزید تخفیف کے لئے پھر مشورہ دیا، لیکن مجھے شرم آئی، اور بارگاہ الٰہی سے بھی ارشاد ہوا کہ فیصلہ ہو چکا، اب کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

معراج کے دوران جنت ودوزخ کے مناظر بھی دکھائے گئے، غیبت کرنے والوں کو مردار کا گوشت کھاتے دکھایا گیا، یتیموں کا مال کھانے والوں کو انگارے کھاتے ہوئے دکھایا گیا، سود کھانے والوں کے پیٹ بڑے بڑے کمروں کے مانند دکھائے گئے جن میں سانپ بھرے تھے۔

پروپیگنڈہ کے شور میں صدیقؓ کا اعلان :

راتوں رات یہ سارا سفر طے ہوا، صبح کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں ادا فرمائی، اور پھر لوگوں کو اس واقعہ سے مطلع فرمانا شروع کیا، اس ''عقل'' میں نہ آنے والے واقعہ سے مکہ میں ایک شور مچ گیا، کافروں کے ہاتھ میں ایک ہتھیار مخالفانہ پروپیگنڈہ کا آ گیا، کمزور ایمان والے متزلزل ہو گئے، ان کے دماغ و دل شکوک وشبہات سے بھر گئے، لوگ لپکے کہ ابوبکرؓ کے ایمان کو متزلزل کر دیا جائے، خبر سننے پر پہلے حضرت ابوبکر کا ردعمل یہ تھا کہ انہوں نے ایسا کچھ نہیں کہا ہوگا، لوگ بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں، لیکن اگر انہوں نے کہا ہے تو سچ ہی کہا ہے، غلط تو وہ کہہ ہی نہیں سکتے، براہ راست جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے واقعات سن لیے تو ایمان کی ٹھنڈک قلب نے محسوس کی، اور اسی دن ''صدیق'' کے لقب سے ملقب کئے گئے، سورۂ اسراء اور سورۃ النجم، کی ابتداء میں اسراء ومعراج کے واقعہ کی چند جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔

اسراء ومعراج سے متعلق سوالات کے جوابات :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کافروں کے مجمع میں اس نادرہ روزگار سفر کے وقائع بیان فرمائے تو مطعم بن عدی، عمرو بن ہشام، اور ولید بن مغیرہ بھی موجود تھے، ہشام بن عمرو نے ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ سے ملاقات کی بات پر مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ ذرا ان کا حلیہ تو بیان کریں، آپؐ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام میانہ قد سے کچھ نکلتے ہوئے، چوڑے سینہ کے، سرخ وسفید ہیں، بال گھنگھریالے عروۃ بن مسعود الثقفی سے مشابہ، موسیٰ علیہ السلام لمبے قد کے، تنومند، گویا کہ قبیلہ ازدشنوءۃ کے ہیں، دانت ملے ہوئے، چہرہ پر ہیبت۔ جہاں تک ابراہیم کا تعلق ہے وہ مجھ سے بہت مشابہ ہیں۔ پوچھا گیا بیت المقدس کا نقشہ بتائیں، آپؐ نے اس کا ایسا نقشہ کھینچا کہ دیکھنے والوں نے حرف بحرف تصدیق کی، راستہ کے اپنے قافلوں کے بارے میں پوچھا، آپ نے مختلف قبیلوں کے قافلوں کے اونٹ اور ساز وسامان کی ایسی تصویر کشی کی کہ مشاہد اس سے زیادہ بیان نہیں کرسکتا، ایک قافلہ کے بارے میں تفصیلات ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ابھی فلاں موڑ سے آپ لوگوں کے سامنے آنے والا ہے، اور بعینہ ایسا ہی ہوا، اس پر

ولید بن المغیرۃ بڑبڑانے لگا، یہ جادو ہے، جادو!

دعوت نئے مرحلہ میں :

دعوت وتبلیغ نبوی نے اب نیا رخ یہ اختیار کیا کہ حج کے موقعہ پر باہر سے آنے والے قبیلوں کے سرداروں سے ملاقاتیں شروع کی گئیں کہ وہ اگر اس دعوت سے متفق ہوجائیں تو ان کے علاقہ کو مسلمان اپنا مرکز بنا کر تحریک کو طاقت کے مرحلہ میں داخل کریں، اور قریش کی طاقت کو چیلنج کیا جاسکے۔

اس مقصد کی خاطر حج کے موقعہ پر آنے والے قبیلوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوعامر، غسان، بنوفزارۃ، بنوحنیفہ، بنوسلیم، بنوعبس، بنونصر، ثعلبۃ بن عکابۃ، کندہ، کلب، بنوالحارث بن کعب، بنوعذرۃ، وغیر کے ذمہ داروں سے ملاقاتیں کیں۔

حاجیوں سے ملاقاتوں کے دوران ابولہب اور ابوجہل پیچھا کرتے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرتے، الزام لگاتے، دیوانہ ومجنوں کہتے، ہٹ دھرم، کمینہ صفت لوگوں کی طرف سے گالیاں دی جاتیں، منہ پر تھوکا جاتا، مٹی پھینکی جاتی، نفسیاتی اور جسمانی اذیت کے مختلف طریقے اختیار کئے جاتے۔

قبائلی ذمہ داروں سے ملاقاتوں کی حکمت عملی :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حکمت عملی تھی کہ قبائل کے ذمہ داروں سے رات کو ملتے، ابوبکرؓ وعلیؓ ساتھ ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بنی عامر سے بات کی کیونکہ یہ قبیلہ مضبوط، طاقتور اور بااثر تھا، اس کا شمار ان پانچ قبیلوں میں تھا جو کبھی کسی خارجی حکومت کے تحت نہیں رہے، نہ ان کے لوگ غلام بنائے گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ یہ قبیلہ، قبیلہ ثقیف کا حریف ہے، حضور کی باتیں سن کر قبیلے کے ایک لیڈر ''بحیرہ بن فراس'' نے کہا کہ اگر یہ نوجوان ہمارے ہاتھ لگ جائے تو ہم عربوں کو کھالیں، ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کے بعد یہ سوال رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ حاصل ہوتا ہے تو آپؐ کے بعد اقتدار کس کو ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا فیصلہ اللہ کرے گا، پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی شیبان سے ملاقات کی، بڑی اچھی اور کامیاب گفتگو رہی، اور

تمام امور پر اتفاق ہوا، لیکن انہوں نے بتایا کہ ایرانی حکومت سے ان کے ایسے روابط ہیں کہ وہ کسریٰ کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے، اور وہ ان کے ماتحت ہیں، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاہدہ مناسب نہیں سمجھا۔

اہل مدینہ کی خوش بختی اور سوید و ایاس کی سبقت :

تقدیر الٰہی میں اہل مدینہ کے لئے جو شرف لکھ دیا گیا تھا، آخر ان سے کیسے ہٹتا؟ اس سعادت کو ان سے کیسے کوئی چھینتا؟

سرزمین یثرب سے جس کو (مدینہ منورہ بننا تھا) سوید بن الصامت مکہ آئے، مدینہ کے بڑے قابل فاضل اور وجیہ شخص تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ملاقات کی، دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس ''مجلہ لقمان'' میں اسی طرح کی حکیمانہ باتیں ہیں، لیکن قران سننے کے بعد دل کی دنیا بدل گئی، مدینہ آنے کے بعد جنگ بعاث میں وہ شہید کردیئے گئے، لوگوں کا یہ احساس تھا کہ وہ مسلمان ہوچکے تھے۔

اسی طرح بنو عبدالاشہل کے کچھ نوجوان قریش سے معاہدہ کے لئے مکہ آئے تھے، ان میں ایاس بن معاذ بھی تھے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے متاثر ہوئے، ان کے بارے میں ان کی قوم کے لوگوں کا یہ احساس تھا کہ وہ جنگ بعاث میں جب مارے گئے تو ان کی زبان سے مسلسل تہلیل و تکبیر، اور تسبیح و تحمید کے کلمات جاری تھے۔

انصار کا پہلا قافلہ :

۱۱ھ نبوی میں مدینہ سے آنے والے چند حاجیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منیٰ میں عقبہ کے پاس ملاقات ہوئی، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱-ابوامامہ۔ ۲-اسعد بن زرارۃ۔ ۳-عوف بن الحارث۔ ۴-رافع بن مالک۔ ۵-عقبہ بن عامر۔ ۶-جابر بن عبداللہ۔

یہ سب قبیلہ خزرج کے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت دی، دعوت سب نے قبول

کی، واپسی پر مدینہ میں خوب چرچا و تذکرہ اس دعوت حق کا کیا، یہاں تک گھر گھر چرچا عام ہو گیا۔

اوس و خزرج کا دوسرا وفد:

۱۲ نبوی میں پھر حج کے موسم میں ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا، اس سال مدینہ کے جس قافلہ سے ملاقات ہوئی وہ دعوت اسلامی سے روشناس تھا۔ وہ بارہ افراد پر مشتمل تھا، دس خزرج کے تھے اور دو قبیلہ اوس کے، اس دعوت نے قبیلہ اوس وخزرج کے درمیان چلنے والی طویل جنگوں کو صلح میں تبدیل کرنے کا کام شروع کر دیا تھا، اب ایمانی رشتہ لوگوں کو جوڑ رہا تھا، اور قبائلی نخوت وحمیت پر اس کا نہایت مثبت اثر پڑ رہا تھا۔

مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن مکتوم مدینہ میں :

ان حضرات کو رخصت کرتے ہوئے عبداللہ بن ام مکتوم اور مصعب بن عمیر سے متعارف کرا دیا گیا جن کو ان کا معلم وامیر بنا کر بھیج دیا گیا، ان کے قیام مدینہ نے قبائل میں انقلاب برپا کر دیا، اسید بن حضیر، اور سعد بن معاذ کا قبول اسلام ان کی دعوت کا ہی رہین منت ہے۔

عقبہ کی خفیہ میٹنگ:

مدینہ میں اسلام پھیلتا گیا، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ آپس میں یہ باتیں کرتے تھے کہ آخر کب تک حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کو مکہ مکرمہ میں خوف ودہشت کے ماحول میں چھوڑے رکھا جائے- کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں جمنے نہ دیا جائے، اور کفر آپ ﷺ کا تعاقب کرتا رہے-آخر ہم میں سے ستر افراد حج کے موسم میں مکہ مکرمہ آئے، ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منی میں جمرۃ العقبہ کے پاس رات میں ملنا طے کیا، ایک ایک، دو دو آدمی خیموں سے چپکے چپکے نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچے اور ہم نے عرض کیا کہ ہاتھ بڑھائیے، ہم آپ کی نصرت وحمایت کا معاہدہ کرلیں۔

تاریخ ساز معاہدہ :

یہ بات ۱۳ نبوی کے ماہ ذی الحجہ کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے آنے کے بعد

مسلسل قبائل کے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کررہے تھے، اور بات جزیرۃ العرب کے مختلف خطوں میں پھیلتی جارہی تھی، مسلمانوں کے مراکز جابجا کفر کے اقتدار اور کثرت کے درمیان قائم ہورہے تھے، لیکن اب اہل مدینہ کی خواہش اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب پر تقریباً آدھی رات کے بعد منیٰ سے دور "**جمرة العقبه**" (بڑے شیطان کی نشانی) کے پاس آخری، اہم ترین، تاریخ ساز میٹنگ ہونے جارہی تھی، راستوں پر پہرے اور نگرانی کے لئے ایک طرف ابوبکر صدیق اور ایک طرف علی کھڑے کردیئے گئے تھے، تاکہ کوئی خطرہ ہو تو فوراً مطلع کیا جائے، میٹنگ میں شرکت کے لئے حضرت عباس (عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساتھ لیا گیا تھا۔

حضرت عباسؓ نے — جو اندر سے مسلمان تھے، راز دار رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور کافروں کے درمیان ان کے ایک فرد کی حیثیت سے، نہایت متانت اور خاموشی سے رہتے تھے، اور ہجرت کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر رساں اور انٹیلی جنس کا کام کرتے رہے — میٹنگ میں پوری صفائی سے اہل مدینہ سے کہا کہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہارے شہر منتقل ہونا، پورے جزیرۃ العرب سے بالعموم اور قریش سے بالخصوص جنگ مول لینے کے مرادف ہے، اگر تم مطمئن ہو کہ تحفظ کرسکو گے، فبہا، ورنہ ابھی ہجرت کا اقدام درست نہ ہوگا، ہم لوگ خاندان بنو ہاشم تحفظ کر ہی رہے ہیں۔

اس پر براء بن معرور نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر پرزور حمایت ونصرت کا وعدہ کیا، اور یہی سب کا اعلان واقرار تھا، جن کی کل تعداد ۷۵ تھی، دو خواتین تھیں۔

زبان نبوت اب یوں گویا ہوئی:

"فبايعوني على السمع والطاعة في النشاط والكسل، والنفقة في العسر واليسر، وعلى الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، وأن لا تخافوا في الله لومة لائم، وعلى أن تنصروني، فتمنعوني إذا قدمت عليكم مما تمنعون منه أنفسكم وأزواجكم وأبناءكم ولكم الجنة"۔

ترجمہ: آؤ مجھ سے معاہدہ کرو کہ تم میری بات ہر حالت میں چاہے چستی ہو یا سستی سنو گے اور مانو گے اور خرچ کرو گے چاہے کہ تنگی ہو یا آسانی، اور بھلائی کی تلقین کرو گے، برائیوں سے روکو گے، اور اللہ تعالی کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو گے، اور میری مدد کرو گے، اور میرے آنے پر میری حمایت وحفاظت اس طرح کرو گے جس طرح اپنی، اپنی بیویوں اور اولاد کی حمایت اور حفاظت کرتے ہو، اور تم کو جنت ملے گی۔

اسعد بن زرارہ کی صراحت :

اس پر اسعد بن زرارۃ - جو سب سے کم عمر تھے - اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے کہ ہم لوگ اتنا لمبا سفر کر کے اسی لئے حاضر ہوئے ہیں کہ ہمیں یقین ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں، لیکن آپ ﷺ کی ہمارے ہاں آمد، اور ہجرت تمام عربوں سے جنگ کے ہم معنی ہے، تمہارے بہترین لوگ شہید ہوں گے، تلواریں چلیں گی، اگر تم یہ سب سمجھ کر تیار ہو، تو کیا کہنے! اللہ تعالی اجر سے نوازے، اور اگر اس کی ہمت نہیں ہے تو ابھی عذر پیش کر دو۔

لیکن فیصلہ تمام ساتھی پورے شعور کے ساتھ کر چکے تھے، تحریک کو نئے مرحلہ میں داخل ہونا تھا، اللہ کی تقدیر کا فیصلہ، اب ظہور میں آیا چاہتا تھا۔

جاسوسی کی سازش اور تحفظ کا اہتمام :

میٹنگ ابھی چل ہی رہی تھی، رات کا مہیب سناٹا تھا منی کے خیموں سے بہت دور جگہ منتخب کی گئی تھی، آس پاس کی نگرانی بھی کی جارہی تھی، کہ اتنے میں کسی شیطان نے بھانڈا پھوڑ دیا، مکہ والوں کو خطرہ کے بارے میں للکارا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل اس کے بات آگے بڑھے، حاضرین سے فرمایا کہ وہ خاموشی سے الگ الگ اپنی قیام گاہوں پر چلے جائیں۔

صبح مدینہ والوں کے پاس کافروں کے بعض لیڈر تحقیق حال کے لئے آئے۔ خزرج واوس کے دیگر لوگوں کو جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، کچھ پتہ نہیں تھا، انہوں نے قسمیں کھا کر کسی میٹنگ کا انکار کیا۔

نقباء (نگرانوں) کا انتخاب :

میٹنگ میں معاہدہ کے بعد جو سب سے اہم کارروائی ہوئی، وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے مطالبہ کیا کہ ۱۲ افراد کے نام بتائیں، جنہیں نقیب (نگراں) مقرر کیا جائے۔ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

{وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا} (المائدۃ : ۱۲)

ترجمہ: اور ہم نے ان میں بارہ نقیب مقرر کئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی رعایت میں بارہ نقیب طے فرمائے۔ جن میں ۹ رحضرات قبیلہ خزرج کے تھے اور ۳ رقبیلہ اوس کے۔ ان سب حضرات کے نام درج ذیل ہیں:

۱- اسعد بن زرارہ	۲- سعد بن الربیع	۳- عبداللہ بن رواحہ
۴- رافع بن مالک	۵- براء بن معرور	۶- عبداللہ بن حزام
۷- سعد بن عبادۃ	۸- منذر بن عمرو	۹- عبادۃ بن الصامت

یہ نو اشخاص قبیلہ خزرج کے تھے۔

۱۰- اسید بن حضیر	۱۱- سعد بن خیثمہ	۱۲- رفاعہ بن عبدالمنذر،

یا ابوالہیثم مالک بن التیہان یہ تین اشخاص قبیلہ اوس کے تھے۔

ہجرت کی ابتدا :

ماہ ذی الحجہ ۱۳ رنبوی کی یہ میٹنگ ہجرت کے اقدام کیلئے فیصلہ کن ثابت ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد ہی مسلمانوں کو ہجرت کا اشارہ دے دیا۔ قریش کو حالات کی بھنک لگ چکی تھی، نگرانی اور چوکسی بڑھا دی گئی تھی۔

سب سے پہلے ابوسلمہ اپنی اہلیہ ام سلمہ اور بیٹے کے ساتھ خفیہ طور پر نکلے لیکن شدید نگرانی کے نتیجے میں ان کے نکلنے کی خبر لگ گئی، بیوی اور بچہ کو روک لیا گیا، بچہ کو ماں سے جدا کر دیا گیا، بیوی کو شوہر سے۔ بڑی مشکل سے ماں کو بچہ ملا اور ایک سال بعد اہلیہ عثمان بن طلحہ کے ساتھ مدینہ جا کر شوہر سے ملیں۔

پھر عامر بن ربیعہ اپنی اہلیہ لیلی بنت ابی خیثمہ کے ساتھ روانہ ہوئے ، یہ سب سے پہلی مہاجر خاتون ہیں، جو مدینہ منورہ آئیں، اس کے بعد سلسلہ چل پڑا، لوگ اکا دکا، چھوٹے چھوٹے کنبوں اور مختصر سی جماعتوں کی شکل میں بچ بچ کر، چھپ چھپ کر نکلتے رہے، ان کے نکلنے کے بعد محلہ والوں، اور مکہ کے سرداروں کو معلوم ہوتا تھا کہ فلاں فلاں نکل گئے۔

اکثر افراد سوائے ان کے جو کسی کے ماتحت تھے، یا براہ راست دباؤ میں یا نظر بندی وقید میں تھے مکہ چھوڑ چکے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علیؓ اور بعض اور لوگ ابھی نہیں گئے تھے، دارالندوۃ کی میٹنگ میں اسی دوران یہ قرارداد پاس ہوگئی تھی، کہ محمد کو نکلنے نہ دیا جائے، اور ضرورت پڑنے پر انہیں تہ تیغ کر دیا جائے، بعد میں تو اسی کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منصوبہ بندی :

مکہ مکرمہ کے مسلمانوں کی اکثریت کی ہجرت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالی کی طرف سے اجازتِ ہجرت کے منتظر تھے۔ اجازت ملنے کے بعد ایک دن ٹھیک دوپہر میں— جس وقت آپؐ عام عادت کے مطابق اور کوئی شخص بھی گرمی کی شدت میں نکلا نہیں کرتا تھا— ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پہنچے، ان سے کہا، گھر میں کوئی ہو تو اسے ہٹا دو، اہم بات کرنا ہے، انہوں نے عرض کیا، کوئی غیر نہیں ہے، میری دونوں بیٹیاں اسماء اور عائشہ ہیں، ارشاد فرمایا کہ ہجرت کی اجازت مجھے بھی مل گئی ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جذباتی ہو کر کہا میں بھی ساتھ چلوں گا، فرمایا کہ ہاں ساتھ چلو گے، خوشی سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آنسو نکل آئے، روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے دو اچھی اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں، ایک آپ کے لئے ایک میرے لئے، فرمایا کہ میں قیمتاً لوں گا، وہیں یہ طے پایا کہ وقت سحر دونوں اپنے اپنے گھر سے نکلیں گے، جبل ثور کی طرف چل کر، اس کے دامن میں ملیں گے، ابتداءً اس کے کسی غار میں پناہ لینی پڑے گی، پھر آگے کا سفر ہوگا، اس دوران عامر بن فہیرہ دودھ والی اونٹنیاں، ادھر پہاڑ کی طرف، عام چرواہوں کی طرح لاتے رہیں گے، تاکہ غذائی ضروریات پوری ہوتی رہیں، اور اہل مکہ کی خبر ملتی رہے، عام راستے سے ہٹ کر کسی نئے انجانے راستے کو سفر کے لئے

اختیار کرنا ہے، اس کے لئے کسی ماہر بدو کو ساتھ لینا پڑے گا، جو راستوں سے خوب اچھی طرح سے واقف ہو، اور مکمل طور پر اعتبار کے لائق ہو، بہتر ہوگا کہ عبداللہ بن اریقط کو اس کام کے لئے لیا جائے، اور سفر کی اونٹنیاں اس کے حوالے کردی جائیں، تین دن بعد وہ ثور پہاڑ کے پاس ہم لوگوں سے ملے۔

یہ مکمل اور نہایت محتاط اور گہری منصوبہ بندی تھی، توکل اور اختیارِ اسباب کا حسین امتزاج، اور مسلمانوں کے لئے کامیاب ترین اسوہ اور نمونۂ عمل۔

اسماء ذات النطاقین :

تین دن کے لئے کھانے کے خاطر ناشتہ دان میں ایسی چیزوں کا نظم کردیا گیا جو خراب نہ ہوں، سامان کی پوٹلی کو اسماء بنت ابی بکر نے اپنے کمر بند سے ایک پٹی پھاڑ کر باندھ دیا یہیں سے وہ اسماء ذات النطاقین، دو کمر بند والی یا دو پٹکوں والی اسماء کہلائیں، منصوبہ کا یہ بھی حصہ تھا کہ حضور ﷺ اپنے گھر میں علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لیٹنے کے لئے فرمادیں گے۔ یہ خطرات بالکل سامنے تھے کہ کفار نہایت چوکس ہیں، نگرانی نہایت سخت ہے، خفیہ طور پر محمد ﷺ کو شہید کردینے کی پلاننگ ہوچکی ہے، ان کی لڑائی علی رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے، اصلاً محمد ﷺ سے ہے آپ ﷺ اندھیرے میں صبح کے ہونے سے پہلے گھر سے نکلیں گے اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی نکلیں گے اور دونوں کسی مخصوص جگہ پر ملیں گے۔

حضور ﷺ کے گھر کا محاصرہ :

کافروں کو بھنک لگ گئی تھی کہ اس رات کچھ ہونے والا ہے، انہوں نے اسی خاص رات کو حملہ کے لئے منتخب کیا تھا، متعدد قبائل سے ایک ایک نوجوان کو ننگی تلوار کے ساتھ گھر کے محاصرے کے لئے روانہ کردیا گیا، رات کے سناٹے میں گھر کو گھیرے میں لے لیا گیا، دروازے پر ننگی تلواروں کے ساتھ قاتلوں کی ٹیم تیار کھڑی تھی دنیا کی تاریخ چپ سادھے واقعات کی کروٹوں کو دیکھ رہی تھی، آسمان تقدیر الٰہی کے قلم کو دم سادھے دیکھ رہا تھا، زمین سو بار خون محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگ رہی تھی۔

یٰسین کے معجزہ کا ظہور :

قدرت خداوندی ''یاء'' اور ''سین'' دو معجزانہ اور پراسرار حرف کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوکر کہہ رہی تھی :

{يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝} (سورۃ یٰسین : ۱- ۹)

''یٰسین! قسم ہے حکمت والے قرآن کی، حقیقت یہ ہے کہ تمھیں پیغام دے کر بھیجا گیا ہے، تم صحیح راستے پر گامزن ہو، یہ کلام زبردست غالب اور رحم وکرم والے کی طرف سے اتارا جارہا ہے، تاکہ تم ان لوگوں کو خبردار کردو جن کے باپ دادا کو آگاہ نہیں کیا گیا تھا، اس لئے وہ غفلت میں پڑے ہیں، ان میں اکثر کے بارے میں فیصلہ ہوچکا ہے، کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے، ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں، جو انکی ٹھوڑیوں تک ہیں، اور ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں، ہم نے ان کے سامنے بھی ایک دیوار کھڑی کردی ہے اور انکے پیچھے بھی ایک دیوار، اور انکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، یہ دیکھ نہیں پارہے ہیں''۔

وقت سحر تھا، کلام الٰہی کے انہی بولوں کو دہراتے ہوئے خوشخبری کے ساتھ اعتماد کے ماحول میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے، مٹھی بھر مٹی لی، گھر کا گھیراؤ کرنے والوں کی طرف پھینکی جس کے ذرات ان کی آنکھوں پر پڑے، گردسروں پر بیٹھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالی کی قائم کردہ دو ''غیبی دیواروں'' کے بیچ سے نکل گئے۔

مجرم سٹ پٹا گئے :

حسب قرارداد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعین جگہ پر ملے،

ثور پہاڑ کی چوٹی پر رات کے اندھیرے میں چڑھے، ایک غار کو پناہ گاہ کے بطور اختیار فرمایا، ادھر مجرموں اور قاتلوں کا جتھا پریشان تھا کہ صبح ہوا چاہتی ہے، سازش کا پردہ چاک ہوجائے گا، مجرم بے نقاب ہوجائیں گے، بنو ہاشم انتقام کے لئے تیار ہوجائیں گے، گھر کی دیوار پر چڑھ چڑھ کر دیکھا بستر پر کون لیٹا ہے، تہجد میں اٹھنے والا آج کیوں نہیں اٹھ رہا ہے، چادر ہٹی وہ علی رضی اللہ عنہ تھے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل چکے تھے۔

قتل کی منصوبہ بندی ناکام ہوچکی تھی، منصوبے کا اظہار بھی مشکل تھا، مکہ کی گلی گلی کوچے کوچے میں شور مچ گیا کہ محمد نکل گئے، مکہ کے دشمنانِ اسلام کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی، تلاش کرو، شہر کی ناکابندی کردو، جاسوس لگاؤ، ان کی گردن پر انعام رکھو، اعلان کردو کہ جو بھی محمد ﷺ کو زندہ یا مردہ لائے گا اسے سو اونٹ دیئے جائیں گے۔

طالع آزماؤں، دشمنی میں جلے بھنے لوگوں، انتقام کے لئے بیتاب جوانوں، لالچیوں اور حریصوں کی بن آئی، چاروں طرف تلاش بے انتہا سرگرمی سے شروع ہوگئی، خدا کا کرنا تلاش کرنے والے غارِ ثور کے قریب سے بھی گزرے، جہاں ختم الرسل ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پناہ گزین تھے، لیکن یہ دیکھ کر کہ غار کے دہانے پر مکڑی کا گھنا جالا تنا ہے، تلاش کرنے والے گزرتے آگے بڑھتے چلے گئے، وہ لمحات ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے دل کی تیز دھڑکنوں کے تھے، لیکن جس کے لئے صدیق رضی اللہ عنہ بےچین تھے وہ کہہ رہا تھا {لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا} (التوبۃ : ۴۰) ترجمہ: غم مت کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

ام معبد کا خیمہ اور ظہور معجزہ :

تین دن گزر چکے تھے، تلاش کرنے والے تھک ہار چکے تھے، یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ محمد ﷺ آدھے سے زیادہ راستہ طے کر چکے ہوں گے اب آپ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عامر بن فہیرہ، عبداللہ بن اریقط کی- جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے- رہنمائی میں، بالکل انجانے راستے سے سفر کر رہے تھے ''قدید'' تک جو تقریباً ۸ر کلومیٹر کی دوری پر ہے، اُم معبد کے خیمہ کے پاس پہنچے، یہ قبیلہ خزاعہ کا علاقہ تھا

ہجرت نبوی کا راستہ

اور یہ خاتون اسی قبیلے کی تھیں، اس قبیلے کے تعلقات حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شروع سے اچھے تھے اور قریش سے خراب، اُم معبد پختہ عمر کی ایک تجربہ کار، ذہین اور منتظم خاتون تھیں، ان کے شوہر بکریاں چرانے گئے تھے، ایک بکری لاغر سی گھر میں تھی، ان کا راستے میں چھوٹا سا ڈھابے جیسا ہوٹل تھا، کھانے کے لئے گوشت اور کھجور طلب کیا گیا، جواب ملا کہ اس وقت کچھ نہیں ہے، ان دنوں علاقہ قحط کی صورت حال سے دوچار تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیمہ کے ایک کنارے ایک بکری دیکھی دریافت فرمایا ام معبد یہ کیسی بکری ہے؟ ام معبد نے عرض کیا: بیماری اور لاغری نے ریوڑ کے ساتھ اسے جانے نہ دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اس کے تھنوں میں کچھ دودھ ہے، عرض کیا: کہ حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ اتنی لاغر ہے کہ دودھ کہاں! فرمایا: کیا تمہاری اجازت ہے کہ میں اسے دوھ لوں؟ عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ دوھی جا سکتی ہے تو دوھ لیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری طلب کی اپنے دست مبارک اس کے تھنوں پر پھیرے، بسم اللہ پڑھا اور اللہ سے دعا کی، اس نے دوھنے کے لئے اپنے پیر پھیلا دیئے، تھنوں میں دودھ بھر آیا اور وہ جگالی کرنے لگی، آپؐ نے ایک بڑا برتن طلب فرمایا اور دوھنا شروع کیا، دودھ فوارے کی طرح نکلا یہاں تک کہ برتن بھر گیا اور اس پر جھاگ آ گیا، پھر حضورؐ نے سب سے پہلے اپنی میزبان ام معبد سے فرمایا کہ تم دودھ پیو وہ سیراب ہو گئیں، اپنے ساتھیوں کو پلایا، یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا، پھر ایک اور دور چلا، اس کے بعد آپؐ نے دوبارہ بکری کو دوھنا شروع کیا اور برتن دودھ سے پھر بھر گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ ان کے پاس چھوڑ دیا اور رخصت ہو گئے۔

اُم معبد کی حیرانی :

تھوڑی دیر کے بعد ان کے شوہر ابو معبد لاغر بکریوں کا ریوڑ لے کر آئے، گھر میں دودھ سے بھرا برتن دیکھ کر انہیں بہت تعجب ہوا، کہنے لگے ام معبد دودھ کہاں سے آیا، بکری کے تھن تو سوکھے تھے کہنے لگیں بات یہ ہوئی کہ ایک بابرکت شخص کا ادھر سے گزر ہوا جس کی برکتیں دیکھ کر میں تو حیران رہ گئی، انہوں نے کہا، ذرا بتانا ان کا حلیہ کیا تھا۔

حلیۂ نبوی ام معبد کی زبانی :

کہنے لگیں وہ بڑے روشن جبیں، گورے چٹے، خوبصورت، خوب سیرت، اچھے بھلے جسم کے، صاحب حسن و جمال، آنکھیں نہایت جاذب، پلکیں نہایت اچھی، آواز بلند، سیٹی کی طرح بجتی ہوئی، پرکشش، گردن اونچی، گھنی ڈاڑھی، بھویں باریک گھنی، اور دونوں طرف سے ملتی ہوئی، خاموش ہوتے ہیں تو وقار اور متانت کی ایک کیفیت نظر آتی ہے، گفتگو فرماتے ہیں تو سر بلند کر کے اور پھر ایک رونق سی چھا جاتی ہے، دور سے نہایت حسین و جمیل، اور قریب سے زیادہ شیریں منظر اور پرکشش و جاذب نظر، میٹھی گفتگو فرمانے والے، بات محکم اور قطعی انداز میں کرنے والے، نہ بیجا طول اور نہ بے ضرورت اختصار، الفاظ زبان سے اس طرح نکلتے ہیں کہ جیسے موتی بکھر رہے ہوں، قد میانہ، بلندی کی طرف مائل، دو شاخوں کے بیچ میں جیسے کوئی خوبصورت سی نازک شاخ ہو، جو تینوں میں سب سے زیادہ خوش منظر اور قیمتی ہو، کچھ فرماتے تو ساتھی تعمیل حکم میں لپک پڑتے، ہر شخص محبت کرنے والا، خدمت کی خواہش رکھنے والا، نہ سخت مزاج نہ بے جا باتیں کرنے والے۔

ابو معبد کا تأثر :

ابو معبد نے حلیہ کی اتنی تفصیلات سنیں، بے ساختہ بول پڑے: ارے وہ تو خاندان قریش کے معروف شخص ہیں، ان کے بارے میں مکہ مکرمہ میں میں نے بہت کچھ سنا، میرا ارادہ تھا کہ میں ان کی رفاقت اختیار کروں، موقع ملے گا تو ضرور ایسا کروں گا۔

سراقہ قافلہ نبوی کے تعاقب میں :

آپ پڑھ ہی چکے کہ اعلان، مکہ کے امیروں، لیڈروں، پنڈتوں اور سرغنوں کی طرف سے ہو چکا تھا، کہ جو بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے گا اسے سو اونٹ انعام میں دئے جائیں گے۔

سراقہ ابن مالک بن جعشم بھی انہی طالع آزماؤں میں ایک تھا جس کے سر میں سودا سمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑنا ہے، اسے پتا نہیں تھا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا پٹا لکھوانے جا رہا ہے، گھوڑے پر زین کسا اور یہ جا اور وہ جا، سراقہ راستوں کی مہارت کے ساتھ گھوڑ سواری، اور بہادری میں اپنی ایک

شان رکھتا تھا،قسمت سے اس خفیہ راستے پر چل پڑا جس پر قافلہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جارہا تھا دور سے دیکھ کر مراد پوری ہوتی پا کر خوشیوں سے اچھلتے گھوڑے کو ایڑ لگائی،گھوڑا گرا،اس کی پیٹھ پر سے سراقہ گرا،ترکش سے پانسہ بازی کے لئے تیر نکالے (آگے نہ بڑھو) کا اشارہ ملا لیکن حرص وہوس نے مجبور کیا،اتنا قریب ہوگیا کہ حضورؐ کے قرآن کریم پڑھنے کی آواز کانوں میں آنے لگی،آپؐ ذرا بھی پیچھے متوجہ نہ تھے،اور ابوبکر بار بار پیچھے مڑکر دیکھ رہے تھے،سراقہ کا بیان ہے ''اب جو میں نے مزید آگے بڑھنا چاہا تو گھوڑے کے ہاتھ زمین میں دھنس گئے، میں نے پانسے نکالے،اشارہ نفی کا تھا،گھوڑا سیدھا ہوا تو ہاتھ کے پاس سے دھواں اٹھا، میں نے چیخ کر امان کی درخواست کی، میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ غالب ہوکر رہیں گے، میں حاضر خدمت ہوا مکہ مکرمہ کے اعلانات کی خبریں سنائیں پروانہ امن کی درخواست کی،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن فہیرہ یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پروانہ لکھنے کا حکم فرمایا،میری طرف نبوی نگاہیں ملتفت ہوئیں،ارشاد فرمایا: سراقہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو کسریٰ (ایرانی مملکت کے شہنشاہ) کے کنگن پہنے گا''۔

پناہ گاہ کا متلاشی ساسانی حکومت کے زوال کا نظارہ کررہا تھا:

جو اپنے وطن سے ہجرت کر کے ایک پناہ گاہ کی تلاش میں جارہا تھا وہ جانتا تھا کہ دنیا کی بڑی طاقتیں اسلام کے قدموں میں گریں گی،اس کی نگاہیں فارس کی ساسانی حکومت کے زوال اور اس کے شہنشاہ اعظم کے ہاتھوں کے کنگن مدینہ منورہ کی کچی پکی، چھپر والی مسجد میں آتے دیکھ رہی تھیں، وہ بنی مدلج کے اس بدو کو تاریخ ساز خوشخبری دے رہا تھا،تا کہ دنیا کے مورخین اور سیرت نگار اسے نوٹ کرلیں،اور قدرت الٰہی کے انقلابات کا نظارہ کریں۔

اللہ کی قدرت کہ خلافت فاروق رضی اللہ عنہ میں- جب ایرانی حکومت مسلم فوجوں کی پیش قدمی سے زیروزبر ہوگئی- کسریٰ کے محلات کے ساز وسامان، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فقیرانہ دربار میں لائے گئے،تو کسریٰ کے ہاتھوں کے کنگن بھی ساتھ تھے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں واقعہ ہجرت اور سراقہ سے ارشاد فرمایا ہوا فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گردش کرنے لگا،خلیفہ راشد نے سراقہ کو طلب کیا،سراقہ

کے ہاتھ معمولی سے اور کہنی سے گٹوں تک گھنے بال تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا سراقہ ہاتھ اٹھا پھر فرمایا کہ تعریف تو بس اس اللہ کی ہے جس نے یہ کنگن اس ''کسریٰ'' سے چھین لئے جو کہتا تھا کہ میں لوگوں کا مالک ہوں اور قبیلہ بنی مدلج کے ایک بدو کو پہنا دیئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے یہ کلمات ارشاد فرمائے، حکم ہوا کہ سراقہ کو سواری پر بٹھا کر پورے شہر مدینہ میں گشت کرایا جائے، تاکہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھیں، سراقہ سواری پر مدینہ کا گشت کر رہے تھے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے الفاظ اپنی زبان سے دہرا رہے تھے، ''تمام تعریفیں اس اللہ کی جس نے یہ کنگن کسریٰ سے چھین کر بنی مدلج کے اس بدو کو پہنوا دیئے''۔

یہ عمل صرف اللہ کی قدرت اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے اظہار کے لئے تھا، مردوں کے لئے کنگن جائز نہیں اور وہ مال غنیمت کا حصہ تھے، سرکاری خزانے میں دوبارہ کنگن اتار کر رکھ دیئے گئے۔

سفر ہجرت کے دوران اہم ترین واقعات اور حیرت انگیز معجزات کی یہ دو کڑیاں تھیں جن کے ساتھ مکی دور ختم ہو رہا تھا، تاریخ عالم کے یہ انوکھے مسافرِ ہجرت اب مدینہ منور کی طرف اس کے جنوبی علاقے کے رخ پر بڑھتے جا رہے تھے، عہد مدنی گوش برآواز، محو دید و نظارہ، راہ تکتا، اپنی آغوش محبت و نصرت کھولے انتظار کی گھڑیاں گن رہا تھا، جس کی کہانی حقیقت بیانی تیسرے خطبہ میں آپ کے سامنے انشاء اللہ پیش کی جائے گی۔

تیسرا خطبہ

ہجرت سے وصال تک

عہد مدنی

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا الخ۔۔۔۔

أما بعد!

فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③" (صدق اللہ العظیم) (النصر: ۱-۳)

ترتیب خطبات :

محترم بزرگو اور دینی و ایمانی بھائیو و بہنو! سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جن خطبات کا سلسلہ دو شب پہلے شروع کیا گیا تھا، آج اس سلسلہ کی آخری کڑی آپ لوگوں سے سامنے پیش کی جائیگی، پہلی کڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے اُس دور سے متعلق تھی جو نبوت اور بعثت سے پہلے کا تھا۔ اور پھر اس سلسلہ کی دوسری کڑی اس دور سے متعلق تھی جو بعثت اور نبوت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرت پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، آج اس سلسلہ کی تیسری کڑی ہجرت نبویؐ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمدِ قباء سے شروع ہوگی۔ اور آپ کے وصال پر اس کا اختتام ہوگا۔ یہ تقریباً دس سال کا عرصہ ہے جو اپنے عظیم الشان کارناموں، اپنے اثرات اور نتائج کے اعتبار سے اتنا وسیع ہے کہ اس کو کسی ایک مجلس میں سمیٹنا تو در کنار سیکڑوں مجالس میں سمیٹا نہیں جا سکتا۔

ایک بحر ناپیدا کنار :

یوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر گوشہ ایسا ہے کہ۔۔۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاایں جا است

کہ اس پر ہی ٹھہر جایا جائے، اس کے سایہ تلے طویل اعتکاف کیا جائے، اس کا نہایت وسعت کے ساتھ مطالعہ کیا جائے، اس کے اندر اتر کر اس کی تہوں اور گہرائیوں کو دیکھا جائے، اس کے مشاہدات اکھٹا کئے جائیں، اور پھر امت کے سامنے انہیں پیش کیا جائے، اس طرح سیرت النبی کی سات جلدیں ہی نہیں سیکڑوں جلدیں تیار ہوجائیں گی، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب سے اس دنیا میں بحیثیت نبی ورسول کے برپا فرما گئے، اس وقت سے انسانوں کی نگاہیں آپ کو دیکھ رہی ہیں۔ انسانی ذہن آپ کے بارے میں سوچ رہے ہیں، انسانی دل آپ کی طرف کھنچ رہے ہیں، اور آپ سے منور ہورہے ہیں، انسانی لائبریریاں اور کتب خانے آپ کے اوصاف اور محامد کی کتابوں سے بھرتے چلے جارہے ہیں، ہزار ہا ہزار ہا کتابیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر لکھی گئی ہیں لیکن کوئی مصنف یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس نے سیرت کا احاطہ کرلیا ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ کوئی بھی علامۂ وقت سیرت کے کسی ایک گوشے کا احاطہ کرنے کا دعویٰ بھی نہیں کرسکتا۔

میرے بزرگو! دس سال کے عرصے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کچھ کیا، اور اسلام کمال کے مرحلوں تک کس طرح پہنچا، راستہ کی منزلیں اس نے کس طرح طے کیں، عروج کی طرف اس کے قدم کیسے بڑھے؟ یہ وہ موضوعات ہیں جن کو نہایت ہی اختصار کے ساتھ آج کے خطبہ میں پیش کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

سفر ہجرت میں کیفیت یقین:

خواتین وحضرات! کل کے خطبہ میں، میں نے سراقہ بن مالک بن جعشم کے واقعہ پر بات ختم کی تھی، جس سے دوران ہجرت نبوی بعض معجزات کے ظہور کا پتہ چلتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی وقت معلوم تھا کہ یہ دین برحق دنیا کی عظیم سلطنتوں پر غالب آئیگا، مملکت فارس مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوگی، اور ایرانی شہنشاہیت کے اموال غنیمت مدینہ منورہ میں لاکر ڈھیر کردیئے جائیں گے، اس یقین واذعان کے ساتھ بے سروسامانی کے عالم میں ہجرت کا سفر ہورہا تھا۔

سفر ہجرت کے بعض واقعات :

اس سفر ہجرت کے دوران، راستہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات بریدہ بن حصیب الاسلمی سے اپنی قوم کے ایک قافلہ کے ساتھ ہوئی، داعی اسلام نے ان کو مخاطب فرمایا، حلقہ اسلام میں وہ داخل ہوگئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے، وہ اس سفر میں مسلمان ہوئے، اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۱۶ رغزوات میں شریک ہوئے، پورا قبیلۂ اسلم ان کے ہاتھوں پر مسلمان ہوا، اس راستہ میں قبیلہ اسلم کے دو مشہور چور بھی ملے، نبی رحمت نے ان کو بھی دین کی دعوت دی، وہ بھی مشرف بہ اسلام ہوگئے، اور اپنے تمام اعمال بد سے انہیں توبہ نصیب ہوئی، اس سفر میں زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبید اللہ سے شام سے آتے ہوئے راستہ میں ملاقات ہوئی، انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق کو نئے کپڑے بطور تحفہ پیش کئے۔

حضور ﷺ قباء کی بستی میں :

بہر حال یہ مبارک قافلہ مدینہ منورہ کی طرف رواں دواں تھا، لوگوں کو خبر مل گئی تھی کہ قافلہ جنوبی علاقہ سے قباء کی طرف سے داخل ہوگا، اور جب سے یہ اطلاع اہل مدینہ کو ملی تھی کہ حضور پرنور تشریف لا رہے ہیں تو سارا کا سارا مدینہ فرش راہ تھا، کیا بچے! کیا بوڑھے! کیا عورتیں! کون تھا جو حضور کا متمنی نہ ہو، کون تھا جس کے دل میں شوق موجزن نہ ہو، ہر شخص چاہتا تھا کہ آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کرے، لوگ دو تین دن سے روزانہ نکلتے تھے اور قباء کی بستی کے کنارے کھڑے دیر تک راہ تکتے رہتے تھے، سب ہی سراپا انتظار اور سراپا اشتیاق تھے، کہ کب یہ قافلۂ نور آئے گا، اور انتظار کرتے کرتے تھک کر واپس چلے جاتے تھے، ایک دن کی بات ہے ایک یہودی نے اپنے قلعے پر سے لوگوں کو پکارا۔ لوگو! جس کا تم انتظار کر رہے تھے وہ تشریف لا رہے ہیں اس نے آنے والوں کو دور سے دیکھا اس طرف سے آنے والے متوقع لوگ وہی تھے، بس یہ اعلان کرنا تھا کہ لوگ ہتھیاروں سے سج دھج کر لپک پڑے، بچے اور بچیاں سب دوڑتے ہوئے قبا کی بستی کے سامنے میدان میں استقبال کے لئے کھڑے ہوگئے، جیسے ہی نگاہوں نے آپ کا دیدار کیا، دل خوشیوں سے اچھل پڑے، بہار آ گئی، بچے بچیاں یوں نغمہ سرا اور زمزمہ خواں ہوئے ؎

طلع البدر علينا
من ثنيات الوداع
وجب الشكر علينا
ما دعا لله داع
أيها المبعوث فينا
جئت بالأمر المطاع

''ثنیۃ الوداع'' کی طرف سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا، اب تو ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے، جب تک اللہ کی صدا لگتی رہے، اے وہ ذات گرامی جن کی ہمارے درمیان بعثت ہوئی ہے، آپ کی ہر بات مانی جائیگی''۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی پر گایا گیا تھا۔ یہ گیت لوگوں کی اور بچوں اور بچیوں کی زبانوں پر تھا اور آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے، اور دل تیز دھڑک رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پر جوش استقبال کرتے ہوئے آپ کو قبا کی بستی میں لایا گیا، تاریخ ۱۲؍ربیع الاول تھی، دن شنبہ کا تھا نبوی سن ۱۳؍تھا، عیسوی تاریخ ۲۲؍ستمبر کی تھی، اور سال ۶۲۲ عیسوی کا تھا۔

قباء میں قیام :

کلثوم بن الھدم کے مکان پر قیام فرمایا، تین دن کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی امانتیں لوگوں کو واپس کر کے قباء پہونچے، اور حضرت کلثوم کے گھر پر ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قیام کیا، دوشنبہ سے جمعہ تک چار روز قباء میں قیام رہا، اصلاحی وتربیتی مجالس سے ہر شخص بقدر ظرف مستفید ہوتا رہا، اسی دوران اس بستی میں مسجد کا نظم کیا گیا۔

مدینہ میں داخلہ اور قیام کا الہامی فیصلہ :

اس چار روزہ قیام کے بعد اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ جانا تھا، تقریباً تین میل کے

فاصلے پر، مدینہ منورہ کی بستی پڑتی تھی، جمعہ کے دن ۱۶ ؍ربیع الاول کو آپ قبا سے باہر نکلے، اونٹنی پر سوار تھے، راستے میں بنوسالم بن عوف کا محلہ پڑتا تھا، وہاں آپ اس وقت پہونچے جب کہ جمعہ کی نماز کا وقت آ گیا، جمعہ کی نماز بنوسالم بن عوف کے محلہ کی مسجد میں پڑھی، یہ حضور ﷺ کی امامت میں پہلا جمعہ تھا، جمعہ کی نماز کے بعد بنوسالم بن عوف کے محلے سے آپ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے، جیسے ہی آپ کا شہر مدینہ میں داخلہ ہوا لوگ گھروں سے نکل نکل کر فرش راہ ہوئے جاتے تھے، اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتے تھے، کہ حضور ہمارے ہاں تشریف فرما ہوں، اور آپ فرمار ہے تھے ''**خلوها فإنها مأمورة**'' اونٹنی کو چھوڑ دو اس کو اللہ کی طرف سے حکم ہے جہاں وہ خود سے بیٹھے گی، وہیں میری قیام گاہ ہوگی، اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور تھی، وہ بحکم خداوندی چلتی چلی جارہی تھی یہاں تک کہ وہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے جا کر خود سے بیٹھ گئی، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بنونجار قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، جسکا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نانیہالی رشتہ تھا، اللہ نے خود ہی حضور کے لئے نانیہالی رشتے کے ایک ممتاز فردِ خاندان ابوایوب انصاری کے مکان کا انتخاب فرمایا، اونٹنی وہاں بیٹھ گئی اور ابوایوب انصاری کی قسمت جاگ گئی، گھر کے سارے لوگ خوشی ومسرت سے جھوم گئے، سامان اٹھا اٹھا کر اوپر کی منزل پر لے گئے کہ اب آپ سکون سے اوپر تشریف فرما ہوں، لیکن آپ نے فیصلہ فرمایا کہ نیچے رہیں تا کہ لوگوں کو ملنے ملانے میں سہولت ہو۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مکان :

حضرات! یہ مکان ابھی چند سالوں تک موجود تھا، میری آنکھوں کو اسکی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ ۱۹۸۰ء کے بعد نئی توسیع میں یہ مکان بھی قبلہ رخ وسیع فرش کی نذر ہوگیا، اور تمام پرانے محلے معدوم ہوگئے، مدینہ منورہ کے عام مکانات کی طرح یہ مکان بھی کچا تھا، چھتیں بھی مٹی کی ہوتی تھیں، ابوایوب انصاری مکان کے اوپری حصہ میں تھے، ایک دن اچانک گھڑا ٹوٹ گیا پانی بہہ کر چھت پر پھیل گیا ابوایوب سخت پریشان ہوئے کہ پانی ٹپک کر کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یا آپ کے بستر پر نہ پڑ جائے فوراً اپنا لحاف پانی پر ڈال دیا، تا کہ چھت سوکھ جائے، لحاف خراب ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔

مرکز اسلام کا قیام :

بہر حال قیام کے بعد حضور ﷺ کو سب سے پہلے اسکی فکر تھی کہ مسلمانوں کا ایک مرکز بصورت مسجد قائم ہو جائے، اور وہ آپ کی قیام گاہ سے بالکل قریب ہو، تاکہ ہر وقت دیکھ ریکھ، انتظام ونگرانی ہو سکے، حضرت ابوایوب الانصاری کے مکان سے چند قدم کے فاصلہ پر بجانب شمال ایک وسیع کھلیان تھا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دو یتیم لڑکوں کی ملکیت ہے، آپ نے محسوس فرمایا کہ ان نوجوانوں کی مدد ہو جائیگی، اور مسلمانوں کا کام بن جائیگا، اس لئے اس کو خرید لیا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لڑکوں کو طلب فرمایا، ان کی آمد پر ان سے فرمایا، کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ میدان خرید لوں، اور مسجد کی تعمیر کروں، تو کیا تم لوگ اس پر راضی ہو، دونوں نے نہایت ادب، محبت اور عقیدت سے کہا، کہ حضور ہماری تو عین تمنا ہے کہ آپ اسے قبول فرمالیں یہ ہماری طرف سے بطور ہدیہ ہے، فرمایا کہ نہیں میں اس کی قیمت دونگا، اور باصرار اس کی اچھی قیمت عطا فرمائی، کچھ پرانے زمانہ کی قبریں وہاں موجود تھیں، ان کو دوسری جگہ عام قبرستان میں منتقل کرا دیا گیا، مسجد کی حد بندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عظیم معمارانہ ذہن کے نتیجہ میں اس طرح فرمائی کہ عرض اسکا سوفٹ رکھا اور طول بھی سوفٹ، یعنی تقریباً دس ہزار اسکوائر فٹ جگہ کو گھیرا گیا، قبلہ شمالی جانب بیت المقدس کی طرف تھا، کیونکہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم ۲ ھ میں ماہ رجب کی ۱۵/ تاریخ کو آیا تھا، جنوبی حصہ میں ایک چبوترہ سا مسقّف لوگوں کے ٹھہرنے کے لئے بنایا گیا، مسجد کی بنیادوں میں پتھر رکھے گئے، پتھر اور مٹی اور گارے سے سامنے اور دائیں بائیں کی دیواریں اٹھائی گئیں، ستونوں اور چھت کی دھنیاں کھجور کے تنوں کی تھیں، اور چھت پر مٹی اور اذخر کی گھاس اور کھجور کے پتے استعمال کئے گئے، چھت زیادہ بلند نہیں تھی، لمبا آدمی ہاتھ بلند کرتا تو چھت سے لگ جاتا، یہ سارا کام رضا کارانہ طور پر انجام دیا گیا، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعمیر کے کام میں شریک رہے، یہیں سے یہ سنت محمدی سامنے آئی کہ مسلمانوں کو اپنی بستی بسانے، کسی کالونی قائم کرنے کے عمل کا آغاز مسجد سے کرنا چاہیے، تاکہ پھر جو آبادی قائم ہوتی جائے وہ مرکز سے جڑتی جائے، مسجد، مرکز اسلام اور معہد ملت ہے۔ مسجد، قلب امت اور محور دین ہے، مسجد صرف پنجوقتہ نمازوں کے لئے ہی نہیں قائم کی جاتی، مسجد میں تمام مرکزی، دینی، ملی، تعلیمی، تربیتی،

اصلاحی سرگرمیاں ہوتی ہیں، مسجد ہی مسلمانوں کا دارالمشورہ یا مرکز شوریٰ ہے، وہی ان کا اصلاً دارالقضاء ہے، دارالافتاء ہے، وہی یونیورسٹی اور تعلیم گاہ ہے، وہی خانقاہ اور تربیت گاہ ہے، وہی رفاہی اور سماجی خدمات کا دفتر و سنٹر ہے۔

عبادت اور ملی کاموں کا ربط :

اس لئے مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد سب سے پہلے آپ کو یہ فکر ہوئی کہ مسجد کی تعمیر کی جائے، لوگوں کے دینی امور کے لئے جڑنے، ساتھ بیٹھنے، اور ان کی تربیت وفکر سازی کی کوئی جگہ ہونی چاہئے، اسکے لئے الگ سے کوئی آفس، الگ سے کوئی بلڈنگ بنانے کا کوئی تصور اسلام میں نہ تھا، سنت نبوی نے یہی مثال چھوڑی کہ مسجد اور اس کے ملحقات کو ہی ان کاموں کے لئے استعمال کیا جائے، تاکہ وقت عبادت، عبادت کے عمل میں نہ کوئی رکاوٹ ہو، نہ تعلیم وتربیت کے کام میں کوئی دشواری پیش آئے، عبادات، اخلاق، تعلقات، معاشرت ومعاملات اور ان سب کے لئے تعلیم وتربیت باہم ایک دوسرے سے پیوست رہیں، ان میں کوئی تفریق نہ ہونے پائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی معمار :

مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مستری اور مزدور بنے اس مسجد کی تعمیر میں شریک ہیں، یہ ایک رضا کارانہ عمل ہے، جس میں قائد ورہبر پیش پیش ہے، اور پیروؤں کو کہنا پڑ رہا ہے۔

لئن قعدنا والنبی یعمل

لذاك منا العمل المضلل

اگر نبی کام کریں اور ہم بیٹھے رہیں، یہ بڑا گمراہ کن عمل ہوگا۔

مجاہدین وانصار شوق وذوق سے فوجی اسپرٹ کے ساتھ کام میں شریک ہیں، اور تھوڑے سے وقفہ میں وسیع وعریض مسجد ۱۰۰ رفٹ عرض اور ۱۰۰ رفٹ طول کے ساتھ تیار ہوجاتی ہے، بنیادیں اینٹوں پر اٹھائی جاتی ہیں، پھر مٹی کی دیواریں اٹھائی جاتی ہیں، اور کھجور کے تنوں کے ستونوں پر کھجور کی دھنیوں،

پتوں اور اذخر گھاس سے چھت تیار کی جاتی ہے۔

مسجد سے متصل مکانات :

کہا جاتا ہے کہ چھت کی اونچائی دس فٹ کی تھی، مسجد سے مشرق کے رخ پر ایک چھوٹا سا مکان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے اور اسی کے پڑوس میں ایک اور مکان حضرت سودہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے لئے بنایا گیا، ایک چھوٹا سا کمرہ، ایک معمولی سا دالان، ایک چھوٹا سا آنگن، بس یہ کل کائنات تھی اس مکان کی، اس میں آپ نے ازواج مطہرات میں سے ان دو کے لئے جن سے رشتہ ازدواج قائم ہو چکا تھا رہائش گاہ بنوائی تھی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت سودہ سے آپ کی شادی ہوئی تھی، اور حضرت عائشہ بھی اسکے بعد نکاح میں آئی تھیں، بس ان ہی دونوں کے لئے حجرے بنائے گئے، پھر جوں جوں دیگر ازواج مطہرات حرم میں آتی گئیں، ان کیلئے ارد گرد ایسے ہی کمرے تعمیر کر دیئے گئے۔

مدینہ منورہ کا دفاعی حصار :

مدینہ منورہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے قلعہ بند فرمایا تھا، جغرافیائی اعتبار سے جس کو بہت ہی محفوظ بنایا گیا اس کے دو طرف یعنی مشرق اور مغرب کے رخ پر ''حَرّے'' ہیں حرہ اس زمین کو کہتے ہیں جو پتھریلی کنکریلی اور نکیلی ہوتی ہے اس پر چلنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے اس پر سے کوئی فوج کشی نہیں ہوسکتی، آج بھی وہ حرّے موجود ہیں، شہر کے دو طرف حرے ہیں، اور ایک طرف یعنی جنوب میں نخلستان ہے، کھجور کے درختوں کے گھنے باغات کا سلسلہ ہے، ادھر سے بھی منظم فوج کشی نہیں ہوسکتی وہ بھی ایک طرح کی دیوار ہے، جو مدینہ منورہ کو قلعہ کی جانبِ جنوب سے گھیر دیتی ہے، بس شمال کے رخ پر جدھر ''سلع'' نامی پہاڑ ہے ادھر کھلا ہوا حصہ ہے، ادھر ہی سے عام طور پر مسافر آتے ہیں، لشکر کشی بھی ہوتی رہی ہے۔

مدینہ منورہ کو دار الہجرت بننا تھا، اسلام کی پیش قدمی کیلئے اب جس مرحلہ سے گزرنا تھا، اس کے لئے ایسا ہی قلعہ بند علاقہ درکار تھا، سو اللہ تعالیٰ نے اس کا نظم فرمادیا۔

CCCCCCCCCCCC

مدنی دور کے چار مرحلے:

مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دس سال گزرے لیکن حیات طیبہ کے تین مرحلوں کی ترتیب عجیب رہی، قبل نبوت کے چالیس سال کا مواد سب سے کم ہے، بعد از نبوت مکی زندگی کے ۱۳/سال کا مواد مدنی زندگی کے دس سال کے مقابلہ میں بہت کم ہے، دس سال کا یہ مرحلہ جوں جوں آگے بڑھتا گیا، اسکا دائرہ نہایت وسیع ہوتا گیا، اور مواد سیرت پھیلتا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کی طرح مدنی زندگی کو بھی چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ مدینہ منورہ کے تمدنی انتظامات اور ریاستی استحکام کا مرحلہ۔

۲۔ سیاسی انتظامات، عسکری کارروائیوں اور بین القبائلی تعلقات کا مرحلہ۔

۳۔ بین الاقوامی تعلقات، اور بیرونی دعوتی، تحریکی، اور عسکری سرگرمیوں کا مرحلہ۔

۴۔ فتوحات کا دور اور نظام اسلام اور شریعت الٰہیہ کی تکمیل کا مرحلہ۔

ان چار مراحل یا ادوار پر عہد مدنی کی تقسیم ہوسکتی ہے۔

پہلا مرحلہ تقریباً چھ ماہ پر مشتمل ہے، جو ۱۲/ربیع الاول ۱ سنہ ھ سے شروع ہوتا ہے، اور شعبان ۱ سنہ ھ میں مکمل ہوجاتا ہے۔

دوسرا مرحلہ رمضان ۱ سنہ ھ سے شروع ہوتا ہے اور ذی القعدۃ ۶ سنہ ھ پر ختم ہوتا ہے۔

تیسرا مرحلہ محرم ۶ سنہ ھ سے شروع ہوکر رمضان ۸ سنہ ھ میں چوتھے مرحلہ میں داخل کردیتا ہے۔

چوتھا مرحلہ فتح مکہ رمضان ۸ سنہ ھ سے شروع ہوکر ۹/ذی الحجۃ ۱۰ سنہ ھ میں پایۂ تکمیل کو پہونچتا ہے۔

اس کے بعد سفر آخرت اور نظام خلافت کے انتظامات شروع ہوجاتے ہیں۔

CCCCCCCCCCCC

کلثوم بن الھدم کا مکان:

مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ جنوبی حصہ سے ہوا تھا، قباء کی بستی مدینہ منورہ

کے جانب جنوب میں واقع ہے، اسکی حیثیت اس وقت مدینہ منورہ کے مضافاتی گاؤں کی تھی، وہاں آپ کا قیام کلثوم بن الھدم کے مکان پر ہوا تھا، ان کے تعلق ومحبت کے علاوہ مکان کا محل وقوع اور وسعت بھی وجہ ترجیح تھی، وہاں سے روانگی جمعہ ۱۶-۱۷ ربیع الاول یا ۲۶ ربیع الاول کو ہوئی تھی، راستہ میں بنوسالم بن عمرو بن عوف کے محلہ کی مسجد میں آپ نے جمعہ کی نماز پڑھائی، حاضرینِ نماز ۱۰۰ کی تعداد میں تھے۔

حضرت ابوایوبؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رشتہ داری :

مدینہ منورہ میں داخلہ ہورہا تھا، تو ہر محلہ کے لوگوں اور خاص طور پر قبائلی اور خاندانی سرداروں کا پرجوش مطالبہ تھا کہ ان کے محلہ میں قیام فرمائیں، لیکن آپ کے دل کی خواہش یہ تھی کہ اپنے دادھیال، پردادا جناب ہاشم کی سسرال، اور اپنی ننھیال بنوالنجار کے ہاں ٹھہرنا ہو، اس میں صلہ رحمی کے ساتھ بے تکلفی زیادہ رہیگی، فرمایا گیا کہ اونٹنی مامور ہے، جہاں ازخود بیٹھ جائیگی، وہاں ہی قیام ہوگا، بنی النجار کے مخیر، نہایت ہی صالح، اور پرجوش مسلمان جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مکان کا اونٹنی نے انتخاب کیا، مکان کے سامنے اس جگہ پر جہاں مسجد بننا مقدر تھی، وہ بیٹھ گئی، حضرت ابوایوبؓ کی قسمت جاگ گئی۔ خوشی سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

CCCCCCCCCCCC

مدینہ منورہ کی آبادی :

مدینہ منورہ کی جغرافیائی صورتحال کچھ اس طرح تھی کہ آبادی کا کچھ حصہ شمالی جانب سلع پہاڑی کی طرف رہتا تھا، اور مشرقی اور مغربی جانب بھی آبادی ''حرّات'' کے قریب تک پھیلی تھی۔ اصل آبادی حضرت ابوایوب کے مکان کے جنوبی جانب، سامنے کے ایک بڑے میدان کو چھوڑ کر جسے آگے چل کر مسجد نبوی بننا تھا، چاروں طرف پھیلی ہوئی ہوئی تھی۔ خاص طور پر جنوبی علاقہ کیونکہ بہت سرسبز تھا، اور کھجور کے گھنے باغات سب ادھر ہی تھے، اسلئے ایک بڑی بستی ''عوالی'' جنوبی بالائی علاقہ میں آباد تھی۔

مدینہ منورہ کے قبائل :

مدینہ منورہ کے اصل باشندے قبیلہ خزرج اور قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے، جو صدیوں سے

مدینہ منورہ (عہد نبوی میں)

اس شہر میں آباد تھے، بعض تاریخی کتابوں اور کتب انساب کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلا یہ قبائل یمن کے تھے، اور سدم اُرب (م اُرب ڈیم) ٹوٹنے کے بعد یہاں بسے تھے۔

مدینہ میں یہودی قبیلے اور منافقین :

ایک اقلیت یہودیوں کی بھی یمن کے سیلاب زدہ علاقے سے اور ایک تعداد عرب کے شمالی علاقوں سے آ کر یہاں بسی تھی، ان کے یہاں بسنے میں مذہبی محرکات خاص طور پر کام کررہے تھے، ان کی مذہبی کتابوں میں اس علاقہ میں آخری نبی کے ظہور اور غلبہ کی پیشین گوئیاں تھیں، اور وہ ''اس نبی'' کے انتظار میں بھی تھے، اور یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ انہیں کے خاندان کا ایک فرد ہوگا۔

یہودیوں میں نمایاں تین قبیلے تھے، جن میں ''بنوقینقاع'' کو زیادہ اہمیت حاصل تھی، وہ صنعت کار اور تاجر تھے، قبیلہ خزرج کے ساتھ ان کے مراسم بہت پرانے اور مستحکم تھے، اسی لئے وہ مدینہ منورہ کے درمیانی علاقہ میں بسے تھے، ان کا سونا بازار، شہر کے بیچ میں تھا، لوہے اور اسکے ساز وسامان کا مارکیٹ بھی انہیں کے ہاتھ میں تھا، اور برآمد اور درآمد میں وہ پیش پیش تھے، ان کے تعلقات کا سماجی، ثقافتی، تہذیبی اثر تو تھا ہی، مذہبی اثرات کا بھی یہ نتیجہ تھا کہ خزرج اور اوس کے بہت سے لوگ یہودی ہوگئے تھے، وہی ''الذین ھادوا'' (جو یہودی ہوگئے) کی فہرست میں آتے ہیں، ان کی صحبت سے ایک طبقہ کا، بالخصوص قبیلۂ خزرج کے ایک طبقہ کا ذہن سازشی بن چکا تھا، انہیں تعلقات نے عرب قبائل کے دلوں میں نفاق کے بیج بوئے، جس کی سرداری، مدینہ کی قیادت کے حصول کی تمناؤں، اور اسکی تیاریوں اور تکمیل کے مرحلہ کی توقعات میں عبداللہ بن ابیّ کے سر آئی، اور منافقین کا ایک ٹولہ وجود میں آیا، جو مسلمانوں کے بیچ میں آپس کی رشتہ داریوں، محلہ کی مشترک سکونت وغیرہ کی وجہ سے بہت دخیل ہوگیا، اور اس سے جان چھڑانا مشکل ہوگیا۔

مدینہ منورہ کے جنوبی علاقے میں یہودیوں کے قبیلے بنوقریظہ اور بنونضیر رہتے تھے، جو اپنے کھیتوں اور باغات کے آس پاس آباد تھے، اور علاقہ کے جاگیردار اور ''وڈیرے'' تھے، انہوں نے اپنی گڑھیاں اور قلعہ نما مکانات اور احاطے بنا رکھے تھے۔

آبادی کا یہ عنصر طویل عرصہ سے سیاسی کھیل، کھیل رہا تھا۔ اوس وخزرج کو لڑانا، اوران کے ساتھ کسی کے حق میں اور کس کے خلاف پارٹ ادا کرنا، ایک طرف اگران کا وطیرہ تھا، تو دوسری طرف سودی کاروبار کے جال اورسودی قرضوں کے پھندوں میں پھنسانے کی قدیم مہارت کی وجہ سے انہوں نے ''مہاجنی'' کا کمال دکھا رکھا تھا، اور معاشرہ کوسود کی بیڑیاں پہنا رکھی تھیں، علمی، ثقافتی، اورتہذیبی اعتبار سے اپنی برتری اور بالاتری کی دھونس الگ تھی، حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ قبائل مسلمان نہ ہوتے اور مدینہ منورہ اسلام کا مرکز نہ بنتا تو شاید یہودی گھن ان کو چاٹ جاتا۔

CCCCCCCCCCCC

پختہ معاہدہ کے بعد ہجرت کا عمل:

حضور اکرم ﷺ کی ملاقات اہل مدینہ سے ہجرت سے تین سال پہلے ہوچکی تھی، اور آپ نے اپنے نمائندے بھیج کر، اور مدینہ منورہ کے نمائندوں سے گفتگو کر کے حالات کا اندازہ خوب کرلیا تھا، آپ اس وقت تک وہاں منتقل نہ ہوئے جب تک مدینہ کی اکثر آبادی نے اسلام قبول نہ کرلیا، اورقبائل کے نمائندوں نے مکمل حمایت اور نصرت کا عہد و پیمان نہیں کرلیا، عربوں کا معاشرہ کیونکہ قبائلی معاشرہ تھا، جس میں ''أنصر أخاك ظالما أو مظلوما'' اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے ظالم ہو یا مظلوم، کا اصول چلتا تھا۔

لا يطلبون اخاهم حين يندبهم
فی النائبات على ما قال برهانا

''کسی مصیبت اورآڑے وقت بھائی اگر پکارے تو وہ اس تحقیق میں نہیں پڑتے تھے، کہ معاملہ کیا ہے، اورکون حق پر ہے، حق بس قبائلی تعلق ہے''۔

CCCCCCCCCCCC

قبائلی حمیت کی جگہ ایمانی اخوت :

مکہ مکرمہ کی سرزمین پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبائلی حمیت اور تعلق کی جگہ ایک نئی اخوت

وتعلق کی مضبوط بنیاد ڈال دی تھی، جس میں بلال حبشی، صہیب رومی، اور دیگر باہر کے اور کمزور طبقات کے افراد بڑے خاندانوں کے سرداروں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، اور اخوت ایمانی کے رشتہ میں منسلک تھے، اور اس کا بے انتہا احترام اور قدر کرتے تھے، آپ نے مکہ مکرمہ میں دو دو افراد کے درمیان اخوت ایمانی کا خصوصی رشتہ بھی قائم فرمادیا تھا، لیکن مدینہ منورہ میں اسکی ضرورت شدید تھی، کہ باہر کے قبائل کے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ کے مسلمانوں کا تعلق ایسا قائم ہوجائے جو قبائلی تعلق کی جگہ لے لے، اس سے دینی نصرت و محبت کے ساتھ، سماجی تعاون، اور معاشی امداد بھی مقصود تھی، جو لوگ بھی ہجرت کر کے آئے تھے، یا آرہے تھے، وہ سب کچھ چھوڑ کر آرہے تھے، اور وہ دوسروں کے دست نگر بن کر رہنا بھی نہیں چاہتے تھے، اہل مدینہ سے وقتی اور محدود تعاون مطلوب تھا، جس کے لئے ایک مہاجر کو ایک مدنی کے ساتھ جوڑ دیا گیا، لیکن اہل مدینہ نے اپنی وسیع الظرفی، حوصلہ مندی اور جود وسخا اور ضیافت کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ تاریخ انسانی اس حسین ودلکش منظر، اور ان نفیس ولطیف جذبات کو دیکھتی اور مبہوت ہوتی رہ گئی، واقعہ یہ ہے کہ وہ اس وصف قرآنی :

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورۃ الحشر : ۹)	وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو گھر بار چھوڑ کر ان کے ہاں آتے ہیں، اور جو کچھ انہیں ملے وہ اپنے دلوں میں اس کے بارے میں ذرا احساس نہیں کرتے اور باوجود اپنی تنگی اور فاقہ کشی کے ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

کی مجسم تصویر بن گئے۔

نظام مواخات کی ایک جھلک :

اس متبرک رشتے میں کون کس کا بھائی بنا، ذیل کی فہرست سے اسکا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے :

مہاجرین	انصار	قبیلہ
۱۔حضرت ابوبکرؓ بن ابی قحافہ	حضرت خارجہؓ بن زید	حارث بن خزرج
۲۔حضرت عمرؓ بن الخطاب	حضرت عتبانؓ بن مالک	حارث بن خزرج
۳۔حضرت عثمانؓ بن عفان	حضرت اوسؓ بن ثابت	بنو نجار
۴۔حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح	حضرت سعدؓ بن معاذ	بنی عبدالاشہل
۵۔حضرت زبیر بن عوام	حضرت سلامۃ بن وقش	بنی عبدالاشہل
۶۔حضرت مصعبؓ بن عمیر	حضرت ابوایوبؓ انصاری	بنی نجار
۷۔حضرت عمارؓ بن یاسر	حضرت حذیفہؓ بن یمان	بنی عبدالاشہل
۸۔حضرت سلمانؓ فارسی	حضرت ابودرداءؓ	بنی عویمر بن ثعلبہ
۹۔حضرت بلال حبشیؓ	حضرت ابورواحہؓ	بنی عویمر بن ثعلبہ
۱۰۔حضرت سعیدؓ بن زید	حضرت ابیؓ بن کعب	بنی نجار
۱۱۔حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف	حضرت سعدؓ بن ربیع	حارث بن خزرج
۱۲۔حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ	حضرت کعبؓ بن مالک	بنی سلمہ
۱۳۔حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ	حضرت عویمؓ بن ساعدہ	بنی عمرو بن عوف

مہاجرین کا ابتدائی قیام، مواخات کا نظام، مسجد کی تعمیر، یہ سب وہ بنیادی انتظامات تھے، جن سے اپنی صفوں کو مضبوط کرنا، اور ابتدائی معاشی ضروریات کی کفالت، اور سماج کا استحکام مقصود تھا۔

دستور کی ضرورت :

اس کے بعد سیاسی استحکام، اور تمدنی نظم کی تکمیل کے لئے، مدینہ منورہ اور اسکے مضافات کو ایک ریاستی شکل دیتے ہوئے، ایک دستوری معاہدہ کی ضرورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمائی، جس کا اعلان عام ہو، اور پوری آبادی اس کی پابند ہو، اس طرح ایک اقلیت کے ایک اکثریت کے

بیچ میں صرف بس جانے کا مسئلہ نہیں رہا، بلکہ مسلم اکثریت کی مشترک دینی، تمدنی اور سیاسی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اقلیتوں کے تحفظ اور شرکت کا نظام بنایا گیا۔

دستور مدینہ کی بنیادی دفعات :

انسانی تہذیبوں اور سماجوں کی تاریخ میں یہ پہلا دستور تھا، جو عادلانہ جمہوری بنیادوں پر قائم کیا گیا، اور اس میں بین المذاہب تعلقات، اور مشترک آبادی کے نظمِ حکومت اور تمدنی حقوق کا خاکہ کو پیش کیا گیا۔

دستور مدینہ منورہ کی اہم دفعات حسب ذیل تھیں۔

''دستور مملکت مدینہ'' میں کل ۴۷/دفعات تھیں۔ڈاکٹر حمید اللہ حیدرابادیؒ کا خیال ہے کہ اس دستور کی دفعات ۱-تا۲۳ حضورؐ کے مدینہ آنے کے بعد چند مہینوں کے اندر اندر مرتب ہوئیں، کیونکہ ان کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حصہ ''دستور العمل مہاجرین وانصار'' ہے۔دفعات ۲۴/تا ۴۷/کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ''دستور العمل برائے یہود'' ہے اور یہ ۲ھ ہجری میں غزوہ بدر کے بعد مرتب ہوا ہوگا جب کہ مسلمانوں کی دھاک قریش اور یہود پر بیٹھ گئی، امام ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' میں بھی یہی تحریر فرمایا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد پہلی دفعہ ''یوں'' ہے ''یہ ایک حکم نامہ ہے نبی اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا، قریش اور اہل یثرب میں سے ان سب کے لئے جو ایمان اور اسلام لانے والے ہیں اور ان کے مابین جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں''۔

دوسرا فقرہ یہ ہے ''تمام (دنیا کے) لوگوں کے بالمقابل ان کی ایک علیحدہ سیاسی وحدت ہوگی''۔

تیسرا فقرہ اس طرح ہے ''قریش سے ہجرت کر کے آنے والے اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور اپنا خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور اپنے ہاں کے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائیں گے تاکہ ان کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو''۔

فقرات ۳/تا۱۴/میں قریش سے ہجرت کر کے آنے والے کی جگہ مدینہ میں بسنے والے قبائل

کے نام ''بنی عوف، بنی الحارث بن خزرج، بنی ساعدہ، بنی عمرو بن عوف، بنی نبیت اور بنی اوس'' کا نام الگ الگ لے کر باقی حصہ دہرایا گیا ہے، آخری فقرہ ۲۳/ میں فرمایا گیا ہے۔ ''اور یہ کہ جب کبھی تم میں سے کسی چیز کے متعلق اختلاف ہوتو اسے اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا جائیگا''۔

فقرہ ۱/ اور ۲۳/ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے منبع اقتدار ہونے کا اعلان کیا گیا۔ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول حضرت محمد مصطفیؐ کی اطاعت کا اقرار اور آخری فیصلہ ان ہی کا تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کے عملی نفاذ کے لئے مدینہ کی قبیلہ و محلہ وار تقسیم عمل میں آئی، جس کا میر محلہ ''نقیب'' نائبان محلہ ''عریف'' اور اجتماع گاہ ''سقیفہ'' کہلاتے تھے۔ یہ محلہ وار تنظیمیں خود مختار اور خود کفیل تھیں۔

اس میں یہودیوں کا ذکر اس طرح آیا ہے کہ :

''اور یہ کہ یہودیوں میں سے جو ہمارے نظام کے تابع ہوگا، اسے مدد اور مساوات حاصل ہوگی، نہ ان پر ظلم کیا جائیگا اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائیگی''۔

اس بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ کا خیال ہے کہ ''انصار کے بعض لوگ یہودیت قبول کر چکے تھے۔ خاص کر بعض بچوں کے والدین منت مان کر اپنے بچوں کو یہودی بنا دیتے تھے''۔ یہ دفعہ خاص طور پر ان کے حقوق کے بارے میں تھی۔

دستور کا دوسرا حصہ یہود سے تعلقات اور حقوق و فرائض پر مبنی ہے۔ اس میں اس کی صراحت ہے کہ یہودی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کرنے اور ہر اختلاف میں آپؐ کے فیصلے کو آخری تسلیم کرنے کے پابند ہیں۔ اس دفعہ کے الفاظ ہیں ''اور یہ کہ اس دستور کے فریقین میں جب کوئی جھگڑا رونما ہو جس سے فساد کا ڈر ہو تو اُسے اللہ اور اس کے رسول محمدؐ سے رجوع کیا جائیگا اور اللہ اس شخص کے ساتھ ہے جو اس دستور کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور زیادہ سے زیادہ وفاداری کے ساتھ تعمیل کرے''۔

اس دستاویز میں ایک جگہ لفظ ''دین'' بھی آیا ہے، جو اپنے اندر ''مذہب اور حکومت'' کا مفہوم رکھتا ہے، یہودیوں سے شہر مدینہ کو ''حرم'' (جو بیس محلوں پر مشتمل چھوٹی سے بستی تھی) منوالینا بھی ایک سیاسی

کارنامہ ہے۔ایک لچک داراور قابل عمل دستور کے تحت وفاقی نظام میں مسلمانوں،مشرکوں اور یہودیوں کو مدینہ کا محافظ بنادینا ایک معجزہ سے کم نہیں تھا۔

اس آئین میں فقرات نمبر ۱-۳۹ اور ۴۴ر میں تین جگہ ''یثرب'' استعمال کیا گیا ہے۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ''مدینہ'' نام میثاق کے بعد رائج ہوا۔امام مالکؒ کی موطا میں ارشاد نبویؐ ہے کہ اب اس شہر کو یثرب نہ کہا جائے۔امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص ایک دفعہ یثرب کہے اس کولازم ہے کہ اس کی تلافی وتدارک کے لئے دس بار لفظ مدینہ کہے۔

CCCCCCCCCCCC

خلافت الٰہی کے دستور کے مضمرات :

اس دستور نے اس کو واضح کر دیا کہ یہ حکومت ''خلافت الٰہی'' کے نظام کو برپا کر رہی ہے،شریعت اللہ کی،اوراسکی ترجمانی اور نفاذ کی ذمہ داری رسول اللہ کی ہے،اوراسی اساس پر بقیہ دفعات کا نفاذ منحصر ہے۔

دستور کی دفعات پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں تھی،حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ بلانے والے جانتے تھے کہ کس نظام کے تحت یہ ایمانی تحریک اٹھی ہے،ان کے سامنے کیا حالات آنے والے ہیں،اوروہ کن عظیم مقاصد کے لئے قانونی انتظامات اورتحفظات کی فکر کر رہے ہیں۔

یہودی اوران کے ساتھ خفیہ تعلقات رکھنے والے ''مسلمان'' یہ سمجھ رہے تھے کہ اب سیاست کی باگ ڈوران کے ہاتھ میں نہیں رہے گی،اوراب وہ سیاسی،سماجی اور معاشی کاروبار نہیں چل سکے گا،جس کے بل بوتہ پرانہوں نے اپنی دنیا چمکا رکھی تھی۔

دستور کے تحت انتظامات :

اعلان دستور کے ساتھ شہر کے تمدنی انتظامات،''نقباء'' کی ذمہ داریوں کا تعین، -جن کا کام میونسپلٹی کے منتظم سے لیکر سکریٹریٹ کا پورا نظم تھا- پولیس،فوج،گارڈز،سیاسی وانتظامی مشیر،انٹلی جنس،معلمین،ائمہ،مؤذنین،مشنریز،مبلغین،وغیرہ مختلف شعبوں کا نظم ونسق کیا گیا۔

ان تمام ابتدائی انتظامات میں جو ابھی صرف مدینہ منورہ اور مضافاتی علاقہ کیلئے تھے،اوریہیں

سے بحیثیت دارالخلافت اور مرکزی حکومت کے اس نظم کو پھیلتے چلے جانا تھا، اس میں تقریباً چھ مہینے لگ گئے۔
یہ پہلے مرحلہ کی کامیاب، مضبوط اور مستحکم کارروائی تھی، اور اسکی فوراً ضرورت تھی، کیونکہ مکہ مکرمہ کی قبائلی حکومت پہلے اس ہجرت کو روکنے یہاںتک کہ ''داعی اسلام'' کے قتل تک کا منصوبہ بنا چکی تھی۔ واقعہ ہجرت کے بعد انہوں نے ''زندہ یا مردہ'' کسی بھی حالت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے زبردست انعامات کے اعلانات کئے تھے، تو وہ چین سے کہاں بیٹھنے والے تھے۔

یہودی مزاج وکردار سے باخبری :

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کی سرشت سے مکی دور کے قرآن کی روشنی میں ہی اور اپنے سفر شام کے دوران خوب واقف تھے، آپ نے اپنی طرف سے دستور کے ذریعہ اور حسن اخلاق ومعاملات کی بنیاد پر حجت تمام کرتے ہوئے، کوئی کسر اس کوشش میں نہ چھوڑی کہ یہ اپنی عادات بد سے باز آ کر اچھے شہری بن کر رہیں، لیکن آپ جانتے تھے، اور آپ کی انٹلی جنس آپ کو مطلع بھی کرتی رہتی تھی، دوسری طرف وحی الٰہی کے اسباق حقائق کو روشنی میں لاتے رہتے تھے، کہ ان کے دل ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہیں، اور یہی حال ان کے دوستوں، یا نیم دل ظاہری مسلمانوں، اور منافقوں کا ہے جن کے مادی مفادات نے ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ رکھی تھیں، اور پھر ان کا حال یہ ہے :

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (سورۃ البقرۃ : ۱۸)	وہ بہرے، گونگے، اندھے، ہیں، اسی لئے وہ حق کی طرف پلٹتے نہیں۔

یا :

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا ؕ (سورۃ البقرۃ : ۲۰)	جب ان کے سامنے روشنی آتی ہے (یعنی مفادات آتے ہیں) تو چل پڑتے ہیں اور جب تاریکی چھاجاتی ہے (یعنی امتحان وآزمائش کا وقت آتا ہے) تو ٹھٹھک کر کھڑے رہ جاتے ہیں۔

یہودیوں کا حال یہ تھا :

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾
(سورۃ البقرۃ : ۸۹)

ترجمہ: وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح کی دعا کرتے تھے، پھر جب وہ آ گئے جن کو وہ جانتے تھے تو ان کا انکار کر بیٹھے، پس خدا کی لعنت ہے ان کافروں پر۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ
(آل عمران : ۷۲)

ترجمہ: ان کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ایمان والوں پر جو نازل ہوا ہے اسے دن میں مان لو، شام کو انکار کر دو، تاکہ یہ لوگ (اس دین) سے پلٹ آئیں۔

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ
(سورۃ البقرۃ : ۱۴۶)

ترجمہ: وہ ان کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، لیکن ان کا ایک گروہ جانتے بوجھتے حق کو چھپاتا ہے۔

قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ
(سورۃ البقرۃ : ۷۶)

ترجمہ: کہتے ہیں کہ ارے تم ان کو وہ باتیں بتا دیتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں کہ وہ تمہارے خلاف ان کو بطور دلیل استعمال کریں۔

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَآ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ (سورۃ البقرۃ : ۹۱)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو نازل کیا گیا اسکو مانو، تو کہتے ہیں کہ جو ہم پر اتارا گیا ہم اسکو ہی مانتے ہیں، وہ اسکے علاوہ کے منکر ہیں حالانکہ وہ حق ہے اور جو کچھ ان کے ساتھ ہے اس کی سچائی کو بیان کرتا ہے۔

عہد مدنی کا دوسرا مرحلہ :

مدینہ منورہ کی اس صورتحال میں آپ نے اندرونی انتظامات کے بعد دوسرے مرحلہ میں قدم رکھنا شروع کیا۔ حکم الٰہی :

اُذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصۡرِهِمۡ لَقَدِيۡرُ (سورۃ الحج : ۳۹)

ترجمہ: ''ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے جنگ کی جارہی ہے (کہ وہ جواب دیں) کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ تعالی ان کی نصرت پر قدرت رکھتا ہے۔

آ چکا تھا، اور یہ تیاریاں اسی کی تمہید تھیں، سورۂ بقرہ، ہجرت کے بعد ہی سے نازل ہونا شروع ہو چکی تھی، جو ایمان والوں کے خدوخال واضح کرتی، مشرکین کے بارے میں دوٹوک فیصلہ کرتی اور منافقین کی نشاندہی کررہی تھی، اور پھر بڑی تفصیل کے ساتھ دشمن اقلیت کے راز کھول رہی تھی، اور ان کی تاریخ کا کچا چٹھا سنا رہی تھی، اور اس '' گائے '' کو اس نے بطور عنوان اختیار کیا تھا، جو یہودیوں کی حیلہ سازی، بہانہ بازی، کام چوری، اور غیر دینی مزاج کی غماز ہے، پھر ان کی رات و دن کی سازشوں، منصوبوں، خفیہ تحریکات اور مشوروں کو طشت از بام کررہی تھی، اور اسی کے ساتھ کفر وشرک کے علمبرداروں سے نمٹنے کے لئے اہل ایمان کو تیار کررہی تھی۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا
(سورة البقرة : ۱۹۰)

ترجمہ: ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کر رہے ہیں، اور زیادتی مت کرنا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ
(سورة البقرة : ۲۱۷)

ترجمہ: وہ پوچھتے ہیں کہ ماہ محترم میں جنگ کا کیا حکم ہے، کہہ دیجئے کہ اس میں جنگ کرنا سنگین جرم ہے، اور اللہ کے راستہ سے روکنا اور اسکا انکار کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اسکے آباد کرنے والوں کو اس سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ سنگین ہے، اور فتنہ انگیزی قتل سے بھی زیادہ سخت و سنگین جرم ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ
(سورة البقرة : ۲۱٦)

ترجمہ: جنگ تم پر فرض کر دی گئی حالانکہ طبعاً وہ تم کو ناگوار ہے، ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو، اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بدتر ہو، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

اسی مقصد کے لئے اس سورہ پاک میں طالوت اور جالوت کا واقعہ سنایا جا رہا تھا، اور اس تاریخی اور مذہبی حقیقت کا اظہار کیا جا رہا تھا :

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (سورة البقرة : ۲۴۹)

ترجمہ: کتنی چھوٹی ٹکڑیاں بڑی فوجوں پر باذن الٰہی غالب آ چکی ہیں، اور اللہ تعالیٰ جمنے والوں کے ساتھ ہے۔

معرکہ حق و باطل اور خیر و شر کی دائمی ستیزہ کاری کا اصول بتایا جا رہا تھا :

وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ؕ (سورۃ الحج : ۴۰)

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ٹکراتا تو کتنی خانقاہیں، گرجا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں ڈھادی جاتیں، جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے۔

وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ۝۴۰ (سورۃ الحج : ۴۰)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ لازماً ان کی مدد کرتا ہے جو اسکے دین کی مدد کرتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ طاقت والا اور غالب ہے۔

اسباب کو اختیار کرنے اور طاقت کے ذرائع کو اپنانے کی طرف متوجہ کیا جا رہا تھا۔

وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ (سورۃ الحدید : ۲۵)

ترجمہ: اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑی طاقت ہے، اور لوگوں کے لئے بہت سے فائدے ہیں اور اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس کے (دین) کی مدد کرے گا۔

دوسرے مرحلہ کا لائحہ عمل :

اس دوسرے مرحلہ کے آغاز کیلئے ترتیب یہ بنائی گئی۔

۱۔ پہلے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے راستہ پر بالخصوص شام جانے والے چوراہے کے اردگرد آبادیوں سے رابطے قائم کئے جائیں، ان سے سیاسی معاہدات طے کئے جائیں۔ ان کو اپنے حلفاء میں شامل کیا جائے، یا غیر جانب دار رہنے پر آمادہ کیا جائے۔

۲۔ مکہ مکرمہ سے شام جانے والے قافلوں کا راستہ مخدوش کر دیا جائے، اور ان کی تجارتی ناکہ بندی کی جائے، جس سے معاشی طور پر دشمنوں کی کمر توڑی جا سکے۔

۳۔ مدینہ منورہ کی ریاست کی توسیع کی جائے، خاص طور پر اس کے شمالی اور جنوب مغربی علاقہ کے طرف تا کہ کفر کا دائرہ بتدریج تنگ ہوتا جائے، اور اسکے پیروں تلے سے زمین کھسکا دی جائے۔

۴۔ دعوتی مہم کو ہر چہار اطراف تیز کر دیا جائے، اور ان دعوتی جماعتوں کو حفاظتی اور دفاعی انتظامات کے ساتھ روانہ کیا جائے۔

یہ حکمت عملی، اسکیم، ترتیب، اور ابتدائی نظام العمل اس مرحلہ کے لئے وضع کیا گیا۔ اور اس کے لئے حسب ذیل کارروائیاں عمل میں لائی گئیں۔

تین بیرونی اور تین اندرونی جنگی کارروائیاں :

یہ خیال رہے کہ اس مرحلہ میں، جو ہجرت کے ۶/ ماہ بعد شروع ہوا، اور جنگ خندق کے اختتام اور خاص طور پر صلح حدیبیہ ذی العقدہ ۶ھ پر منتہی ہوا۔ تین اہم بیرونی (یعنی مکہ مکرمہ کی مرکزی طاقت سے) جنگیں ہوئیں، اور تین جنگی پیمانہ کی کارروائیاں داخلی محاذ پر یہودیوں کی فتنہ انگیز اقلیت سے نمٹنے کے لئے وقوع پذیر ہوئیں۔

مرکزی طاقت سے تین جنگیں :

۱- بدر

۲-اُحد

۳-خندق

کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ اور داخلی محاذ کی تین کارروائیاں ۱- بنوقینقاع ۲- بنونضیر ۳-اور بنوقریظہ کی تادیب کے لئے کی گئیں، بالترتیب یہ جنگیں ۲/ہجری، ۳/ہجری، اور ۵/ہجری کی ہیں اور ہر بیرونی جنگ سے ایک داخلی جنگ جڑی ہے، جنگ بدر کے بعد مدینہ منورہ کے درمیان میں رہنے والوں یہودیوں (بنوقینقاع) کو ۲ھ میں بے دخل کیا گیا۔

جنگ احد کے بعد ۴ ؁ھ کی ابتداء میں بنونضیر کو جلاوطن کیا گیا۔

جنگ خندق کے بعد ۵ ؁ھ میں بنو قریظہ کو تہ تیغ اور گرفتار کیا گیا۔

یہ ساری کارروائیاں دستور کی بنیاد پر کی گئیں۔

ابتدائی سیاسی و عسکری کارروائیاں :

قبل اس کے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنگی کارروائی کے لئے بنفس نفیس نکلتے، آپ نے مدینہ منورہ کے شمالی، مغربی اور جنوبی علاقوں کے قبیلوں سے تعلقات کے قیام، اور مکہ والوں کی دشمنانہ پالیسی پر روک لگانے، ان کی عسکری طاقت کو چیلنج کرنے، ان کے لئے تجارتی راستوں کو مخدوش بنانے، اور ان کی نقل و حرکت کو محدود کرنے، اور اسلامی اثر و نفوذ کو بڑھانے کے لئے مندرجہ ذیل کارروائیاں فرمائیں۔

۱۔ ہجرت کے ساتویں مہینہ رمضان المبارک کی ابتداء میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت حمزہ کی امارت اور ابومرثد الغنوی کی عسکری قیادت میں تیس افراد پر مشتمل ایک بٹالین کو قریش کے ایک تجارتی قافلہ کی گوشمالی اور سیف البحر (ساحل سمندر) اور ''عیص'' کے علاقہ کے قبائل پر اثرات ڈالنے، اور انہیں اپنے ''حلفاء'' میں شامل کرنے کیلئے روانہ فرمایا۔

''عیص'' کے علاقہ میں جنگ ابوجہل کے قافلہ سے ٹھن گئی تھی، لیکن علاقہ کے سردار مجدی بن عمرو الجہنی نے جس کے روابط دونوں فریقین سے تھے، بیچ میں پڑ کر جنگ کو ٹالا۔

۲۔ شوال ۱ ؁ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبیدہ بن الحارث کی امارت اور مسطح بن اثاثہ کی عسکری قیادت میں ایک مختصر لشکر ''رابغ'' کے علاقہ کی طرف بھیجا ''ثنیۃ المرۃ'' پہونچنے پر ابوجہل اور ابوسفیان کی قیادت میں قریش کے دو سو نفری لشکر کے ساتھ کچھ ہلکی پھلکی تیر اندازی ہوئی۔

۳۔ ہجرت کے نویں مہینہ ماہ ذی القعدہ ۱ ؁ھ میں قریش کے ایک قافلہ کی ناکہ بندی کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو بیس سواروں کے ساتھ ''خرّار'' کے علاقہ میں بھیجا، قافلہ نکل چکا تھا۔

یہ ساری کارروائیاں مکہ اور مدینہ سے شام جانے والے مشترکہ راستوں اور ان کے آس پاس علاقوں میں کی گئیں، مقصد یہ تھا کہ قریش کی اقتصادی شہ رگ کاٹ دی جائے، اور قبل اس کے کہ وہ حملہ آور ہوں، ان کی مرکزی طاقت کو بکھیر دیا جائے۔

قائداعلیٰ کی سیاسی وعسکری مہمات :

اب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس باہر کسی کارروائی کے لئے تشریف نہیں لے گئے تھے، آپ کو یہ بھی دیکھنا تھا کہ کسی بھی فوجی کارروائی کے دوران داخلی حالات کیسے رہتے ہیں، اور مخالفین کا کیا کردار سامنے آتا ہے۔

ایک حد تک اطمینان کر لینے کے بعد، اب کارروائیوں نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

۴۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بارہویں مہینہ صفر ۲ ھ میں حضرت حمزہ کو قائد لشکر بنا کر اور ساتھ لے کر نکلے ''ابواء'' اور ''ودّان'' کے علاقہ تک جانا ہوا، مقصد وہی، قریش کے قافلوں کی ناکہ بندی تھا۔

یہ پہلا موقع تھا، کہ آپ نے مدینہ منورہ میں قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو اپنے پیچھے امارت کی ذمہ داری سونپی، اس سے قبیلہ خزرج اور حضرت سعد بن عبادہ کی اہمیت کا بھی پتہ چلتا ہے، قافلہ قریش تو بچ نکلا، لیکن اس کارروائی کا فائدہ یہ ہوا کہ قبیلۂ بنوضمرہ سے اس کے سردار عمرو بن مخشی الضمری کے ذریعہ معاہدہ طے ہوا، پندرہ دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ واپسی ہوئی۔

۵۔ہجرت کے تیرہویں مہینہ ماہ ربیع الاول ۲ ھ میں امیہ بن خلف کے ایک بڑے تجارتی قافلہ پر حملہ کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر نکلے، فوج کا کمانڈر سعد بن ابی وقاص کو بنایا گیا تھا، مدینہ منورہ میں اس مرتبہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ کو آپ نے امیر بنایا، غالباً سائب بن عثمان بن مظعون کو امامت مسجد کی ذمہ داری سونپی، اس موقع پر آپ قبیلہ جہینہ کے علاقہ میں ایک دوشاخہ پہاڑ ''بواط'' تک گئے، جو شام کے راستہ میں ''جحفہ'' کے قریب پڑتا ہے۔

۶۔اسی مہینہ، ماہِ ربیع الاول ۲ ھ کی بات ہے کہ کرز بن جابر الفہری نے مدینہ کے مضافات

سریہ عبیدہ ابن حارث

سریہ سعد بن ابی ۃ قاص

سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ

غزوہ اَبواء (وڈّان)

غزوہ بواط

غزوہ عشیرہ

سریہ عبداللہ بن جحش

میں ڈاکہ ڈالا، آپ نے اس مرتبہ حضرت زید بن حارث کو امیر مدینہ بنایا اور خود اسکے تعاقب میں نکلے، اور حضرت علی کو قائد الجیش مقرر کیا۔ ''بدر'' کے قریب ''وادی سفوان تک جانا ہوا، وہ علاقہ سے فرار ہو چکا تھا، اسکو بدر الاولی بھی کہہ دیتے ہیں۔

ے۔ہجرت کے سولہویں مہینہ، ماہ جمادی الاخری ۲ھ میں ان اطلاعات کی بنیاد پر کہ ابوسفیان ایک تجارتی قافلہ کو لے کر شام جارہا ہے، حضور ﷺ دوسو مہاجرین کے ساتھ نکلے، قائد لشکر حضرت حمزہ تھے، مدینہ منورہ میں امارت حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد المخزومی کو سونپی گئی، آپ ''ینبع'' کے قریب ''ذوالعشیرہ'' کے علاقہ تک گئے، لیکن ابوسفیان نکل چکا تھا۔

مہمات نبوی کا بنیادی مقصد :

ان تمام کارروائیوں میں داخلی اور بیرونی نظم وانتظام، انٹلی جنس کی سرگرمی اور کارروائیوں کی تیزی اور تسلسل، اوران کے رخ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر چوکنا، باخبر، منظم، اور پیش بندی کا اہتمام فرمانے والے تھے، کافروں نے بھی اپنا جاسوسی نظام چست کر رکھا تھا، جس کے نتیجہ میں وہ بچ بچا کر نکلنے میں کئی مرتبہ کامیاب ہو گئے، معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اصلاً اس عرصہ میں جنگ نہیں چاہتے تھے، طرح دینا چاہتے تھے، لیکن اقتصادی ناکہ بندی کو فعال اور مؤثر بنانا اور علاقہ کے قبائل پر مسلمانوں کی دھاک بٹھانا چاہتے تھے۔

مخابراتی ٹیم کی کارروائی :

ان کارروائیوں کے بعد، اور ایک فیصلہ کن جنگی کارروائی سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت محسوس کی، کہ آپ کی مخابراتی ٹیم (انٹلی جنس کمیٹی) مکہ مکرمہ کے بالکل قریب پہنچ کر حالات کی سن گن لگائے، اسلئے ۱۲ ر مہاجرین کو منتخب کیا گیا اور عبد اللہ بن جحش کی قیادت میں ان کو ایک بند خط کے ساتھ ماہ رجب ۲ھ میں روانہ کیا گیا، اور یہ ہدایت دی گئی کہ خط علاقہ ''نخلہ'' میں جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے کھولا جائے، خط میں یہ ہدایت تھی کہ مکہ اور طائف کے درمیان کے علاقہ کی صورتحال معلوم کی جائے، اور مکہ والوں کی سرگرمی کو قریب سے دیکھا جائے، یہ ٹیم حسب ہدایت ''نخلہ'' پہنچی،

اتفاقاً ایک تجارتی قافلہ مل گیا، جس پر مشورہ اور تردد کے بعد حملہ کا فیصلہ کیا گیا، عمرو بن الحضرمی مسلمانوں کے تیر کا نشانہ بن کر ختم ہو گیا، عبداللہ بن المغیرہ کے لڑکے عثمان اور نوفل کو انہوں نے گرفتار کر لیا، اور مالِ غنیمت (اونٹ اور ساز و سامان) مدینہ لایا گیا، مکہ والوں کے خلاف یہ پہلی جنگی کارروائی تھی، جو اتفاق سے ماہ رجب کے آخری دن واقع ہوئی، آگ تو لگی ہوئی تھی، پروپیگنڈہ کا مسالہ کافروں کے ہاتھ آ گیا، اور مسلمانوں کے خلاف زبردست مہم تشہیر کی چھیڑی گئی کہ یہ نیکی اور تقدس کا دم بھرتے ہیں، اور ماہِ محترم کی حرمت پامال کرتے ہیں!؟ عربوں کے محترم مہینوں کے احترام کی عام فضا میں یہ پروپیگنڈہ بہت مسموم تھا، جس پر خود مسلم معاشرہ میں بھی سوالات اٹھے :

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ (سورۃ البقرۃ : ۲۱۷)

ترجمہ: لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا ماہ محترم میں جنگ ہو سکتی ہے؟

اسی صورتحال کی ترجمانی ہے۔

جواب میں صاف کہہ دیا گیا :

قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ (سورۃ البقرۃ : ۲۱۷)

کہہ دیجئے کہ اس میں جنگ سنگین ہے، اور اللہ کے راستہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام سے روکنا، اور اس کے لوگوں کو اس سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ سنگین ہے، اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت جرم ہے۔

ان پے بہ پے کارروائیوں، اور پھر عمرو بن الحضرمی کے قتل اور اس پر مستزاد ''ذوالعشیرہ'' کے قریب ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کا تعاقب اور اسکے بچ کر شام کی طرف نکل جانے کے بعد ساز و سامان سے لدے پھندے واپس آنے پر مسلمانوں کی حملہ کی تیاریاں، ایک ایسا ایندھن بن گئیں، جس نے مکہ مکرمہ کی گرما گرم فضا میں جلتی پر تیل کا کام کیا۔

حضرت عباسؓ مکہ میں حضور کے نمائندے :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انٹلی جنس (خفیہ خبر رساں محکمہ) کا کام اتنا دقیق، گہرا، منظم، اور پھرتیلا تھا، کہ پل پل کی خبریں ملتی تھیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ''بیعت عقبہ'' کے موقع پر رات کے سناٹے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے، اور جو پہلے دن سے مسلمان تھے، حضور کے مخلص راز دار تھے، اور مکہ والوں کے بیچ ان کی رہائش حضور کے انٹلی جنس افسر کے طور پر تھی، کوئی اہم خبر ایسی نہیں تھی، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کے حوالے سے نہ پہنچ جاتی ہو۔

جنگ بدر کے سلسلہ میں ایک غلط فہمی :

جنگ بدر کے سلسلہ میں یہ جو غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ابوسفیان کے قافلہ پر حملہ کے لئے نکلے تھے، اور قریش سے جنگ کا کوئی خیال نہ تھا، اور جب آپ مدینہ منورہ سے ۳۰ میل کی دوری پر مقام صفراء سے آگے بڑھکر ''ذفران'' پہونچے تب آپ کو قریش کے لشکر کی اطلاع ملی، جیسا کہ سیرت نگاروں کا بیان ہے، اور جس پر کعب بن مالکؓ کی حدیث میں ''**كان يريد عير قريش**'' سے استدلال کیا گیا ہے، اور علامہ شبلی نعمانی کے آیات سورۂ انفال سے اس کے برعکس استدلال پر محدثانہ تنقید کی گئی ہے، یہ ساری بحث الگ الگ زاویۂ نگاہ پر مبنی ہے، اور غیر اصولی معرکہ آرائی ہے، سورۃ الانفال کی آیات میں :

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ۝	ترجمہ : جس طرح تم کو تمہارے رب نے حق کے ساتھ تمہارے گھر سے روانہ کیا، جبکہ مسلمانوں کا ایک

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۞ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۞

(سورۃ الانفال : ۵-۷)

گروہ ناگواری محسوس کررہا تھا حتی کہ حق واضح ہونے کے باوجود وہ تم سے بحث کررہے تھے گویا کہ دیکھتے بھالتے ان کو موت کی طرف کھینچ کرلے جایا جارہا ہے، اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تم سے دو گروہوں میں سے ایک گروہ کے بارے میں وعدہ فرمارہا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گا اور تمہاری خواہش یہ تھی کہ کمزور گروہ تمہارے ہاتھ لگے، لیکن اللہ یہ چاہ رہا تھا کہ اپنے فیصلوں سے حق کو جمادے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھر سے نکلتے ہوئے مسلمانوں کی جس کیفیت کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، اسکا انطباق ''ذفران'' کے علاقہ پر کرنا کس قاعدہ کے تحت ہے؟ پھر ایک ہی وقت میں قافلۂ تجارت اور لشکر قریش دونوں میں سے کس سے ٹکراؤ کا تذکرہ کیا جارہا ہے؟ اب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر کی کارروائیوں میں انصار کو ساتھ نہیں لے گئے تھے، اس مہم میں وہ مدینہ منورہ سے ساتھ کیوں نکلے تھے؟ اگر سابقہ کارروائیوں کی طرح یہ بھی ایک کارروائی تھی تو سعد بن معاذ کی قیادت میں انصار کی بٹالین کی کیا ضرورت تھی؟ قافلہ تجارت کے تیس آدمیوں سے مقابلہ کے لئے تین سو سے اوپر فوجیوں کی کیا ضرورت درپیش تھی؟ فوج کے تین کمانڈر متعین کئے گئے تھے :

۱۔ مصعب بن عمیرؓ ۲۔ علی بن ابی طالبؓ ۳۔ سعد بن معاذؓ۔

ایک تجارتی قافلہ سے مقابلہ کے لئے یہ انتظامات تھے، یا لشکر کفار سے لڑنے کے لئے؟ کیا ایک تجارتی قافلہ سے مقابلہ کے تصور سے مجاہدین کے کلیجے منہ کو آرہے تھے؟

اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو امامت کی ذمہ داری سونپی، اور ابولبابہ بن منذر کو مدینہ کی امارت حوالہ فرمائی۔

رہ گئی حضرت کعب بن مالک کی حدیث تو وہ ان کی اپنی رائے ہوسکتی ہے، اور کیونکہ ''نفیر عام'' نہیں تھی، جو تیار ہوئے ساتھ چلے اس لئے یہ خیال رہا کہ سابقہ کارروائیوں کی طرح یہ بھی ایک کارروائی ہے۔

پھر حضرت عباسؓ اور حضور کی انٹلی جنس جو ایک ایک قافلہ کی خبر دے رہی تھی، وہ مکہ میں ہنگامی فضا، فوجی تیاری، اور لشکر کی پیش قدمیوں کی اطلاعات کیا نہیں دے رہی تھی!؟

غلط فہمی اس لئے پیدا ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام ''صفراء'' پہنچے تھے تو محکمۂ انٹلی جنس کے دو افراد (۱) بسبس بن عمرو الجھنی اور (۲) عدی بن ابی الزغباء کو بدر کے علاقہ کی طرف بھیجا تھا، تاکہ وہ قافلہ کے رخ کا پتہ لگائیں، تجارتی قافلہ کا سالار ابوسفیان بھی ''ذوالعشیرۃ'' کی کارروائی کے وقت ہی سے چوکنا تھا، اسلئے وہ بھی بچ نکلنے کی تدبیر میں لگا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخابراتی وفد نے ''ذفران'' پہونچنے پر اطلاع دی کہ ابوسفیان بدر کی طرف کل پرسوں تک پہنچنے والا ہے، ادھر ابوسفیان ان کے بعد بدر کے علاقہ میں پہونچا اور اونٹ کی لید میں مدینہ کی کھجور کی گٹھلیوں کا اندازہ کرکے راستہ بدل کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور ضمضم بن عمرو الغفاری کو اجرت دے کر مکہ بھیجا کہ وہ وہاں اطلاع کردے کہ محمد بدر کے علاقہ کی طرف رواں دواں ہیں، اور قافلہ کو خطرات لاحق ہیں۔

مقام ''ذفران'' میں لشکر کی حتمی اطلاع:

مقام ''ذفران'' میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قافلہ کے بچ نکلنے اور لشکر قریش کے اس رخ پر آنے کی اطلاعات ملیں، اب یہ موقع تھا کہ جب دونوں امکانات میں سے ایک امکان حتمی اور یقینی ہوگیا، اس وقت آپ نے فوج کے کمانڈروں سے استمزاج کیا، تاکہ ان کے جذبات کی ترجمانی ہو، اور فوج اب اس فیصلہ کن معرکہ کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوجائے، جسکا تصور موت کے منہ میں جانے کے مرادف تھا۔

حق و باطل کے فیصلہ کن معرکہ کی تمہیدیں :

اب تک جو کارروائیاں بھی ہورہی تھیں، وہ اس اطمینان کی نفسیات کے ساتھ نہیں تھیں، کہ ہم چھیڑتے رہیں گے، اور کافر معاشی طور پر پریشان ہوجائیں گے، بلکہ حق و باطل کے اسی فیصلہ کن معرکہ کے انتظار میں یہ دن گنے جارہے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیہ بن خلف کے بارے میں کہہ چکے تھے کہ وہ میرے ہاتھ سے مارا جائیگا، قرآن میں ہجرت سے پہلے ہجرت کے نتائج کی سنگینی کا تذکرہ کیا جاچکا تھا۔

وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِيُخۡرِجُوۡكَ مِنۡهَا وَاِذًا لَّا يَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝ سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِيۡلًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل :۷۶-۷۷)	اور قریب ہے کہ یہ آپ کو اس علاقہ سے قدم اکھاڑنے پر مجبور کردیں تاکہ آپ کو یہاں سے نکال باہر کریں، پھر یہ آپ کے پیچھے خود بھی نہ رہ جائیں گے، یہی نظام رہا ہے ان تمام پیغمبروں کا جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے، اور تم ہمارے نظام میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

مکی سورۂ القمر میں، جس میں شق القمر کے معجزہ کا ذکر ہے، جنگ بدر کے نتیجہ کی طرف مبہم انداز میں اشارہ فرمادیا گیا تھا :

سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَيُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ (سورۃ القمر : ۴۵)	ترجمہ: عنقریب لشکر کو شکست ہوگی، اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میدان بدر کے ایک کنارے چھپر کے نیچے گریہ وزاری کے ساتھ دعا کے بعد جب اٹھے تھے، تو زبان پر یہی آیت کریمہ تھی "سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَيُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ" عنقریب لشکر کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔

اور جنگ سے ایک دن پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جگہوں کا تعین کر دیا تھا، جہاں سرداران کفار مارے جانے والے تھے۔ گویا :

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ	اللہ چاہتا ہے کہ اپنے فیصلوں کے ذریعہ
بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ	حق کو ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ
۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ	کاٹ دے، تاکہ وہ حق کا حق ہونا
وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝	ظاہر فرمادے، اور باطل کو مٹادے،
(سورۃ الانفال : ۸)	چاہے مجرموں کو کتنا ہی ناگوار لگے۔

کا انکشاف قلب نبوی پر ہو چکا تھا۔

اپنے صحابہ سے استمزاج، ان کے حوصلوں کے امتحان، اور ایک عظیم معرکہ کے لئے ان کو تیار کرنے کی خاطر تھا۔

کشاں کشاں جہاں کوکبۂ نبوی، اور لشکر کفار جا رہا تھا وہ غیبی انتظام اور تدبیر کی کارفرمائی تھی۔

"وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ" (سورۃ الانفال:۴۲) (اور اگر تم قول وقرار کرتے تو بھی اس میں فرق ہو جاتا) پہلے سے جگہ طے ہوتی بھی تو یہ انتظامات نہ ہونے پاتے۔

"ذفران" میں حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت مقدادؓ کی پرجوش تقریریں :

"ذفران" میں فوجی اجتماع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کے بعد انصار کے قائد الجیش سعد بن معاذ نے جن جذبات کی ترجمانی کی وہ اطاعت، سرافگندگی، وفاداری اور جاں نثاری کی جاندار تعبیر تھی، پھر فوج کی طرف سے کمانڈر انچیف کی تائید میں ایک جونیئر کمانڈر کی پرجوش تقریر کہ ہم موسیٰ کے نکمّے ساتھیوں کی طرح نہیں ہیں، جنہوں نے کہا تھا۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا	ترجمہ: آپ اور آپ کا رب جائیں،
هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (سورۃ المائدۃ:۲۴)	جنگ کریں ہم یہاں بیٹھیں ہیں۔

ہم آپ کے دائیں، بائیں، آگے پیچھے ہر چہار جانب سے تحفظ کرینگے اور اپنی جانیں نچھاور

کرینگے۔ پوری فوج کے جذبات کی ترجمانی تھی۔

جالوت کے مقابلہ میں طالوت کا لشکر بھی ان امتحانات اور نفسیاتی آزمائشوں سے گزرا تھا، اور وہاں بھی اہل دل نے کہا تھا: ''كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ'' (سورۃ البقرۃ: ۲۴۹) (کتنی قلیل تعداد اللہ کے حکم سے بڑی تعداد پر غالب آتی رہی ہے اور اللہ تعالیٰ ڈٹنے والوں کے ساتھ ہے)۔

یہ اطلاع مل چکی تھی کہ کفار و مشرکین کی مرکزی طاقت کا لشکر بڑی تعداد اور بہت ساز و سامان اور بڑے جوش سے نکلا ہے۔

یہ ساری تمہید ''یوم الفرقان'' (جنگ بدر) کی تھی، آخر میدان بدر سامنے آ گیا۔

تقدیر و تدبیر اور ''مامور'' و ''موعود'' کا ربط :

تقدیر کا بہانہ کرنے، اور وظائف و اوراد پر اکتفا کرنے، مادی تیاری اور اسباب و تدابیر اختیار کرنے سے گریز کرنے، اور ''توکل'' اور ''تواکل'' میں خلط مبحث کرنے والوں کے لئے یہاں ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

یہاں تیاریاں ہیں، انتظامات ہیں، تدابیر ہیں، مشورے ہیں، جنگ پر آمادہ کرنے، حوصلے بڑھانے، اور بڑی طاقتوں سے ٹکرانے کے مطالبے اور عزائم ہیں، جنگی حکمت عملی ہے، فوج کی ترتیب ہے، جنگی کارروائی کی پیشگی تنظیم ہے، حالات سے باخبری، دشمن کی تعداد کا صحیح اندازہ، اور فیصلہ کن جنگ کی تیاری ہے، مکمل تیاریوں کے بعد جو مامور ہیں، دعا کیلئے ہاتھ اٹھتے ہیں، جو توکل و ایمان کی تصویر ہیں۔

''ذفران'' سے تحقیق حال کے لئے حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو بھیجا تھا، اس وقت تک قافلہ اور لشکر دونوں کے امکانات تھے، وہ حضرات بدر کے کنویں کے پاس سے دو غلاموں کو پکڑ کر لائے حضور اکرم ﷺ نے اپنی فراست و نور بصیرت سے سمجھ لیا کہ یہ غلام جو کہہ رہے ہیں، صحیح کہہ رہے ہیں، وہ لشکر قریش کی خبر دے رہے تھے، جبکہ تحقیقاتی ٹیم انہیں جھوٹا سمجھ رہی تھی، اور اسکا خیال تھا کہ یہ قافلۂ قریش کے معاملہ کا اخفاء کر رہے ہیں۔

جنگی حکمت عملی اور صحابی کا مشورہ :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے لئے جس جگہ ابتداءً پڑاؤ کیا تھا، جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے وہ جگہ کمانڈر حباب بن المنذر کے نزدیک اپنے زبردست تجربات اور جنگی مہارت کے پیش نظر مناسب نہیں تھی، ان کے نزدیک پانی کی چشموں پر قبضہ کرنا اور بالائی علاقہ پر پڑاؤ کرنا، جنگ کی کامیابی کے لئے ضروری تھا، اسکی تصدیق قرآن پاک نے بھی کردی : اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِى الْمِيْعٰدِ"

(سورۃ الانفال : ۴۲)

پھر غیبی امداد، رات کی بارش، دورانِ جنگ فرشتوں کی آمد، اور جنگ کے شدید اعصابی تناؤ کے دوران نیند کی لذت، اسکا نشہ اور اعصابی آرام وراحت یہ سب "مامور تیاریوں" کے بعد "موعود انعامات" تھے۔

فیصلہ کن دعا، اور معجزانہ فتح :

جنگ فیصلہ کن تھی، لہٰذا دعا بھی فیصلہ کن انداز کی لجاجت اور آہ وزاری کے ساتھ تھی، "اللھم ان تھلك ھذہ العصابة لن تعبد" دل کا درد تھا جو زبان پر جاری تھا، اسی وقت "مبہم مکی وعدہ" کو دل وزبان پر جاری فرما دیا گیا۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (سورۃ القمر : ۴۵) ترجمہ : عنقریب لشکر کفار کو شکست ہوگی، اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔

جنگ ہوئی، اور پورے ملک عرب نے سن لیا اور دیکھ لیا کہ انبیاء سے ٹکرانے کے نتائج کیا ہوتے ہیں، مکہ کے جگر گوشے، سردارانِ کفار ایک ایک کر کے مثل صنم گرتے گئے، ۲۴؍صنادید قریش کی لاشوں اور تقریباً مزید ۴۶؍مقتولین اور ۷۰؍گرفتاروں پر اس جنگ کا خاتمہ ہوا، مرکز عرب ہل گیا، اس کی ساکھ ٹوٹ گئی۔ اتنے قریبی عرصہ میں مرکزی طاقت کی شکست ایک کمزور اور دربدر اقلیت کے ذریعہ ایک ایسا حیرت

غزوہ بدر الکبریٰ میدانِ جنگ

انگیز واقعہ، معجزانہ کرشمہ، اور حق کی فتح کا ایسا زبردست اور موثر اظہار تھا کہ، جس نے مکہ والوں کو جتنا تڑپایا اور کلسایا اور پھراکسایا ہو قرین قیاس ہے، ساتھ ہی ساتھ اس نے پورے جزیرۃ العرب پر اس ابھرتے دین اور ابھرتی طاقت کی دھاک بٹھادی۔

جنگ بدر پر ایک نظر :

جنگ بدر کے لئے حضور اکرم ﷺ دوشنبہ کے دن ۸ رمضان المبارک ۲ھ کو مدینہ منورہ سے نکلے تھے، جنگ بروز جمعہ ۱۷ رمضان المبارک کو ہوئی۔ جنگ کے بعد تین دن وہیں بعد از جنگ کے انتظامات کے لئے قیام فرمایا۔ غالباً دوشنبہ یا منگل ۲۰ر یا ۲۱ر رمضان المبارک کو بدر سے واپسی کا سفر ہوا، ڈیڑھ سو کیلومیٹر کا یہ سفر اندازہ ہے کہ تین دن میں پورا ہوا ہوگا، اور ۲۳ر ۲۴ر رمضان کو مدینہ منورہ واپسی ہوئی ہوگی۔

اس جنگ میں تقریباً ۳۱۳ر مسلمان شریک ہوئے، ۸۶ مہاجرین تھے، ۶۱ قبیلہ اوس کے تھے، ۷ر خزرج کے تھے، ۲۲ر مسلمان شہید ہوئے ۱۴ر مہاجر، ۶ر خزرج کے، ۲ر اوس کے۔

کفر و ایمان کی اس پہلی جنگ میں کفر کا سب سے بڑا سرغنہ اور اس امت کا فرعون، ابوجہل مارا گیا، امیہ بن خلف مارا گیا، ولید بن عتبہ، عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ مارے گئے۔ اور اسی جنگ کے نتیجہ میں نضر بن حارث بن کلدہ، اور عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا گیا۔

کچھ مسلمان جو مکہ سے ہجرت نہ کر سکے تھے اور اس جنگ میں کفار انہیں اپنی فوج میں بھرتی کر کے لائے تھے، مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے، ان میں:

حارث بن زمعہ بن الاسود، ابوقیس بن الفاکہہ بن المغیرہ، ابوقیس بن الولید بن المغیرہ، علی بن امیہ، عاصی بن منبہ بن الحجاج، کے نام ذکر کئے گئے ہیں۔

جنگ بدر کے بعد کی چند کارروائیاں :

جنگ بدر کے بعد مختلف علاقوں کے کافروں سے جو جھڑپیں ہوئیں، یا مکہ کے کافروں کی بعض انتقامی کارروائیوں کا جواب دیا گیا، وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ غزوہ بنو سلیم: جنگ بدر کے سات دن کے بعد بنوسلیم قبیلہ کی طرف سے چھیڑ چھاڑ کی اطلاع پر ''ماء الکدر'' تک فوجی پیشقدمی کی گئی۔ جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

۲۔ غزوۃ السویق: بدر کے دومہینہ کے بعد ابوسفیان نے انتقامی کارروائی کے طور پر مدینہ منورہ میں شبخون مارا، اور کھیتوں اور باغات کونقصان پہونچایا اور ایک مسلمان کاشتکار کوشہید کر دیا، تعاقب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''قرقرۃ الکدر'' تک گئے، بھگوڑے، ستو کے تھیلے پھینکتے ہوئے بھاگے، اس لئے اس کا نام ''ستو کا غزوہ'' (غزوۃ السویق) پڑ گیا۔

۳۔ غزوہ بنی غطفان (غزوہ ذی امر) : بدر کے بعد چوتھے مہینہ محرم میں غطفانیوں کی شرارت کا جواب دینے کے لئے مدینہ منورہ کے شمال میں نجد کے علاقہ میں یہ کارروائی ہوئی، اور صفر کا پورا مہینہ آپ اس علاقہ میں رہے، اس کے دعوتی، اصلاحی، اور سیاسی فوائد حاصل ہوئے، کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

۴۔ غزوہ بحران: یہ علاقہ حجاز میں مقام ''فرع'' کے قریب ہے۔ بدر کے چھ ماہ بعد اس علاقہ کی طرف روانگی ہوئی، اور ''بُحران'' میں ربیع الثانی اور جمادی الاولی ۲ھ تقریباً ڈیڑھ ماہ قیام رہا۔

کارروائیوں کے متنوع مقاصد :

عام طور پر مؤرخین وسیرت نگاران اسفار کو ''غزوات'' کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ تفصیلات کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے، کہ ان تمام اسفار میں جنگ مقصود نہیں ہوتی تھی، اگرچہ کوئی سفر بھی ان حالات میں جنگی تیاریوں کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ عمرہ بھی ہتھیاروں کے ساتھ ہوتا تھا، ان میں متعدد اسفار دعوت واصلاح، اور مختلف قبائل سے تعلقات، معاہدات، اور سیاسی اثر ونفوذ کے لئے ہوتے تھے، اگر تعلیمی، تربیتی، اور دعوتی نقطہ نظر سے ان اسفار کی تفصیلی رپورٹ تیار ہوتی، تو سیرت کے بہت سے گوشے مزید سامنے آتے۔ اور کفر کے خلاف فکری، ایمانی، اور دعوتی یلغار کے اثرات کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا۔

نظام عبادات اور تعلیمی مہم :

غالباً جنگ بدر سے پہلے رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت ہوچکی تھی، قبلہ کی تبدیلی ہوچکی

تھی، ۱۵؍رجب ۲ ھ تک بیت المقدس قبلہ رہا پھر کعبہ مقدسہ کے ابدی قبلہ ہونے کا اعلان ہوا۔ اور عیدالفطر سے دودن پہلے جنگ بدر کے بعد صدقۃ الفطر کے احکامات دیئے گئے، عیدالفطر کا نظام قائم ہوا، اور پھر عیدالاضحیٰ کا سلسلہ جاری ہوا، مالِ غنیمت سے متعلق ہدایات دی گئیں، سورۃ الانفال، فی الحقیقت جنگ بدر پر تبصرہ اوراس کی روداد ہے، اس سے، قبل جنگ، دورانِ جنگ اور مابعد جنگ کے حالات کا علم ہوتا ہے۔

داخلی انتظامات اور اصلاحات کے سلسلہ میں ایک اہم قدم جنگ بدر کے بعد تعلیم کی مہم کا اٹھایا گیا، جسکا مقصد ''سب کے لئے تعلیم'' (Education For all) تھا، اوراس میں بدر کے پڑھے لکھے اسیران بھی استعمال کئے گئے، اس مہم کے اثرات مدینہ منورہ کی سوسائٹی پر بہت وسیع پیمانہ پر پڑے، محلوں میں مساجد بھی قائم ہوتی چلی گئیں، اور ہر مسجد ایک درسگاہ بن گئی۔

جنگ قُردَہ :

اسی دوران قریشیوں نے مکہ اور شام کی تجارت کے لئے راستے بدلنے کی کوشش کی، لہٰذا ''نجد عراق'' کے راستہ کو اختیار کرتے ہوئے، ابوسفیان، صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبدالعزی بڑے تجارتی سامان کے ساتھ جسکی قیمت ایک لاکھ درہم کی تھی، ایک قافلہ لے کر چلے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کی نقل وحرکت کا علم حضرت سلیط بن النعمان کے ذریعہ ہوا، جو گشتی پولیس کے ایک فرد تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کی قیادت میں سوسواروں کا دستہ روانہ فرمایا، قافلۂ تجارت ''قردہ'' نامی چشمہ کے پاس ملا، قافلہ کے لوگ جان بچا کر بھاگے، قافلہ کا بہت سا سامان بھی ہاتھ لگا، اور ان کا گائڈ ''فرات بن حیان'' گرفتار ہوا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے پر مسلمان ہو گیا۔

فتنہ کا استیصال :

اسی عرصہ میں چند خبیث، فتنہ پرور یہودیوں کو ٹھکانہ لگایا گیا، جن میں **''عصماء بنت مروان''** نامی بڑی فتین اور بدکار عورت بھی تھی، اسکو عمیر بن عدی الخطمی نے مارا، **''ابو عفک یہودی''** کو حضرت سالم بن عمیر صحابی نے کیفرکردار تک پہونچایا، **''کعب بن اشرف یہودی''** کو محمد بن سلمہ نے بڑی ترکیب سے ٹھکانے لگایا، یہ سب بڑے دریدہ دہن، فتنہ انگیز، سازشی اور بدکردار یہودی تھے۔

خفیہ کارروائیوں کے مقاصد :

ان شری انسانوں کے خلاف کارروائی خفیہ طریقہ پر کی گئی، لیکن یہ اطمینان تھا کہ ان کے نتیجہ میں کوئی شر پیدا نہ ہوسکے گا، کیونکہ طاقت کی مرکزیت مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی، اور جس دستوری معاہدہ نے سب کو پابند کر رکھا تھا، انہوں نے بار بار اسکی خلاف ورزی کی تھی، اور ان کے فتنوں سے معاشرہ پر بڑے خراب اثرات پڑ رہے تھے، اور کھل کر کوئی کارروائی غیر ضروری جنگ چھیڑ سکتی تھی، اسلئے کارروائی بہت رازداری کے ساتھ کی گئی، جب بات کھلی تو مخالفین سناٹے میں آ گئے، ان کے لئے یہ واقعات عبرتناک سبق بن گئے، اور مجرمین اپنے انجام کو پہنچ گئے۔

ان واقعات میں موجودہ دور کے مسلمانوں کے لئے بڑا سبق ہے، انہیں جس رازداری سے ''سلمان رشدی'' اور ''تسلیمہ نسرین'' قسم کے لوگوں کے قصہ کو پاک کرنا چاہئے تھا، اس سے وہ محروم رہے، اور بجائے مجرمین کے خود ہی نقصان اٹھاتے رہے، سیرت کے واقعات عام طور سے استنباط، استخراج اور اجتہاد کے لئے نہیں پڑھے جاتے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ فہم قرآن وحدیث کے لئے سیرت رسول اور سیرت صحابہ کی بالترتیب بڑی اہمیت ہے۔

داخلی فتنوں اور شرانگیزیوں سے نمٹنے کی پہلی کوشش :

دوسری طرف ۱۵/شوال ۲ھ میں بنوقینقاع کے اخراج سے جن کی دشمنی مختلف واقعات کی شکل میں کھل کر سامنے آ چکی تھی، اور پھر انہوں نے معاہدہ بھی توڑ دیا تھا، نہ صرف ان کی املاک مسلمانوں کے ہاتھ لگیں، سونے کا بازار، ظروف سازی کے کارخانے، اور مدینہ منورہ کا ''مین مارکٹ'' مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا، بلکہ اس سے سودی نظام کے خاتمہ کی طرف بھی قدم بڑھنے لگے، مسلمانوں کی معاشی حالت میں قدرے سدھار آیا، غیر مسلم اقلیت مدینہ منورہ کے درمیانی علاقہ سے نکل گئی، اور منافقوں کا جنگ بدر کے سفر کے دوران کھل کر ظہور ہوا، زبانوں پر اس دوران بہت کچھ آیا، لیکن بدر کی فتح، اور بنوقینقاع کے خلاف کامیاب کارروائی نے منافقین میں خوف کی نفسیات پیدا کر دی، لیکن ان کے نفاق کی جڑیں حسد نے مزید پیوست کر دیں، اور جنگ احد کے دوران اور اسکے بعد اسکوا بھرنے اور پنپنے کا خوب

موقعہ ملا، اور وہ پوری طرح طشت از بام ہوگیا۔

عائلی انتظامات :

جنگ بدر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے پیام پر حضرت فاطمہ کا ان سے نکاح کر دیا، حضرت زینب سب سے بڑی تھیں، ان کا نکاح ابوالعاص بن الربیع سے تھا، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کا نکاح پہلے ابولہب کے لڑکوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوا تھا لیکن ابولہب نے دشمنی میں طلاق دلوادی، پھر حضرت رقیہ حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں، ۲ھ میں ان کا انتقال ہوگیا، تو حضرت ام کلثوم سے نکاح ہوا، وہ بھی جلد ہی رخصت ہوگئیں۔

جنگ بدر کے انتقام کی تیاریاں :

جنگ بدر نے مکہ کے کافروں کو تلملا کر رکھ دیا تھا، انہیں اس غیر متوقع شکست پر سخت ترین نفسیاتی کش مکش کی کیفیت کا سامنا تھا، عربوں کی قبائلی نخوت کے سامنے اب انتقام کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا، مکہ میں قیادت اب ابوسفیان کے ہاتھ آ گئی تھی، وہ قافلہ تجارت کو بچا کر لانے میں کامیاب ہونے کی بناء پر ''ہیرو'' بن گئے تھے، اور ابوجہل کی کارروائی کی حماقت لوگوں کی نگاہوں کے سامنے آ چکی تھی، متعدد مذہبی، سماجی، معاشی، اور سیاسی اسباب ومحرکات اہل مکہ کو چین سے بیٹھنے نہیں دے رہے تھے۔

مکہ کے قبائلی سرداروں نے طے کیا کہ جو نفع بھی تجارت سے حاصل ہوا ہے اسے انتقامی کارروائی پر صرف کیا جائیگا، جوش وخروش کے ساتھ اگلی فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں، تین ہزار افراد فوج میں بھرتی کئے گئے، جو کافر جنگ بدر میں مارے گئے تھے، ان کے لڑکے اور قریبی عزیز اور مکہ کا ہر جوان انتقام کے لئے دیوانہ تھا، جنگی اخراجات کا اندازہ پچاس ہزار دینار کا تھا، سنیچر ۷ رشوال ۳ھ تین ہزار فوجیوں پر مشتمل یہ لشکر مکہ سے چلا، اہم کمانڈروں اور لیڈروں کی بیویاں بھی ساتھ تھیں، ابوسفیان کی بیوی ہند، صفوان کی بیوی برزہ، عکرمہ کی بیوی ام حکیم، حارث کی بیوی فاطمہ وغیرہ اس سفر میں جوش

بنوقینقاع کا مدینہ سے اخراج

دلانے اور جذبات برانگیختہ کرنے کے لئے ساتھ ساتھ تھیں، فوج میں ۲۰۰ رگھوڑ سوار تھے، ۷۰۰ رزرہ پوش، تین ہزار اونٹ اور بھرپور ہتھیار۔

لشکر کشی کی رپورٹیں :

حضرت عباس نے جو مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انٹلی جنس سربراہ تھے، اور وقت ضرورت حالات سے مطلع کرتے رہتے تھے، ایک خفیہ پیغام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہایت عجلت کے ساتھ بھجوایا، ۵۰۰ رکلومیٹر کا راستہ قاصد نے تین دن میں طے کیا، اور تفصیلی معلومات لشکر کفار کے بارے میں دیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حباب بن المنذر کو مزید تحقیقات حال کے لئے مکہ کی طرف روانہ کیا، انہوں نے آ کر اپنے اندازے بالکل ویسے ہی ذکر کئے جیسے حضرت عباس نے پہلے ہی بتا دیئے تھے، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضالہ کے بیٹوں انس اور مونس کو لشکر کے بارے میں مزید معلومات کے لئے روانہ کیا، انہوں نے آ کر خبر دی کہ لشکر کفار مدینہ کے قریب آ گیا ہے، ان کے اونٹ مدینہ کے آس پاس کی کھیتیاں چر رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رپورٹیں پہونچ رہی تھیں، اور آپ اخفا فرمارہے تھے، خفیہ محکمہ کو بھی ہدایت تھی، کہ اس صورتحال کا افشاء نہ کیا جائے۔

حضورؐ کے خواب میں خطروں کی اطلاع :

۶ رشوال یا ۱۳ رشوال ۳ھ (واقدی، محمد بن سعد، قسطلانی، ابن القیم، ابن الاثیر، اور مولانا شبلی نے ۷ رتاریخ کو ترجیح دی ہے، عروہ بن الزبیر، محمد بن اسحاق، ابن ہشام، ابن حزم، طبری، مقریزی نے ۱۳ رشوال کو ترجیح دی ہے) بروز جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نماز جمعہ لوگوں کو صورتحال سے مطلع فرمایا، اور مشورہ طلب فرمایا، جمعہ کی شب میں آپ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک گائے ذبح کی گئی، اور آپ کی تلوار کی نوک ٹوٹ گئی، اور زرہ میں ہاتھ ڈال دیا گیا، تعبیر یہ بیان فرمائی تھی، کہ ستر مسلمان شہید ہونگے، میرے خاندان کا ایک عزیز وقریب فرد شہید ہوگا، اور دشمن فوج شہر میں داخل ہو جائیگی۔

مشاورتی میٹنگ اور فیصلہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :

مشورہ میں تجربہ کاروں، بزرگوں، اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے تھی کہ اپنے محلوں میں رہا جائے، اور دشمن کو شہر کی گلیوں میں داخل ہونے کا موقعہ دیا جائے، پھر گھیر کر مارا جائے، اس طرح ان کی فوج تتر بتر ہو جائیگی، اور مسلمان پوری طرح چوکنے رہ کر محلوں میں ان کو گھیر کر ماریں گے۔ نوجوان اور پرجوش صحابہ نے اصرار کیا کہ باہر نکل کر جنگ کی جائے، بدر کی فتح ان کے ذہنوں میں تازہ تھی، شجاعت و جرأت اور ہمت وحوصلہ گھر بیٹھنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا، بس خاموشی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، گھر میں جا کر ہتھیار زیب تن فرمائے، دو زرہیں پہنیں، سر پر خود رکھا، اس فوجی وردی میں باہر تشریف لائے، لوگ حیرت سے دیکھتے رہ گئے، یہ وردی اعلان کر رہی تھی، کہ فیصلہ پیش قدمی کا ہے، ذمہ داروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی رائے اور دیگر بزرگ صحابہ کی رائے کا دوبارہ تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا :

''نبی ہتھیار پہننے کے بعد جنگ سے پہلے اس کو اتارتا نہیں'' اب یہی طے پایا کہ نکل کر جنگ کرنا ہے، ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میدان کارزار کی رہنمائی کر رہا تھا، خدا کے فیصلے کشاں کشاں کسی طرف لے جا رہے تھے، دوسری طرف نوجوانوں کے جذباتِ ایمان آپ سرد نہیں فرمانا چاہتے تھے،، تیسری طرف نفاق وایمان کی چھنٹائی کا وقت آ گیا تھا محلوں میں رہتے ہوئے، دودھ الگ اور پانی الگ نہیں ہوسکتا تھا، غرض کہ بہت سی حکمتیں تھیں، اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیریں، جو اقدام کا فیصلہ کرا رہی تھیں۔

مسلمانوں کی پیش قدمی اور منافقوں کی بغاوت :

عصر کی نماز کے بعد احد پہاڑ کے دامن کی طرف روانگی ہوئی، لیکن عام راستہ اختیار نہیں کیا گیا، بلکہ ایک غیر معروف راستہ، باغات اور کھیتوں کے درمیان سے طے کیا گیا، ایک ہزار افراد مورچہ کے لئے نکلے عام طور پر مورخین اور سیرت نگار ''ایک ہزار صحابہ کرام'' کی تعبیر اختیار کر لیتے ہیں، اور پھر یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ راستہ میں مقام ''شوط'' سے- جو تقریباً مسجد نبوی سے احد کے درمیان میں ہے- سردار

منافقین ''عبداللہ بن ابی'' تین سو ساتھیوں کو لے کر اپنے اختلاف کا اظہار کرتا ہوا، اور فوجی بغاوت کا مرتکب ہوتا ہوا واپس چل پڑا۔ ظاہر ہے کہ یہ تین سو صحابہ کرام نہیں تھے، منافقین اور کمزور ایمان والے لوگ تھے، جنہوں نے لشکر کشی کے دوران بڑا مجرمانہ قدم اٹھایا تھا، اور بہت سے اہل ایمان نے اس وقت یہ چاہا تھا کہ پہلے ان آستین کے سانپوں سے نپٹ لیا جائے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے داخلی فتنہ سے بچانے کیلئے ان سے گریز کیا، اور پیش قدمی جاری رکھی، قبیلہ بنو سلمہ اور قبیلہ بنو حارثہ کے قدم بھی ڈگمگانے لگے تھے، اور قریب تھا کہ وہ بھی ان سے جاملیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی وجہ سے ان کی دستگیری فرمائی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف رات کے سناٹے میں کوچ فرمایا۔

مورچہ بندی :

احد پہاڑ مسجد نبوی سے ۲-۳ کیلومیٹر کی دوری پر ہے، اس کا سلسلہ تقریباً پانچ میل تک پھیلا ہوا ہے، سنیچر کی صبح، صف بندی کی گئی، احد پہاڑ کے دامن کو محاذ جنگ کے لئے منتخب کیا گیا تھا، پہاڑ پشت پناہ تھا، عقب سے حملہ آوروں کو روکنے کے لئے ایک پہاڑی پر عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں ۵۰/تیر اندازوں کو متعین کیا گیا، سامنے وادی قناۃ ہے، مسلمان فوج کو پہاڑ سے وادی تک پھیلا دیا گیا، مقدمۃ الجیش پر حضرت سعد بن ابی وقاص کو اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو متعین کیا گیا، میمنہ پر حضرت عکاشہ بن محصن کو، میسرہ پر حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد کو، قلب فوج میں حضرت علی اور حضرت زبیر بن عوام کو، درمیانی حصہ میں حضرت حمزہ دستہ کے سالار تھے، ساقہ (پچھلے حصہ) پر حضرت مقداد بن عمرو متعین تھے، علم مصعب بن عمیر اٹھائے ہوئے تھے، شعار جنگ (Code Word) ''أمِت أمِت'' (مارو، مارو) تھا۔

دشمن قوم کا پڑاؤ :

سنیچر ۷/شوال یا ۱۴/شوال ۳ھ کو جنگ ہوئی، تیر اندازوں کو سخت ہدایت تھی کہ کسی حالت میں پہاڑی نہ چھوڑیں، کفار کی فوج مدینہ کے شمالی خطہ ''زغابہ'' میں خیمہ زن تھی، وہ بدھ ۴/شوال کو پہونچ کر پڑاؤ ڈال چکے تھے، انہوں نے بدر میں مسلمانوں سے صف بندی کا سبق سیکھ لیا تھا۔

احد پہاڑ کے دامن میں

جیتی جنگ ہاری گئی :

جنگ شروع ہوئی، مسلمانوں نے بہت جلدی دشمن پر زبردست وار کئے، دشمن کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، تعاقب اور مال غنیمت اٹھانے کا عمل شروع ہوگیا، پہاڑی پر تعینات تیراندازوں نے یہ منظر دیکھا، ان سے صبر نہ ہوا، قائد نے حکم نبوی یاد دلایا، جواب یہ تھا کہ جنگ جیت لی گئی، اب ضرورت نہیں رہی، اکثریت پہاڑی سے اتر کر مال غنیمت کے حصول اور تعاقب کے لئے بڑھی، بس تدبیر پر تقدیر کے غالب آنے کا وقت آ گیا، کافروں کے گھوڑ سوار دستے کو خالد بن الولید لے کر عقب غالباً پہاڑ کے پیچھے سے، یا وادی میں ہوکر حملہ آور ہوئے، پہاڑی کی چوٹی پر چند لوگوں کی مزاحمت کام نہ آئی، عقب کے حملہ نے مسلمانوں کی جیتی جنگ کا پانسہ پلٹ دیا، کافروں کی بھاگی فوج پھر پلٹ پڑی، مسلمان بیچ میں پھنس گئے، زبردست کشت وخون ہوا، فداکار وجاں نثار صحابہ نے فداکاری اور جاں سپاری کے ایسے نمونے پیش کئے کہ تاریخ دیکھتی رہ گئی، لیکن غیر متوقع اور اچانک اس خطرناک صورتحال نے سراسیمگی پھیلادی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کافر فوجی پہنچے، اور آپ کے خود پر وار کیا، جس سے خود کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں داخل ہوگئیں، پتھر آپ کی طرف پھیکے گئے، دانت کی کرچیں ٹوٹیں، چہرہ انور زخمی ہوا، حضرت **حمزہ** شہید ہوئے، حضرت **مصعب** شہید ہوئے، حضرت **انس بن النضر** شہید ہوئے، بلکہ مجموعی طور پر ستر افراد شہید ہوئے، حضرت مصعب حضور ﷺ سے بہت مشابہ تھے، شہرت ہوگئی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیئے گئے، مسلمانوں میں اس خبر نے مایوسی پھیلادی، لیکن حضرت انس بن النضر نے مسلمانوں کو جوش دلایا، اور خود صفوں میں گھستے چلے گئے، زخموں سے چور ہوکر شہید ہوگئے، حضرت **ابودجانہ**، حضرت **ابوطلحہ**، حضرت **ام عمارہ** نے ہمت وجرأت وجاں نثاری کی حیرت انگیز مثالیں پیش کیں۔

انتقام لیا جاچکا تھا، کافروں نے لاشوں کا مثلہ کرکے اپنی تشفی بھی کرلی تھی، مزید جنگ جاری رکھنا کافروں کے لئے نقصان دہ ہوسکتا تھا، اسلئے ''ہبل دیوتا'' کی جے جے، کا نعرہ لگا کر اور انتقامی کارروائی کی کامیابی کا اعلان کرکے ابوسفیان فوج لے کر واپس چلدیا۔

مصیبت کی سخت گھڑی میں صبر وثبات :

مسلمانوں کے لئے یہ واقعہ شدید ابتلاء کا تھا، منافقوں کے تکلیف دہ تبصرے، کئی خاندانوں کے شہداء کا غم، بدر کے بالکل برعکس نتائج، زبانوں پر رنج والم کے ساتھ یہ جملہ ''یہ کیسے ہوگیا؟'' یتیموں اور بیواؤں کے مسائل، یہ سب کچھ بہت روح فرسا اور زہرہ گداز تھا لیکن حضور ﷺ صبر واستقلال کا پہاڑ بنے سب کے لئے سہارا تھے، اس خبر پر کہ کفار کی فوج راستہ سے پھر واپس آ کر جنگ کو آخری حد تک پہونچانا چاہتی ہے، حضور اکرم ﷺ کی زخموں کی حالت میں، متعدد زخمی صحابہ کرام کے ساتھ، تعاقب کے لئے پیش قدمی، کافروں کے حوصلوں کو پست کرنے اور مسلمانوں کے حوصلوں کو بلند کرنے کا ذریعہ بنی۔

جنگ پر قرآنی تبصرہ :

ہونے والی بات ہوکر رہی، سورہ آل عمران میں :

''وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ''

(سورۃ آل عمران : ۱۲۱)

سے آخر تک، اس جنگ پر بڑا مفصل اور سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے، جنگ بدر میں کامیابی کے اسباب پر پہلے روشنی ڈالی گئی، جنگ احد میں بھی ابتداءً کامیابی کا حوالہ دیا گیا پھر صاف کہا گیا :

حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۔۔۔ الخ (سورۃ آل عمران : ۱۵۲)	یہانتک کہ جب تم نے پسپائی اختیار کی اور امر نبوی کے بارے میں آپس میں جھگڑا کیا اور نافرمانی کی، اس وقت جبکہ اللہ تعالی نے تم کو تمہاری محبوب چیز دکھادی تھیں، تم میں کوئی طالب دنیا تھا، اور کوئی آخرت کا طلب گار۔

جنگی حکمت عملی، اور میدان جنگ کی ہدایات کی خلاف ورزی نے یہ دن دکھائے، غلطی کی نشاندہی کے ساتھ واقعات کی تہ میں جو الٰہی حکمتیں پوشیدہ تھیں انہیں بھی واضح کر دیا گیا:

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ (سورۃ آل عمران : ۱۴۰،۱۴۱)	دنوں کی یہ گردش لوگوں کے درمیان ہم کرتے ہیں تا کہ اللہ تعالی بتادے کہ ایمان والے کون ہیں، اور تم میں سے شہیدوں کا انتخاب کرے درآنحالیکہ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ ایمان والوں کا زنگ صاف کردے اور کافروں کو زوال کا شکار کرے۔
لِكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ (سورۃ آل عمران : ۱۵۳)	تا کہ جو ہاتھ سے گیا اور جو مصیبت پڑی اس پر غم نہ کرو۔

احد کی جنگ ایک تجربہ گاہ اور ایک تربیتی کورس :

اس جنگ نے مسلمانوں کو بدر کے بعد ایک نئے تجربہ سے گزارا، یہ تجربہ بھی قوموں، ملتوں اور جماعتوں کی پختگی کے لئے ضروری ہے۔

سچے اور کھرے، اور جھوٹے اور کھوٹے ان ہی تجربوں سے پہچانے جاتے ہیں، بڑے مرحلوں سے گذرنے سے پہلے چھوٹے مرحلے تربیت کا مواد فراہم کرتے ہیں۔

جیسے مکی زندگی میں طائف کا سفر سب سے زیادہ تلخ، تکلیف دہ اور روح فرسا تھا، اس سے گزار کر پھر معراج کا دور آیا، اسی طرح مدنی زندگی میں "احد کی جنگ" آزمائش کی اصل بھٹی تھی، اس کے بعد جب جنگ خندق میں پورا ملک اپنی پارٹیوں اور مخالف قبائل کے ساتھ ٹوٹ پڑا، جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے، اس وقت مجاہدوں کے حوصلے پست نہیں ہوئے، اور پورے ملک سے مقابلہ کا حوصلہ مسلمانوں نے اپنے اندر پایا، کیونکہ جو ایک مرتبہ ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا، اسلئے اب غیبی

نصرتیں ہمرکاب ہوکر فتوحات کے دروازے کھول رہی تھیں، جنگ احد کو سمجھنے کے لئے سورۂ آل عمران کے متعلقہ حصہ اور کتب سیرت کے متعلقہ حصہ کا تقابلی مطالعہ کرنا چاہیے، اس سے صرف واقعات کا ہی علم نہیں ہوتا، بلکہ واقعات کے اسباب اور ان کے پیچھے پوشیدہ حکمتیں بھی دریافت ہوتی ہیں، اور سنت الٰہی اور نظام تکوینی وتشریعی کی حقیقتیں بھی کھلتی چلی جاتی ہیں۔

جنگی کارروائی کے لئے کمال ایمان مشروط نہیں :

جنگ احد اور مابعد احد دیگر جنگوں سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ فوجی بھرتی کے لئے ظاہر اسلام کافی قرار دیا جاتا تھا، یہ شرط نہ تھی کہ اعلیٰ درجہ کے مؤمنین ہی جہاد میں شریک ہوں، جو حضرات جہاد کے لئے صرف بدر کے شرکاء کا نمونہ سامنے رکھتے ہیں، اور اسکو ہی سنت وسیرت کا مطالبہ سمجھتے ہیں، اور جب تک ایمان اس درجہ کا نہ ہو جہاد کا باب نہیں کھولتے، وہ سیرت کے اکثر واقعات اور پھر خلفاء راشدین اور ما بعد کے خلفاء کی کارروائیوں سے صرف نظر کرتے ہیں، اور حکم شرعی کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے۔

جنگ احد کے مثبت اثرات :

جنگ احد اور پھر اس پر قرآنی تبصرہ نے مسلمانوں کی تربیت کا ایک نظام وضع کردیا، اس نے نہ صرف مسلمانوں کی سماجی معاشی اور اخلاقی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے، بلکہ مدینہ منورہ کے داخلی نظام کو مزید مستحکم کردیا۔

احد کے بعد دشمنوں کی خباثتیں :

دوسری طرف اس جنگ نے کافروں کے حوصلے بڑھا دیئے، اور اب مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے مارنے، گرفتار کرنے، اور دھوکہ وفریب سے قتل کرنے کے واقعات بھی ہونے لگے، ۳ھ کے اخیر اور ۴ھ کے شروع میں بالترتیب واقعہ ''رجیع'' اور واقعہ ''بئر معونہ'' پیش آیا جن میں مکہ والوں کو خوش کرنے اور ان سے ساز باز کرکے پہلے واقعہ میں ۱۰ر مسلمانوں اور دوسرے واقعہ میں ۶۹ر پڑھے لکھے مسلمانوں کو شہید کردیا گیا، جس کے خلاف عمرو بن امیہ کی انتقامی کارروائی نے دیت کی ادائیگی کا مسئلہ پیدا کردیا، اور یہودیوں کے قبیلہ بنونضیر سے معاہدہ کی بنیاد پر جب معاملت کے لئے حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کبار صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے، تو آپ کے قتل کی سازش رچائی گئی، بنونضیر کی بدعہدی متعدد واقعات میں سامنے آ چکی تھی، اس واقعہ نے حجت تمام کردی، ان کے خلاف جنگ احد اور بئر معونہ کے بعد کارروائی کی گئی، اور انہیں بھی مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا گیا۔

۳ھ میں بتاریخ ۱۵ر رمضان المبارک حضرت حسن کی ولادت ہوئی، اسی سال ربیع الاول میں حضرت عثمان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم سے ہوا۔

ماہ شعبان ۳ھ میں حضرت حفصہ سے حضور کا نکاح ہوا، جن کے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی بدر میں زخمی ہوکر شہید ہو گئے تھے، حضرت زینب بنت خزیمہ کے شوہر عبداللہ بن جحش احد میں شہید ہو گئے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے بعد ان سے نکاح فرمایا۔ لیکن وہ صرف دو تین مہینے ساتھ رہ پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

اسی سال جنگ احد کے بعد میراث کے احکام نازل ہوئے، یتیموں کے سلسلہ میں خصوصیت سے ہدایات دی گئیں۔

محرم ۴ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اطلاعات کی بنیاد پر کہ نجد کا قبیلہ بنی اسد بغاوت پر آمادہ ہے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا، دشمن فرار ہو گیا، لیکن بہت سے اونٹ اور بکریاں ہاتھ آئیں۔

واقعۂ رجیع اور بئر معونہ :

۳ھ کے اخیر میں عضل وقارہ سے کچھ لوگوں نے آ کر اپنے علاقہ کے لئے ایک تبلیغی جماعت طلب کی، یہ دھوکہ کی ایک کارروائی تھی مقام ''رجیع'' میں حضرت عاصم بن ثابت کی امارت میں جانے والی اس جماعت کے خلاف حملہ کیا گیا، اور حضرت خبیب اور حضرت زید بن الدثنہ کو گرفتار کرلیا گیا، باقی کو وہیں شہید کر دیا گیا۔ گرفتار شدگان کو مکہ کے کافروں کے حوالہ کر دیا گیا، جنھوں نے ان کو سولی پر چڑھا کر شہید کیا، صفر ۴ھ میں نجد کے قبیلہ کلاب کے سردار ابو براء، عامر بن مالک نے سابقہ واقعہ کی اطلاع

سے پہلے ستر صحابہ کی ایک جماعت طلب کی، ستر معلمین و مبلغین روانہ کیئے گئے ''بئر معونہ'' کے علاقہ میں پہونچنے پر ان کے ساتھ بنو عامر کے سردار عامر بن طفیل نے اور رعل وذکوان وعصیہ نامی قبائل کے غداروں نے زبردست غداری اور دھوکہ کی کارروائی کر کے ان سب مبلغین کو شہید کر دیا۔

یہودیوں کے قبیلہ بنونضیر کی سازش اوران کا اخراج :

عمرو بن امیہ ضمری کسی طرح زندہ بچ گئے، مدینہ منورہ کی طرف واپسی کے دوران راستے میں بنو عامر کے دو شخصوں کو لیٹا پایا، ان کو انتقاماً ماردیا، حضور ﷺ کو المناک واقعات کی اطلاع مل چکی تھی اور نمازوں میں ان کافروں پر بددعا کا سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا، اور ان کی سرکوبی کے بھی انتظامات کئے جارہے تھے، لیکن جن لوگوں کو راستہ میں انتقاماً ماردیا گیا، وہ مسلمانوں اور بنونضیر کے معاہد و حلیف تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی دیت دینی پڑے گی، جس میں بنونضیر کو بھی شریک ہونا تھا، بس اسی کے لئے آپ ان کے علاقے میں گئے، آپ کو قلعہ کی دیوار کے سایہ میں بٹھا کر یہودیوں نے سازش کی کہ قلعہ پر سے چکی کا پاٹ حضور پر گرادیا جائے لیکن حضور ﷺ ساتھیوں کے ساتھ اٹھ کر مسجد واپس تشریف لائے، اور بدعہدوں اور سازشیوں کے خلاف کارروائی کا حکم دیا۔

ربیع الاول ۴؁ھ میں ان کے خلاف کارروائی کی گئی، چند دن کے سخت محاصرہ کے بعد ان کو جلاوطن ہونے پر مجبور ہونا پڑا، اس طرح مدینہ منورہ دو دشمن یہودی قبائل سے پاک ہوا۔

ولادت حسین اور نکاح اُم سلمہ :

۴؁ھ کے ۴ رشعبان کو حضرت حسین کی ولادت حضرت حسن کے دس ماہ بعد ہوئی۔ اسی سال ماہِ شوال میں حضور ﷺ نے حضرت ابوسلمہ کی بیوہ حضرت اُم سلمہ سے نکاح فرمایا۔

بدر ثانیہ :

اُحد سے جاتے ہوئے ابوسفیان نے کہا تھا کہ آئندہ سال بدر کے میدان میں معرکہ ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اواخر شعبان ۴؁ھ میں اس چیلنج کا جواب دینے کے لئے مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ

بنونضیر

بن رواحہ کو اَمیر بنا کر بدر تک ۱۵۰۰ مجاہدین کے ساتھ گئے، ۸ دن وہاں قیام فرمایا لیکن قریش کی دھمکی صرف دھمکی رہی، اقدام کی نوبت نہ آئی۔

غزوہ دومۃ الجندل :

ربیع الاول ۵ ھ میں ایک اہم جنگی کارروائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں کی گئی، یہ ''**دومۃ الجندل**'' کے علاقہ کی کارروائی تھی، جو مدینہ منورہ سے شام کے راستہ پر تقریباً (۴۵۰) کلومیٹر کی دوری پر پڑتا ہے، اور شام سے قریب ہے، وہاں رومن حکومت سے تعلق رکھنے والے عیسائیوں کی ایک ریاست تھی، اس کا حاکم اکیدر بن عبدالملک عیسائی تھا، وہ ہرقل کے ماتحت تھا، علاقہ کے عرب عیسائیوں اور مشرکوں اور رومن حکومت کے درمیان اسکی حیثیت رابطہ کی کڑی کی تھی، انہوں نے مسلمان قافلوں کو چھیڑنا شروع کیا، اور اسلامی حکومت کیخلاف کارروائی کی تیاریاں شروع کیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں حضرت سباع بن عرفطہ الغفاری کو ذمہ داری سونپی اور ایک ہزار مجاہدین کو لے کر اس علاقہ کی طرف پیش قدمی فرمائی، یہ پہلا موقع تھا جس میں ایک بیرونی طاقت، بلکہ ایک سپر پاور کی کالونی کے خلاف کارروائی کی گئی، دشمن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر سن کر اس علاقہ سے تتر بتر ہو گئے جہاں جمع ہوئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریبا ایک ماہ وہاں قیام کیا، ایک طرف دعوتی و تربیتی ماحول تھا، دوسری طرف سیاسی روابط کے مواقع، اور ساتھ ساتھ عسکری رعب و ہیبت، ان سب کا خاطر خواہ فائدہ ہوا، غطفانیوں کے سردار عیینہ بن حصن نے آپ سے ایک معاہدہ بھی کیا، اس کارروائی نے مسلمانوں کا ایک رعب قائم کر دیا، اگر چہ جنگ خندق کی شکل میں اسکے منفی اثرات آگے چل کر سامنے آئے لیکن پھر جنگ خندق کے نتائج نے بالکل پانسہ پلٹ دیا۔

غزوہ بنی المصطلق :

۵ ھ ہی میں مدینہ کے جنوب مشرق میں مکہ مکرمہ سے قریب ''قدید'' کے علاقہ کے پاس ایک اور کارروائی پیش آئی، جو قبیلہ بنی المصطلق کے خلاف تھی، اس قبیلہ کے مکہ والوں سے تعلقات تھے، سردار کا نام حارث بن ابی ضرار تھا، یہ دور چونکہ سخت انتشار کا تھا مسلمانوں کے خلاف جنگ اُحد کے بعد مختلف

غزوہ دومۃ الجندل

غزوہ بنی مصطلق

علاقوں سے چھیڑ چھاڑ اور نقصان پہونچانے کی کارروائیاں ہورہی تھیں، جن میں ''رجیع'' اور ''بئر معونہ'' کے واقعات نے تو دلوں کو بالکل زخمی کر دیا تھا، ایک مہینہ مسجد نبوی میں بدعاؤں کی صدائیں بلند ہوتی رہیں، دشمن قبائل ان حالات سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، لیکن حضور ﷺ نے جب عین جنگ احد کے میدان سے زخموں کی حالت میں تعاقب کی کارروائی فرمائی تھی، اور حوصلے بلند رکھے تھے اور بعد کے عرصہ میں آپ نے بدر تک جا کر، اور دومۃ الجندل پر چڑھائی کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ آپ شریروں سے نمٹنا جانتے ہیں، اور ہر کارروائی کے لئے تیار ہیں۔

قبیلہ بنی المصطلق کے متعلق معلومات حاصل ہونے پر کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کارروائی پر تلے ہیں آپ نے مدینہ منورہ میں حضرت زید بن حارثہ کو امیر بنا کر خود فوجی قیادت فرماتے ہوئے نہایت کامیاب حملہ کیا۔

جسمانی وروحانی فتح :

دوشنبہ ۲ رشعبان ۵ھ میں مدینہ منورہ سے کوچ فرمایا ۷۰۰ رجنگجو آپ کے ساتھ تھے، اور تیس گھوڑ سوار تھے، آپ کی اچانک کارروائی سے دشمن کے اوسان خطا ہوگئے، دشمن کے دس افراد مارے گئے، چھ سو افراد گرفتار ہوئے جن میں حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھیں، مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سردار کی بیٹی کو امہات المؤمنین میں شامل فرما کر اعزاز بخشا، جس کا اثر یہ پڑا کہ تمام صحابہ نے قبیلہ کے تمام اسیروں کو رہا کر دیا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے رشتہ ہوگیا ہے۔ حضرت جویریہ کے والد بھی مسلمان ہوگئے، بلکہ پورا قبیلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ معاملہ کو دیکھ کر داخل اسلام ہوگیا۔ اس غزوہ کی ایک اہمیت تو اس پہلو سے ہے، لیکن جس واقعہ نے اس غزوہ کو ایک اہم تاریخی غزوہ بنا دیا ہے، وہ ''واقعہ افک'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت اور اس کے نتیجہ میں پیش آنے والے واقعات کی کڑیاں ہیں۔

تفریق وانتشار کا حربہ :

اصل واقعہ یہ ہے کہ احد کے بعد اور جنگ خندق تک پہلے تو عسکری اعتبار سے ہر ممکن کوشش کی

گئی کہ مسلمانوں کے قدم اکھاڑ دیئے جائیں۔اوران کی طاقت کوابھرنے نہ دیا جائے،لیکن جب متفرق کارروائیوں میں کامیابی نہ ہوسکی،تو منافقین کے ساتھ مل کر مسلمانوں میں تفریق اور انتشار کی کوششیں تیز کردی گئیں، جنگ بنی المصطلق کے بعد دوران سفر حضرت عمر اور ایک انصاری صحابی کے دو غلاموں کے درمیان پانی پر ہونے والے جھگڑے کو انصار ومہاجرین میں زبردست آویزش اورتفریق کا ذریعہ بنانے کی عیارانہ اور سیاسی کوشش کی گئی، دشمنوں کے ایجنٹ،سردار منافقین عبداللہ بن ابی نے انصار کو مہاجرین کے خلاف بھڑکانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، بلکہ جوش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی سب وشتم سے وہ باز نہ رہ سکا،لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برانگیختہ حالات کوقابو میں کرلیا، فضا ہموار ہوگئی، اور منافقین کی سازش کو ناکام بنادیا،تو وہ اپنے ہونٹ چباتے رہ گئے، اور کسی دوسری سازش کی تیاری کرنے لگے۔

منافقین کی گھناؤنی سازش
اور حلم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلیٰ ترین مثال :

اس کے لئے انہیں حضرت عائشہ صدیقہ کے اس سفر میں پچھڑ جانے اور صفوان بن المعطل کی رہنمائی میں لشکر تک پہونچنے کے اتفاقی واقعہ میں مسالہ مل گیا، اب انہوں نے اپنے دلوں کا غبار خوب نکالا، اور اپنی گندگیوں کو خوب اچھالا کہ ان کی بے ایمانی اور خباثت تو زبان سے ہی ٹپکنے لگی، عام مسلمانوں کے لئے ایک سخت آزمائش اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر الصدیق کے لئے آخری درجہ کا ابتلاء پیش آیا،قریب تھا کہ اس واقعہ کے منفی اور مخالف ردعمل، اور دفاع اہل بیت کے جوش وجذبہ دو روّیوں کے درمیان مسلمانوں کو بانٹنے اور جذباتی طور پر ان کو قبائلی اور گروہی عصبیت کا شکار کرنے کے ذریعہ،ایک اندرونی لڑائی میں جھونک دیا جاتا،اور خانہ جنگی کی بدترین شکل مدینہ کی مرکزیت فنا کردیتی، اس واقعہ کے سلسلہ میں قانونی تحقیقات کے بعد جسکی مثال -اپنے جذبات اور ذاتی یقین واذعان سے ہٹ کر- آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے قائم فرمانا چاہتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں مجمع عام میں اپنے مجروح تاثرات اور شدید نفسیاتی تکلیف کا ذکر کیا، اور سعد بن معاذ نے جوش وجذبہ سے

بیقرار ہوکر عرض کیا، کہ فرمائیں کہ وہ کون ناہنجار اور بدقماش ہے جس نے یہ سازش رچائی ہے، خزرج کا ہے یا اوس کا بتائیں، ہم اس سے نمٹ لیں گے، تو خزرج کے سردار سعد بن عبادہ سے یہ اشارہ برداشت نہ ہوسکا، اوران کی قبائلی رگ حمیت پھڑک اٹھی، اور وہ سعد بن معاذ سے سخت کلامی پر اتر آئے۔

اوس وخزرج کو جس نے روز وشب کی ایک طویل محنت کے بعد شیر وشکر کیا تھا، اس نے اپنی زندگی میں مسجد میں اپنی موجودگی میں شور وشرابہ کا جو منظر دیکھا، اس نے اس کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ اگر وہ حلم وصبر کا بادشاہ نہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ شیرازہ اب بھی نہ بکھرتا، اگر یہ تحریک اللہ کی مدد سے نہ چل رہی ہوتی تو کب کی ختم ہوچکی ہوتی، لیکن افترا پردازی کے اس واقعہ نے مسلمانوں کو مزید علم وبصیرت اور ایمان ویقین سے نوازا، ایک طرف وحی الٰہی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت، عفت وعصمت اور بلند کردار کا اعلان کیا، تو دوسری طرف اس ٹولہ کی بھی نشاندہی کردی جو دشمن کا ہر حربہ آزمارہا تھا، اور اہل ایمان میں جو کچے کان کے ثابت ہوئے، ان کی تادیب واصلاح کا انتظام بھی کردیا گیا، داخلی نظام پھر مستحکم ہوگیا، اندرونی فتنہ ٹال دیا گیا، اوراس جنگ کی بھٹی سے بھی مسلمان نکھر کر آب وتاب کے ساتھ چمکنے لگے۔

جنگ احزاب (خندق) :

اس کے بعد کفر وشرک کے ترکش میں کوئی تیر سوائے اسکے نہ رہ گیا کہ پورے ملک میں گویا ''رتھ یاترا'' نکال کر، دورے کرکے، آگ لگا کر قبائل اور گروہوں اور جتھوں کی طاقت کو مجتمع کرکے ایک فیصلہ کن اور آخری حملہ ایسا کیا جائے، جس کے بعد اس تحریک کو پنپنے کا موقعہ نہ ملے، اہل مکہ کی سیادت و قیادت اور سیاست، یہودیوں کے مکر وفن، اور کینہ وعداوت، اور مختلف دشمنوں کی جتھا بندیوں کا متحدہ محاذ چند مہینوں میں تیار کیا گیا۔

جنگ خندق کا نقشہ قرآن میں :

جنگ کی تیاریاں اوراسکی فضا ایسی خوفناک تھی کہ قرآن پاک میں اس کی تصویر کشی اس طرح کی گئی ہے :

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝
(سورۃ الاحزاب: ۱۰-۱۱)

یاد کرو اس وقت کو جب کہ صورتحال یہ تھی کہ دشمن اوپر سے بھی چڑھے آرہے تھے، نیچے سے بھی، تمہاری آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اور تمہارے کلیجے منہ کو آرہے تھے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے، اس وقت ایمان والوں کی زبردست آزمائش ہوئی تھی، اور انہیں ہلا کر رکھ دیا گیا تھا۔

متحدہ محاذ کا لشکر جرار:

یہ وہ موقع تھا کہ مکہ والوں نے، یہودیوں نے، غطفان کے قبیلہ والوں نے سب نے مل کے یہ طے کیا تھا کہ اس مرتبہ مسلمانوں کے قدموں کو اکھاڑ پھینکنا ہے، اور ان کی طاقت کو بالکل نیست و نابود کر دینا ہے، اس مہم کے لئے مکہ سے ایک بہت بڑا لشکر چلا، قبیلہ غطفان کے لوگ بھی ساتھ ہوتے گئے، ان کے علاوہ دیگر چھوٹے چھوٹے قبائل بھی شریک ہو گئے، دس ہزار فوجیوں پر مشتمل لشکر جرار مدینے کی طرف رواں دواں ہوا۔

خندق کی حکمت عملی :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک اطلاعات پہنچ رہی تھیں، خبریں مدینہ منورہ میں گرم تھیں، منافقین پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی، کہ جان بچا کر کہاں جائیں؟ اور یہودی دہشت پھیلانے کا خاموش اور سازشی کام کر رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کے لئے ذمہ دار صحابہ کو طلب کیا، ان میں حضرت سلمان فارسی بھی تھے، جو ۲ھ میں اسلام لائے تھے انہوں نے عرض کیا کہ: حضور! ہمارے ہاں ایران میں قلعہ یا آبادی کے گرد خندق تیار کرنے کی حکمت عملی اختیار کی جاتی ہے، موجودہ صورتحال میں مدینہ منورہ

کے تحفظ کے لئے شمالی رخ پر خندق تیار کرلی جائے، دوطرف سے "حرات" (نوکیلی پتھریلی ناقابل عبور زمین) ہیں، اور جنوب میں گھنے باغات ہیں، ادھر نگرانی کی بعض چوکیاں کافی ہیں، یہ مشورہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آیا، یہ حکمت عملی آپ کے نزدیک مناسب تھی، تین ہزار مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ چار چار گز کا ٹکڑا لے کر خندق کھودنا شروع کریں، سارے مسلمان مزدور بن گئے، اور سلع نامی پہاڑی سے احد پہاڑ تک خندق کھود دی گئی، مختلف قبیلوں نے اپنے اپنے محلوں میں بھی خندق کھود لی، اور یہ سلسلہ چلتے چلتے قباء تک پہونچ گیا، تقریباً تین میل لمبی خندق تھی جو دس فٹ گہری تھی، اور تقریباً اتنی ہی چوڑی تھی، اس کو کھودنے میں جب صحابہ کرام لگے تھے تو آقائے نامدار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک مزدور کی طرح سے خندق کھودرہے تھے، مٹی سے آپ کے کپڑے اٹے ہوئے تھے، پھاوڑا آپ کے ہاتھ میں تھا۔

عراق وشام اور یمن کی فتوحات کی جھلکیاں :

خندق کی کھدائی کے دوران ایک حصہ میں ایسی چٹان آ گئی جو کسی طرح ٹوٹنے کے لئے تیار نہیں تھی، غالباوہ سنگ مرمر کی چٹان تھی، لوگ حضور کے پاس آئے اور کہا ایک چٹان ٹوٹ نہیں رہی ہے، اگر وہ رہی جاتی ہے تو ادھر سے دشمن کی فوج داخل ہوسکتی ہیں، آپ وہاں تشریف لائے، ہاتھ میں کدال لی، حضرت جابر بن عبداللہ اور دیگر راوی کہتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلی مرتبہ ضرب لگائی اور چنگاریاں نکلیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عراق کے محل میرے سامنے روشن کر دیئے گئے، پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی اور چنگاریاں نکلیں تو آپ نے فرمایا: شام کے محلات میری نگاہوں کے سامنے آ گئے، پھر تیسری مرتبہ جب آپ نے کدال ماری تو فرمایا: یمن کے محلات مجھے دکھائے گئے، پھر جو آخری ضرب لگائی تو وہ پوری چٹان اس طرح بکھر گئی جیسے ریت کا تودہ ہو، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے یعنی آپ کو دودن کا فاقہ تھا۔

کھانے میں برکت کا معجزہ :

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں، کہ حضور کی حالت دیکھ کر مجھ سے برداشت نہ ہوسکا، میں لپک کر گھر گیا اور اہلیہ سے پوچھا کہ کھانے کو کچھ ہے؟ گھر میں بکری کا ایک بچہ تھا اور کچھ جَو تھے، اہلیہ نے جَو

پیسے، میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا، کھانا تیار ہونے لگا، میں حاضر خدمت ہوا، اورعرض کیا کہ مختصر سا کھانا ہے حضور دو چار ساتھیوں کو لے کر تشریف لے چلیں، حضور نے فرمایا کہ کتنا کھانا ہے؟ عرض کیا تین چار افراد کا ہے، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے خندق والو! چلو جابر کے یہاں دعوت ہے، حضرت جابر کہتے ہیں کہ میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی، میں بھاگا ہوا بیوی کے پاس آیا، اور اس سے کہا کہ حضور سب کو لیکر آ رہے ہیں، بیوی نے ناراض ہوتے ہوئے کہا کہ آپ نے شور مچا دیا ہوگا، میں نے کہا بالکل نہیں میں نے بہت خاموشی سے عرض کیا تھا، تو بیوی نے کہا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اعلان فرمایا ہے، اور سب کو دعوت دی ہے تو سب کو آنے دیجئے اللہ عزت رکھے گا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا : کہ جابر: گھر جا کر کہہ دو کہ روٹی ابھی تیار نہ کی جائے اور نہ دیگچی پر سے ڈھکن ہٹایا جائے، جب آپ گھر پہنچے تو دیگچی کا ڈھکن ہٹا کر دم فرمایا، اور آٹے پر دم کیا پھر روٹی پکانی والی سے فرمایا کہ اب روٹیاں پکاتی چلی جاؤ، اور خود بیٹھ گئے، روٹی تازہ بتازہ پک رہی تھی آپ ایک ایک روٹی لیتے جاتے تھے اور دیگچی سے گوشت کی ایک ایک بوٹی نکالتے تھے، اور فرماتے تھے، کہ لو، لائن سے صحابہ کرام آتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے یہ نعمت لیتے رہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ان کی تعداد ایک ہزار تھی جنہوں نے کھانا کھایا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا تناول فرمایا، پھر ارشاد فرمایا کہ اب تم گھر کے لوگ کھالو، اور آس پڑوس کے لوگوں کو بھی بھجوا دو، حضرت جابر کا بیان ہے کہ بخدا دیگچی ویسی ہی بھری تھی، اور آٹے کی لگن سے لگتا تھا کہ آٹا لیا ہی نہیں گیا۔

یہ معجزہ نبوی خندق کھودنے کے دوران پیش آیا تھا، ظاہر ہے کہ اہل ایمان کے ان مشاہدات نے ان کے ایمان کو عین الیقین اور حق الیقین بنا دیا ہو، تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے!!

خندق کے ساتھ پشتے کا انتظام:

خندق احد پہاڑ کے مغربی رُخ پر ''شیخین'' کے مقام سے یا ''سلع'' پہاڑی کے پیچھے مغربی رخ تک کھودی گئی، پھر ''وادی بطحان'' اور ''وادی رانوناء'' تک پہنچائی گئی، تین میل لمبی خندق کھودنے میں تقریباً بیس دن لگ گئے، اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ لشکر، مکہ مکرمہ سے روانگی کے بارے میں

سوچ رہا تھا، کہ ادھر خندق کی کھدائی کا کام انجام دے دیا گیا، خندق کی مٹی مدینہ منورہ کے رخ پر ڈالی گئی تا کہ خندق اور مسلم فوج کے درمیان ایک دیوار اور اوٹ ہوجائے جس نے ایک پشتہ اور فصیل کا کام کیا۔

دشمن کے لئے صدمہ:

کافروں کا لشکر جرار جو اکثریت کی طاقت کی بھرپور نمائندگی کر رہا تھا، اور دشمن اتحادی طاقتوں کا ایک سیلاب بلاخیز تھا، ''جرف'' اور ''زغابہ'' کے درمیان ''بئر رومہ'' کے قریب خیمہ زن ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خندق والی حکمت عملی اس کے لئے ایک سخت صدمہ ثابت ہوئی۔

مدینہ منورہ کی داخلی صورتحال :

مسلمان رضا کاروں کی تعداد تین ہزار تھی، جو تین میل لمبی خندق کی نگرانی پر مامور تھے، کہ کہیں سے دشمن داخل نہ ہونے پائیں، مسلمانوں کے پاس ۳۶ رگھوڑے تھے، شہر مدینہ منورہ اور مضافات بالخصوص جنوبی علاقہ کی نگرانی پر حضرت زید بن حارثہ کی قیادت میں تین سو رضا کار اور سلمہ بن اسلم کی سرکردگی مین دوسو رضا کار حالات پر نگاہ رکھنے کے لئے مختلف علاقوں میں تعینات تھے، عورتوں اور بچوں کو بعض محفوظ قلعوں میں بھیج دیا گیا تھا۔

مقابل فوجیں :

ایک طرف خندق کے اردگرد فریقین کی فوجوں کا آمنا سامنا تھا، تین ہزار فوجی دس ہزار فوجیوں کے لشکر کے مقابل تھے، موسم سخت سردی کا تھا، دشمن کی طرف سے خندق پار کرنے اور اندر گھسنے کی بار بار کوشش ہورہی تھی، ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص ہبیر بن وہب اور ضرار بن خطاب کمانڈروں نے متعدد بار کوششیں کیں جن کو ناکام بنایا گیا، نوفل بن عبداللہ دشمن کی صفوں سے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بڑھا لیکن خندق میں گرا اور مر گیا، ایک دن عرب کا مشہور پہلوان اور جنگجو عمرو بن عبدوّد جس کو دس ہزار آدمیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا، اندر گھس آیا، حضرت علی نے اسکو ٹھکانے لگایا۔

نمازوں کی تاخیر اور صلاۃ الخوف:

محاصرہ کے دوران تیراندازی بھی غضب کی ہوتی تھی، تیروں کی بارش میں خندق پار کرنے کی کوششیں جاری تھیں، جس کے نتیجہ میں ایک دن عصر کی نماز اور ایک دن ظہر، عصر، اور مغرب تین نمازیں قضا ہوئیں، اس وقت تک کیونکہ صلاۃ الخوف (جنگ کے دوران نماز) کا حکم نہیں آیا تھا، اسلئے جنگی ضرورت کے پیش نظر نمازیں مؤخر کی گئیں۔ اس سے اسباب وتوکل کے درمیان ربط سمجھنے میں مدد ملتی ہے، جنگی ضرورت کو مقدم کیا گیا، اور نماز جیسی عبادت کو مؤخر، پھر جب جنگ کی نماز (صلاۃ الخوف) کا حکم آیا تو اس میں اسی اصول کو بنیاد بنایا گیا کہ جیسی جنگ کی ضرورت ہو، ویسی ہی ترکیب نماز کی اختیار کی جائے، دشمن کے رخ پر نماز کی صف بندی ہو، تو طریقہ الگ ہے، قبلہ دوسری طرف ہو، محاذ جنگ دوسری سمت ہو، تو جماعت کا نظام بالکل الگ ہے، ضرورت پڑنے پر پیدل، سوار، پورے ارکان کے ساتھ یا اشاروں کے ساتھ نماز کی ادائیگی کریں، جنگ، اسکی جماعت اور ارکان کی ادائیگی کی ترتیب طے کرے گی۔

یہودی شرارتیں اور بنوقریظہ کی غداری:

اس جنگ کو بھڑکانے میں یہودیوں کا بڑا ہاتھ تھا، قبیلہ بنونضیر کا سردار سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع اور سلام بن مشکم اس جنگ کی آگ لگانے میں بہت پیش پیش تھے، انہوں نے مکہ اور دیگر قبائلی علاقوں اور غطفان کے علاقوں کا دورہ کر کے خوب آگ بھڑکائی تھی، غطفانیوں سے تو انہوں نے خیبر کی ایک سال کی پیداوار دینے کا بھی وعدہ کیا تھا، دوسری طرف حییّ بن اخطب نے بنوقریظہ کو آمادہ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، اس نے بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کو مدینہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرلیا، یہ یہودیوں کا آخری قبیلہ تھا جو جنوبی علاقہ میں بسا ہوا تھا، اور باوجود اس کے کہ اس کی طرف سے بدعہدی اور غداری کے بار بار اشارے مل رہے تھے، لیکن کھل کر ابھی کوئی بات سامنے نہیں آئی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا، اسلئے آپ نے جنوبی علاقہ میں رضا کاروں کی چوکیاں بنوا رکھی تھیں، حضرت زبیر بن عوام خاص طور پر ان کی نقل وحرکت کی نگرانی پر مامور تھے۔ عباد بن بشر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ دستہ کے سالار تھے، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنوقریظہ کی

غزوہ بنی قریظہ

بدعہدی اور دشمنوں سے ساز باز اور تیاریوں کے اشارے دیئے، جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سردار اوس، سعد بن معاذ، سردار خزرج، سعد بن عبادہ اور عبداللہ بن رواحہ اور خوات بن جبیر کو براہ راست معلومات حاصل کرنے اور یہودی لیڈروں سے بات کرنے بھیجا اور یہ فرمایا کہ وہ اگر بدعہدی دیکھیں تو اشارہ کردیں، صراحت نہ کریں، تاکہ لوگوں میں ہراسانی نہ پھیلے، انہوں نے تحقیق حال اور بات چیت کے بعد حضور ﷺ کے پاس آکر کہا ''عضل والقارۃ'' یہ واقعہ رجیع کی طرف اشارہ تھا، حضور ﷺ اس خطرناک اشارہ کو فوراً سمجھ گئے، عام لوگوں کا ذہن اصل حقیقت کی طرف نہیں گیا۔

خطرہ ٹالنے کی ایک کوشش:

اب حالات بہت سنگین تھے، یہودیوں اور مشرکوں کا اتحاد (Allaince) ایک طرف سامنے سے ہولناک خطرہ بنا ہوا تھا، اب اگر دوسری طرف شہر کے جنوبی علاقہ سے بھی بغاوت ہوتی ہے تو حالات قابو سے باہر ہوجائیں گے۔ یہی موقع تھا جب مسلمان سخت نفسیاتی دباؤ میں تھے، آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اور کلیجے منہ کو آرہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرحلہ پر یہ فیصلہ فرمایا کہ غطفانیوں کو اس اتحاد سے الگ کرنے کیلئے اگر مدینہ کی پیداوار کا ایک بڑا حصہ دینا پڑے، اور اس پر ان سے مصالحت ہوجائے، تو خطرہ کو ٹالنے کے لئے یہ قدم بھی اٹھالینا چاہئے، لیکن یہ مسئلہ اوس وخزرج کے لوگوں کے اتفاق کے بغیر طے نہیں ہوسکتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادۃ سے بات کی، انہوں نے عرض کیا کہ کیا حضور یہ قدم ہماری خاطر اٹھانا چاہتے ہیں؟ فرمایا ہاں! عرض کیا دور جاہلیت میں بھی یہ کبھی ہم لوگوں سے ایک حبہ نہیں لے سکے، اب تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اسلام کی عزت عطا فرمائی ہے، اب اسکا کیا امکان ہے، حضور! صلی اللہ علیک وسلم! بالکل اسکی زحمت نہ فرمائیں۔

دشمن کے اتحاد کو توڑنے کی حکمت عملی:

بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت فکرمند تھے، کہ ایک غیبی انتظام اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہ نعیم بن مسعود جو قبیلہ غطفان سے تعلق رکھتے تھے، مسلمان ہوگئے، وہ خفیہ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ غلام حاضر ہے اس موقع پر جو خدمت ہو ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا

کہ دشمن کی طاقت توڑ دو، انہوں نے اس سلسلہ کی کارروائی کی اجازت لی، اور مہم پر روانہ ہو گئے، وہ بنو قریظہ کے سرداروں سے ملے، اور ان سے کہا کہ تم اپنی قضا کیوں بلا رہے ہو، دیکھ چکے ہو کہ بنو قنیقاع اور بنو قریظہ کا انجام کیا ہوا، یہ جھتے جو شمالی رخ پر ہیں، اگر نا کام ہوتے ہیں، تو چھوٹ جائیں گے، اور اپنے اپنے علاقوں میں چلے جائیں گے، اور پھر تم کو ان سے تعاون کا نتیجہ اکیلئے بھگتنا پڑے گا، اگر تم اپنا تحفظ چاہتے ہو تو ان سے یرغمال طلب کرو، کہ تم کو چند افراد حوالے کئے جائیں، تا کہ معاہدہ اتحاد کا پختہ ہو۔ اور تم ان کے ذریعہ ان جتھوں پر اپنا دباؤ بنائے رکھو۔

پھر نعیم، اتحادی فوجوں کے سرداروں سے ملے، اور ان سے کہا کہ یہودیوں پر اعتماد کر کے جنگ چھیڑنا عقلمندی کے خلاف ہے، یہ لوگ بہت دھوکہ باز، اور دغا باز ہوتے ہیں، اور ہمیں یہ شک ہے کہ یہ اس وقت تک جنگ میں شرکت نہ کریں گے، جب تک آپ لوگوں سے یرغمال نہ طلب کر لیں، اور اندر اندر یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یرغمالوں کی بنیاد پر سودا بازی کر لیں گے۔

نعیم بن مسعود کی حکمت عملی، جتھوں کو توڑنے اور اتحاد کو بکھیرنے میں کامیاب ہوگئی، اتحادی افواج نے یہودیوں سے سنجیدگی کے ساتھ اور زور دے کر شرکت جنگ کا مطالبہ کیا، انہوں نے ''یرغمال'' طلب کئے، نعیم بن مسعود کی بات ذمہ داروں کو یاد تھی، انہوں نے آپس میں کہا کہ یہودی فریب کرنا چاہتے ہیں، بے اعتمادی کی لہر دوڑ گئی، بدگمانی کا زہر پھیل گیا۔

ممکنہ اسباب وانتظامات کے بعد نصرت الٰہی:

اب جتنے اسباب ممکن تھے، وہ سب استعمال ہو چکے تھے، خندق کھودی گئی، اپنی طرف دیوار اٹھائی گئی، تین میل کے حدود کی چوبیس گھنٹوں نگرانی اور چوکیداری کا زبردست انتظام کیا گیا، شہر میں جابجا چوکیاں قائم کی گئیں، عورتوں اور بچوں کو قلعوں میں منتقل کیا گیا، جنوبی حصہ پر رضا کار متعین کئے گئے، غطفانیوں کو اتحاد سے الگ کرنے کا منصوبہ سوچا گیا، اسکے بارے میں مشورہ کیا گیا، جھتوں کو توڑنے کے لئے ایک کامیاب سفارت کار کی جو اندر سے مسلمان اور ظاہر سے غیر مسلم سردار تھے، خدمات حاصل کی گئیں، انتظامات کے قبیل کے جو اقدامات تھے وہ سب کر لیے گئے، اب ''ان تنصروا اللہ ینصرکم'' کا

مظاہرہ ہونا تھا، خدا تعالی، نکموں، بدعہدوں، بہانہ بازوں، اسباب چھوڑ کر صرف ''وظیفوں'' پر تکیہ کرنے والوں کی مدد نہیں کرتا، اسکے ہاں شرط ہے کہ پہلے تم ''نصرت وتایید وتقویت، اور جان ومال سے جہاد کے شرائط پورے کرو، پھر ہم غیب سے نصرتوں کے حیرت انگیز مناظر دکھائیں گے''۔

کفر کا جمگھٹا ٹوٹ گیا:

یہ مرحلہ اب آ گیا تھا ''بادصبا'' اپنے خرام ناز کے لئے مشہور ہے، لیکن جب محاصرہ کے بیس پچیس دن گزر گئے تھے، لگ رہا تھا کہ مدینہ اب اجاڑ دیا جائیگا، سامنے سے اور پیچھے سے حملہ ہوگا، بے انتہا کشت وخون ہوگا، اور شرک وکفر کے سیلاب کے بیچ یہ جزیرہ ٹھہر نہ پائے گا، اچانک ''بادصبا'' نے ایک ایسی طوفانی آندھی کی شکل اختیار کی جسکا شدت کے ساتھ رخ کافروں کی خیمہ گاہوں کی طرف تھا، ہواؤں کا جھکڑ اتنا زبردست تھا کہ خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں، کھونٹیاں اکھڑ گئیں، سامان بری طرح بکھر گئے، پوری چھاؤنی زیروزبر ہوگئی، دہشت کا یہ عالم کہ فوجیوں کے ہوش وحواس اڑ گئے، آندھی کا زور تھمنے کے ساتھ کڑاکے کی سردی پڑی، دانت بجنے لگے، رات کا اندھیرا چھاتا گیا، سردی سے کپکپی طاری ہونے لگی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت حضرت حذیفہ بن الیمان کو خفیہ طور پر لشکر کا جائزہ لینے کے لئے رات کے اندھیرے میں روانہ کیا، اتنی خطرناک مہم پر وہ روانہ ہوئے، اور پھر نہایت رازداری، اور مہارت کے ساتھ جائزہ لے کر رات کے آخری حصہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں تہجد پڑھ رہے تھے، واپس پہنچ گئے، سلام پھیرنے پر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رپورٹ دی کہ دشمن کے پیر اکھڑ گئے، بھگدڑ مچ گئی، اور اب ان کی روانگی ہے، اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کس زبان سے اپنے مالک کا شکر ادا کیا ہوگا، اور کیسا سجدہ انابت کیا ہوگا، یہ تو بس انہیں اور پروردگار عالم کو معلوم ہے، لیکن دن نکلتے نکلتے یہ خوشخبری پھیل گئی کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ تاریخ بدل گئی، ایک دور ختم ہوگیا، نیا دور شروع ہوا، اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ آئندہ ہم پر حملہ آور نہیں ہوسکیں گے، خدا تعالیٰ نے کفر کی کمر توڑ دی، جس نصرت کا اس نے وعدہ فرمایا تھا، اس کا ایک اہم اور بنیادی مرحلہ پورا ہوگیا۔

وعدۂ الٰہی پورا ہوا :

جنگ احزاب کے واقعات کی تمہید میں اس کا تذکرہ یوں فرمایا گیا ہے :

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (سورۃ الاحزاب :۹)	اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو کہ جب تم پر لشکروں نے چڑھائی کی تھی، تو ہم نے ان پر آندھی بھیج دی، اور ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خوب آگاہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نصرت کو یاد کرتے، اور یاد دلاتے رہتے تھے، فرمایا کرتے تھے :

”لا اله الا الله وحده لا شريك له، نصر عبده، وهزم الأحزاب وحده“

اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اسکا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنے بندہ کی مدد فرمائی، اور تن تنہا تمام جتھوں کو شکست دی۔

حاصل جنگ :

اس جنگ میں ۶ر مسلمان شہید ہوئے، ۸ر کفار مارے گئے، محاصرہ تقریبا ایک ماہ جاری رہا، شوال کی اخیر تاریخوں میں شروع ہوکر ۲۳ر ذی قعدہ ۵ھ بروز بدھ مسلمان محاذ سے اپنے گھروں کو واپس ہوئے، عہد مدنی کا دوسرا مرحلہ اختتام کو پہونچا۔

آستین کے سانپ، پیٹھ کے خنجر :

اب مدنی دور کا تیسرا مرحلہ شروع ہورہا تھا، ہر جنگ کے بعد اپنی صفوں، علاقوں اور آبادی کے مختلف طبقوں کا جائزہ ضروری تھا، ہر بیرونی جنگ اندرونی خطرات کی نشاندہی کرتی تھی، لہٰذا امارت مدینہ کے استحکام کے اقدامات کئے جاتے رہے، بدر کے بعد بنوقینقاع کے فتنہ سے نمٹا گیا، احد کے بعد بنونضیر کو کیفر کردار تک پہونچایا گیا، اور اب تو جنگ خندق کے دوران بنوقریظہ صرف آستین کے سانپ نہیں، پیٹھ

میں زہر آلود خنجر بن کر سامنے آ چکے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محاذ جنگ سے گھر تشریف لائے، نہانے لگے، اتنے میں جبریل امین نمودار ہوئے، گھوڑے پر سوار ایک فوجی کی شکل میں، اور یوں شکوہ سنج ہوئے کہ ''ارے آپ نے ہتھیار رکھ دیئے، چلئے، ادھر چلنا ہے'' اشارہ صاف بنوقریظہ کے علاقہ کی طرف تھا، بدھ کے دن کی نماز فجر تو محاذ پر ہوئی تھی، ظہر کی نماز مسجد نبوی میں ہوئی، اس کے بعد ہی آپ نے اعلان فرما دیا کہ عصر کی نماز بنوقریظہ کے علاقہ میں ہوگی، فوراً مسلح ہوکر ادھر روانہ ہوں، جو جنگ خندق کے محاذ پر تھے، انہوں نے فوراً تیاری کر کے بنوقریظہ کے علاقہ (مدینہ کے جنوبی حصہ) کا رخ کیا، کچھ لوگوں نے عصر کی نماز راستہ میں پڑھ لی، اور کچھ لوگوں نے وہاں پہونچ کر پڑھی، کیونکہ دونوں نے وقت کا لحاظ رکھا تھا، اور مقصود و منشا حکم کا یہی تھا، اس لئے آپ نے دونوں میں سے کسی پر نکیر نہیں فرمائی، عصر بعد بنوقریظہ کے علاقہ کا محاصرہ کیا جا چکا تھا، ان کو اب اپنا انجام نظر آ رہا تھا، ان کے سمجھ داروں نے ان کو بدعہدی سے ڈرایا تھا، لیکن ان کی طبیعت کے فساد اور بدعہدی کے مزاج نے یہ گل کھلائے تھے، اور یہ دن دکھلائے تھے۔

حضرت ابولبابہ کا احساس ندامت :

ان کی آبادی میں تقریباً ۴۰۰/ ۶۰۰/مرد تھے، باقی عورتوں اور بچوں کی مجموعی تعداد ۷۵۰/ بتائی گئی ہے، محاصرہ تنگ ہوتا گیا، ۱۵/دن سے ۲۵/دن تک محاصرہ کے سلسلہ میں روایتیں ہیں، انہوں نے حضرت ابولبابہؓ کو مشورہ کے لئے طلب کیا، انہوں نے اپنے اندازہ سے یہ اشارہ دے دیا، کہ قلعہ سے اترنے پر ان کی گردنیں اڑادی جائیں گی، لیکن فوراً انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور جا کر مسجد نبوی کے ایک ستون سے اپنے کو اس جرم کے احساس میں باندھ لیا کہ حضور کی مساٗ ہوگی تو کھولیں گے۔

حضرت سعد بن معاذؓ کا فیصلہ :

قبیلہ خزرج کے لوگوں نے بنوقینقاع کی سفارش کی تھی، بنوقریظہ کے قبیلہ اوس سے قدیمی تعلقات تھے، انہوں نے اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ کو بطور حکم یا ثالث قبول کیا،، وہ جنگ خندق میں ''حبان بن العرقۃ'' کے تیر سے زخمی ہو چکے تھے، کہنی سے اوپر ورم پھیلتے پھیلتے سینہ تک پہونچ چکا تھا،

یہ تیر کے زہر کا اثر تھا، انہیں سہارے سے خچر پر بٹھا کر لایا گیا، انہوں نے کہا مجھے وہی فیصلہ کرنا ہے جو حق پر مبنی ہے، میری رائے ہے کہ ان غداروں کے جنگجو مردوں کو تہ تیغ کیا جائے، عورتوں بچوں کو گرفتار کرلیا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے بالکل خدا کی مشیت کے مطابق فیصلہ کیا ہے، تورات میں قانون کی یہی دفعہ بصراحت لکھی ہے، تورات کے باب استثناء کی دفعات ۱۰ تا ۱۴ر میں یہ حکم ہے کہ بدعہدوں اور غداروں کو تہ تیغ کیا جائے، لہٰذا اسی پر فیصلہ ہو گیا۔

تورات کے حکم کے مطابق یہودیوں کو تہ تیغ کیا گیا :

اسکو قبول کئے بغیر کوئی چارۂ کار بنو قریظہ کے پاس نہ تھا، اس فیصلہ کے مطابق عمل کیا گیا، ۴۰۰ر سے ۶۰۰ر افراد تک ان لوگوں کی تعداد ذکر کی جاتی ہے۔ جن کو اس موقعہ پر ان کے جرائم کی پاداش میں قانون ''تورات'' کے مطابق قتل کیا گیا، یہی عمل، زیادہ شدت، سختی اور مشرکانہ عمل سے نفرت کے اظہار کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بدطینت ''یہودیوں'' کے ساتھ کیا تھا، جنہوں نے جزیرہ نمائے سینا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی، طور پہاڑ پر چلہ کشی اور ان کے درمیان غیر موجودگی کے دوران -سامری کے فتنہ سے متاثر ہو کر- بچھڑے کی پوجا کی تھی، اور اسکی عقیدت میں دیوانے ہو گئے تھے، پھر بحکم الٰہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ حکم فرمایا تھا کہ سگا بھائی جو شرک سے محفوظ رہا یا قریب ترین رشتہ دار اس بھائی یا رشتہ دار کو مارے اور اسکی گردن اڑا دے جس نے شرک کیا، واقعہ یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوتے تو بنو قریظہ کی غداری اور بدعہدی کی سزا اس سے سخت دیتے، جتنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کے اپنے پسندیدہ حَکَم کے فیصلہ شرعی کی بنیاد پر دی، آپ کے بعض صحابہ کرام نے بعض یہودیوں کی، سفارش کی انہیں ان سے اچھی توقعات تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت فراخدلی سے ان کی سفارشات قبول فرمائیں۔

بنو قریظہ کا مال غنیمت :

یہودیوں کا یہ تیسرا قبیلہ تھا جو مدینہ منورہ میں رہ گیا تھا اسکی طاقت ٹوٹ گئی اس کے جنگجو تہ تیغ کر دیئے گئے، مسلمانوں کو ان سے ۱۵۰۰ر تلواریں، ۲۰۰۰ر نیزے، ۳۰۰ر زرہیں، ۱۵۰۰ر

ڈھالیں اور بڑی تعداد میں بکریاں، اونٹ، اور دیگر ساز و سامان ملے، یہ مال غنیمت خمس نکال کر مجاہدین میں تقسیم کردیا گیا، شراب کے مٹکے توڑ دیئے گئے، شراب بہادی گئی، غیر منقولہ جائداد کے حصے مہاجرین کو خصوصی طور پر اسلئے دیئے گئے، کہ وہ ضرورت مند تھے، اوران سے کہہ دیا گیا کہ وہ انصار کی مستعار چیزیں واپس کردیں۔

حضرت ریحانہ بنت عمرو :

بنوقریظہ کی ایک معزز خاتون ریحانہ بنت عمرو مسلمان ہوگئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اختیار دیا چاہیں تو انہیں آزاد کردیا جائے، اور وہ حرم نبوی میں داخل ہوجائیں، اور چاہیں تو۔ ملک میں رہیں۔ انہوں نے اس کو ترجیح دی کہ بحیثیت مملوکہ رہیں۔

مسجد میں حضرت رفیدہ کا کلینک اور حضرت سعد کا علاج :

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زہر آلود تیر کے زخم سے بے حال تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اگر اب کوئی مقابلہ کفار قریش سے باقی نہ رہا تو مجھے اسی مرض میں اور اسی زخم کی حالت میں اٹھالے، ان کا علاج مسجد نبوی کے آنگن میں حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا کے موبائل کلینک میں ہورہا تھا، ایک خیمہ سردار اوس کے لئے تھا، جو زیر علاج تھے، اوران کے تیماردار ساتھ رہتے تھے، دوسرا خیمہ چلتا پھرتا اسپتال تھا جو لیڈی ڈاکٹر رفیدہ رضی اللہ عنہا کا تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی مریض کی قریب سے دیکھ ریکھ کے لئے مسجد نبوی کے صحن میں اسکا انتظام کروایا تھا۔

خواتین کی طبی خدمات :

جنگوں کے دوران خواتین کا فرسٹ ایڈ (First Aid) کام اور بحیثیت ڈاکٹر خواتین کی طبی خدمات جن کی مثالیں عہد نبوی میں باوجود قلت وسائل کے ملتی ہیں مستقل ایک موضوع ہیں، جن پر تحقیقی مقالات تیار ہونے چاہئیں۔

حضرت سعد بن معاذ اس زخم سے جانبر نہ ہوسکے، ورم ایک پھوڑا بنتا گیا، جو آخر کار پھٹ گیا، اور خون کی تیز دھار بہنا شروع ہوگئی، اور اسی سے ان کا انتقال ہوگیا۔

حضرت زید کی حضرت زینب سے شادی :

اسی زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کی شادی حضرت زید بن حارثہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فکر واہتمام اور اصرار سے ہوئی، حضرت زید حضور کے متبنیٰ (لے پالک) تھے۔

رسم تبنّی کا خاتمہ اور حضرت زینب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی :

جنگ احزاب (خندق) کے بعد جب سورۂ احزاب نازل ہوئی تو ''تبنی'' کی رسم جاہلیت کو شدّ ومدّ سے ختم کردیا گیا، کہ بیٹا صلبی ہوتا ہے، بنا لینے سے نہیں، زید وزینب میں نباہ نہ ہوسکا، اور طلاق کی مجبوری پیش آنے کے بعد متبنی کی مطلقہ سے شادی کو ممنوع قرار دینے کی جاہلی رسم کو عملاً ختم کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاکید حکم ربانی ملا، کہ آپ زینب سے شادی کرلیں، آپ جاہلی معاشرہ کے زبردست طعن وتشنیع اور اسلام پر اسکے منفی اثرات کو سوچ سوچ کر پریشان تھے، اور چاہتے تھے کہ یہ حکم ٹل جائے، لیکن عتاب آمیز انداز میں قطعی حکم دے دیا گیا، کہ یہ قدم آپ کو اٹھانا ہے، اور کسی کا خوف نہیں کرنا ہے، خوف صرف اللہ سے ہونا چاہئے، آخر حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اُمہات المؤمنین میں داخل ہوگئیں۔

سریہ محمد بن مسلمہ :

جنگ خندق اور بنو قریظہ سے نمٹنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتاریخ ۱۰ رمحرم ۶ ؍ہجری کو محمد بن مسلمہ کی قیادت میں ایک بٹالین کو نجد کے علاقہ میں قبیلہ بنی بکر بن کلاب کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، جنہوں نے متحدہ محاذ کا ساتھ دیا تھا، اور فتنہ پروری میں پیش پیش تھے، محمد بن مسلمہ نے جنگی کارروائی مکمل کامیابی کے ساتھ انجام دی، مال غنیمت میں (۱۵۰) اونٹ اور تین بکریاں ہاتھ لگیں۔

ثمامہ بن اثال کی گرفتاری :

واپسی میں قبیلہ بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنفی کو گرفتار کرکے مدینہ لائے، وہ مسیلمہ

کذاب کی طرف سے حضور ﷺ کے قتل کے ارادہ سے نکلا تھا، بحکم نبوی اسے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا تھا، مسجد سے عارضی جیل کا بھی کام لے لیا جاتا تھا، اور مسافر خانہ کا بھی، اور جیسا کہ ابھی آپ نے پڑھا اسپتال اور دواخانہ کا بھی، اور یہ سب کچھ تربیتی نقطۂ نظر سے ہو رہا تھا۔

اخلاق نبوی نے ثمامہ کی دنیا بدل دی :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں کے اوقات میں ثمامہ کے پاس سے گزرتے، خیریت پوچھتے، ثمامہ کہتے آپ کو حق ہے چاہیں احسان فرمائیں، چاہیں گردن زدنی قرار دیں، تیسرے دن رحمتِ عالم نے متعلقہ صحابہ کو حکم فرمایا کہ ثمامہ کو کھول دو، وہ مسجد سے باہر گئے، قریب کے کسی باغ میں جا کر نہا دھو کر پاک ہو کر آ گئے، اور دل کی گہرائیوں سے، عقیدت وعظمت کے احساس اور محبت کے جوش کے ساتھ کلمہ شہادت ادا کیا، لوگوں کو حیرت ہوئی کہ انہوں نے پہلے دن ایسا کیوں نہیں کیا، ان سے پوچھا گیا تو عرض کیا اگر میں پہلے اسکا اظہار کرتا تو یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ قید سے خلاصی کے لئے ایسا کر رہا ہے، اب جب کہ میں آزاد کر دیا گیا، تو میں نے اپنے اختیار سے اور آزادی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر بولے: حضور! مجھے آپ سے شدید ترین نفرت تھی (ظاہر ہے پروپیگنڈہ کا اثر تھا) اب آپ سے زیادہ دنیا میں کسی سے محبت نہیں (یہ دیدار اور کردار کے مشاہدہ کا نتیجہ تھا)۔

غزوہ بنولحیان :

واقعۂ رُجیع کے ملزموں کے خلاف کارروائی :

ربیع الاول ۶ھ میں قبیلہ بنولحیان کی غداری، سرکشی اور وحشیانہ حرکت کا بدلہ لینے کے لئے۔ جنہوں نے ''رجیع'' کے علاقہ میں دھوکہ سے آٹھ صحابہ کو گھیر کر شہید کیا، اور دو صحابہ (حضرت خبیب اور حضرت زید بن الدثنہ) کو مکہ لے جا کر سولی پر چڑھوایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس ۲۰۰؍ مجاہدین کے ساتھ نکلے، امج اور عسفان کے درمیان وادی ''غرّان'' پہونچ کر شہداء کے لئے دعاء فرمائی، یہی مقام تھا جہاں انہیں شہید کیا گیا تھا، پھر کارروائی کے لئے آگے بڑھے، لیکن بنولحیان کے بدمعاش اور بزدل دشمن علاقہ سے بھاگ کر پہاڑی علاقوں میں چھپ گئے، آپ نے دو دن قیام کیا اور حضرت ابوبکر

کی سرکردگی میں ۱۰ / مجاہدین کی ٹیم کو دشمن پر مزید رعب طاری کرنے کے لئے ''کراع الغمیم'' تک بھیجا جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے۔

غزوۂ غابہ یا ذی قرد :

ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بنولحیان کے تعاقب سے واپس آئے ہوئے چند دن گذرے تھے، کہ معلوم ہوا کہ عیینۃ بن حصن فزاری نے غطفان کے گھوڑ سوار دستہ کو لے کر مسلمانوں کے اونٹوں کی چراگاہ پر- جو سلع پہاڑی کے قریب تھی- حملہ کیا، حضرت ابوذر کے صاحبزادہ ''ذر'' نگراں تھے، انہیں شہید کر دیا، ان کی اہلیہ ''لیلی'' کو اغوا کیا اور اونٹ ہنکا کر لے گئے، جنگ خندق کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچی کھچی طاقتوں سے نمٹ رہے تھے، کہ کسی علاقہ سے پھر شورش نہ اٹھ سکے۔

حضرت سلمہ بن اکوع کی بہادری :

واقعہ کے بعد ہی ماہر ترین تیر انداز حضرت سلمہ بن اکوع جو دوڑ میں گھوڑوں کو بھی پچھاڑ دیتے تھے، سلع پہاڑی پر، خطرہ کا شور مچا کر تعاقب میں نکل پڑے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوری طور پر ان کی مدد کے لئے کچھ گھوڑ سواروں کو روانہ فرمایا، پھر خود بھی ۵۰۰ رمجاہدین کو لے کر آگے بڑھے، سلمہ بن اکوع کے تعاقب نے ہی دشمن کو حیران وحواس باختہ کر دیا تھا، وہ نہ صرف اونٹوں کو چھوڑ کر بھاگے، دہشت وخوف میں اپنا سامان بھی پھینکتے گئے، گرفتار خاتون اور مال واسباب واپس مل چکا تھا، ''ذی قرد'' کے مقام پر حضورؐ سے جب سلمہ بن اکوع کی ملاقات ہوئی، تو انہوں نے کمک کی درخواست کی کہ دشمن کو ٹھکانے لگا دیا جائے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقصد پورا ہوتا دیکھ لیا تھا، غطفانیوں پر بھی دہشت قائم ہو چکی تھی، جان بچا کر بھاگنے ہی میں انہیں عافیت نظر آئی اب مطلع صاف تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر میں چوٹ اور بیٹھ کر امامت :

اسی غزوہ سے واپسی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے سے گر پڑے تھے، داہنے پیر میں ایسی چوٹ آ گئی تھی کہ بیٹھ کر نماز کی امامت فرماتے تھے، اور مقتدیوں کو بھی حکم تھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھیں تا کہ دربار شاہی کے باادب چوبداروں اور سنتریوں کی صورت نہ بنے، وفات سے پہلے مرض الوفات میں جب ایک مرتبہ بیٹھ

غزوۂ ذی قرد

کرنماز پڑھائی توحکم دے دیا تھا کہ مقتدی کھڑے ہوکرنماز ادا کریں، ذہنی تربیت ہوچکی تھی، اب غلط تصور کا اندیشہ نہیں رہ گیا تھا، اور معمول کا حکم اپنی جگہ پر آ گیا تھا کہ مستطیع معذور کی نماز کیوں پڑھے۔

اس جنگی کارروائی کے بارے میں عام سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ بنولحیان کے بعد اس کا واقعہ ہوا، لیکن امام بخاری وامام مسلم نے اس کو جنگ خیبر کے تین دن بعد قرار دیا ہے۔

سریہ ابی عبیدہ بن الجراح اور ''عنبر'' مچھلی کا تحفہ :

اسی زمانہ میں قبیلہ جہینہ کے سرکشوں کی سرکوبی اور قریش کے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی کے لئے حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح کی سرکردگی مین ۳۰۰ مجاہدین کا ایک لشکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ فرمایا، اندازہ سے زیادہ وقت اس کارروائی میں لگا، ساحل سمندر کی طرف رسد بالکل ختم ہوگئی، ایک ایک کھجور سے دن بھر کام چلایا گیا، پتے کھائے گئے، پھر ساحل سمندر سے لگی ہوئی ایک بہت بڑی مچھلی ملی، یہ عنبر کہلاتی تھی، ۱۸/دن اس کا گوشت کھایا گیا، پھر مدینہ بھی اس کا باقیماندہ حصہ لایا گیا جس میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تناول فرمایا، مچھلی اتنی بڑی تھی کہ اس کی پسلی کھڑی کی گئی تو ایک لمبا آدمی اونٹ پر بیٹھ کر نیچے سے گزر گیا، آنکھ کا حلقہ اتنا بڑا تھا کہ ایک آدمی اس میں بیٹھ گیا، علم الحیوانات سے یہ بات ثابت ہے کہ مچھلی کی بعض قسمیں دیگر حیوانات کے مقابلہ میں سب سے زیادہ حجم رکھتی ہیں۔

دومۃ الجندل کے عیسائیوں کی سرکوبی اور اہم ترین ہدایات :

اسی زمانہ میں شعبان ۶ھ کا واقعہ ہے کہ شام کی سرحدوں کے قریب علاقہ ''دومۃ الجندل'' میں قبیلہ کلب کے عیسائیوں کے خلاف کارروائی حضرت عبدالرحمن بن عوف کی سرکردگی میں عمل میں لائی گئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت عمامہ باندھ کر حضرت عبدالرحمن کو روانہ فرمانا چاہا تو فرمایا دیکھو! جولوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں وہ قحط کے عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں، جولوگ بدعہدی کرتے ہیں، ان پر اللہ تعالی دشمن کو مسلط کردیتا ہے، جولوگ زکوۃ نہیں دیتے، وہ بارشوں سے محروم ہوجاتے ہیں، اگر جانور اور چوپائے نہ ہوں تو بارشیں بالکل بند ہوجائیں، اور جب بھی لوگوں میں فواحش پھیلتے ہیں، تو طاعون کی وباء مسلط ہوجاتی ہے، اور اگر شریعت قرآنی پر عمل نہیں کیاجاتا تو قوم میں تفرقہ وانتشار پیدا ہوجاتا ہے، اور خانہ جنگی ہوتی ہے۔

عیسائیوں کا قبول اسلام :

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اس دعوتی اور عسکری کارروائی کے آداب کا پورے طور پر لحاظ کیا، جس کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ قبیلہ کے ایک سردار ''اصبغ بن عمرو کلبی'' مسلمان ہوگئے، اوران کے قبیلہ کے بہت سے افراد مسلمان ہوئے، عیسائی بلاک میں جو رومن امپائر کے ماتحت تھا، یہ ایک کامیاب تبلیغی کوشش تھی، جس کی خبریں ضرور شام اور رومن امپائر کے دیگر علاقوں میں پہونچی ہوں گی۔

عُکل وعُرینہ کے وفد کی خباثت :

شوال ۶ھ کی بات ہے کہ قبائل عکل اور عرینہ کے آٹھ افراد مدینہ منورہ آئے، اسلام کا مظاہرہ کر کے مدینہ میں نہ صرف ضیافت نبوی میں رہے، بلکہ ہر طرح کے فوائد حاصل کیئے، لیکن مدینہ کی آب وہوا انہیں راس نہ آئی - باطن چونکہ خبیث تھا - مرض استسقاء میں مبتلا ہو گئے۔

مرض استسقاء کے لئے حضور ﷺ کا تجویز کردہ علاج :

حضور ﷺ ایک ماہر ڈاکٹر بھی تھے، آپ کا طب، عربی تجربات کے ساتھ وحی الٰہی کی نورانیت سے بھی روشن تھا، آپ نے مرض کے جراثیم کو مارنے کے لئے اونٹ کا پیشاب اور اس کی تیزابیت (Acidity) کو ختم کرنے کے لئے اونٹنی کا دودھ پینے کو بطور علاج تجویز فرمایا اور اونٹوں کے باڑہ میں بھیج دیا کہ وہاں خدمت گار ونگراں کے ساتھ رہیں، اور علاج کرلیں، علاج نبوی تیر بہدف ثابت ہوا۔

حکم قصاص کا نفاذ :

لیکن وہ بد باطن، خبیث فطرت، بھوکے لالچی، باڑہ کے خدمت گزار کو بے دردی سے مار کر اور جانور ہنکا کر بھاگ کھڑے ہوئے، اس اندوہناک اور وحشیانہ واقعہ کی اطلاع پہونچتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سریع الحرکت فورس (RAPID ACTION FORCE) کے عملہ کو ان بدبختوں کو گرفتار کرنے کے لئے دوڑایا، یہ مجرم پکڑے گئے اور حرہ کے علاقہ میں ان کو قصاصاً اسی طرح مخالف سمتوں سے ہاتھ پیر کٹوا کر اور آنکھوں میں سلائیاں پھروا کر مارا گیا جیسے انہوں نے باڑہ کے نگراں کے ساتھ کیا تھا۔

تربیتی مشن کے دوران جنگیں؛اضطراری کارروائیاں :

یہ اوران کے علاوہ چند دیگر کارروائیاں تھیں جو جنگ خندق کے بعد عمل میں لائی گئیں،ظاہر ہے کہ یہ مجبوری کے اور ایک طرح کے اضطراری اقدامات تھے، ورنہ اصل موضوع تو تعلیم وتربیت، تزکیہ نفوس،اوراصلاح معاشرہ کا تھا،جس کے درس صبح وشام ہوتے تھے،جس کے لئے حلقے لگتے تھے،جسکی خاطر طلباءواساتذہ رضا کارانہ طور پر ہر وقت مشغول رہتے تھے،جس طرح بیماری کا وقتی طور پر علاج ہوتا ہے، اوراصلاً ساری توجہ جسم کی صحت،اعتدال وتوازن اوراس کے لئے غذائی اور دیگر ضروریات پر مبذول رہتی ہے۔اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصل توجہ طہارت وعبادات کے اہتمام،شب بیداری،خدمت خلق،حقوق کی ادائیگی،خوشگوار زندگی،سماجی اصلاحات،اخلاق عالیہ،کردارسازی،معاملات کی اصلاح ودرستگی،عہدو پیمان کے پاس ولحاظ،ادب وتہذیب کی باتوں اورتمدنی ضروریات کی رعایتوں،پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک،یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری،صبروشکر،زہدوتوکل،ہمدردی وشفقت اورمنافقوں اورغیر مسلموں ساتھ بھی گذارا کرنے کے لئے وسعت ظرفی اور حلم وبردباری کی تعلیم وتربیت پر مرکوز رہا کرتی تھی۔

جنگوں کے تذکرے نمایاں کئے گئے :

مدنی دور کے غزوات کے تذکروں سے عام طور پر سیرت کی کتابیں اس طرح بھری ہیں،اور ابتدائی مؤرخین نے ان کواس قدراہمیت دی ہے کہ سیرت طیبہ کا نام ہی''مغازی''غزوات رکھ دیا،اور پھر واقعات جنگ اس تفصیل اوردرازنفسی کے ساتھ بیان کئے گئے کہ لگتا ہے کہ مدینہ منورہ کے دور میں صرف جنگیں ہی ہوتی رہیں۔

سیرت کا مواد پوری انسانی زندگی اور عالمی رقبہ پر پھیلا ہوا ہے :

واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے، ہمارے پاس کتب حدیث وتفسیر وفقہ کی شکل میں ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا جو موادزندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے، جواپنے موضوعات کے تنوع کے اعتبار سے کسی وسیع وعریض اور بڑی یونیورسٹی سے بھی زیادہ شعبہ جات اورڈپارٹمنٹس (DEPARTMENTS)

پر مشتمل ہے، جس کے طلباء ہر سال گذشتہ سال کے مقابلہ میں بہت بڑی اور قابل لحاظ تعداد کے ساتھ بڑھتے جارہے تھے، اور جس کا دائرہ ''اوپن یونیورسٹی'' کی متحرک وفعال اور مؤثر شکل میں پورے جزیرۃ العرب اور پھر رومن اور پرشین امپائرز کو سمیٹتا جارہا تھا، اسی مدنی دور کی دین ہے۔

سیرت کا رابطہ دیگر علوم شرعیہ سے منقطع ہوگیا :

ایک غلطی یہ ہوئی ہے کہ تمام شرعی مضامین ایک دوسرے سے الگ ہوکر مستقل ایک فیکلٹی بن گئے ہیں، اور ان کا رابطہ موضوع تفسیر، موضوع حدیث، اور موضوع فقہ، اور اصول وعقائد سے تو ضرور ہے لیکن ان کا راست تعلق سیرت طیبہ سے نہیں قائم کیا جاسکا، لہٰذا سیرت کی کتابیں واقعات کی ترتیب اور تسلسل کے ساتھ ملفوظات نبوی کا، اپنے اوقات، سیاق وسباق، ماحول، پس منظر، محرکات اور ''سبب ورود'' کے ساتھ تذکرہ نہیں کرتیں، اللہ جزائے خیر دے علامہ شبلیؒ کو اور ان کے شاگرد رشید علامہ سید سلیمان ندویؒ کو کہ انہوں نے سیرت طیبہ کے ساتھ ان موضوعات کو بھی سمیٹنے کی کوشش کی، لیکن دو جلدیں واقعات سیرت کے ساتھ مختص ہوگئیں، اور بقیہ جلدیں دیگر موضوعات پر مستقل ریسرچ کی حیثیت سے سامنے آئیں، سن وار غزوات کے دوران اگر علوم وافاضات اور عملی تربیت ومشق کا ذکر ہوتا، تو تصویر کچھ اور ہوتی، لیکن یہ کام ابتدائی مؤرخین کا تھا، ان پر ''ذوق جہاد وغزوہ'' غالب رہا، جس نے آگے ملکوں اور بادشاہوں کی تاریخ میں حرب وضرب کے افسانوں ہی کو سب سے بڑا سرمایہ معلومات سمجھا۔

تدوین سیرت کا ایک مجوزہ منصوبہ :

بہر حال یہ کام کرنے کا ہے، کاش کہ کچھ نوجوان فضلاء سیرت طیبہ کی عینک سے تمام حدیثوں اور تفسیری روایتوں کو دیکھیں اور واقعات سیرت میں اس سرمایہ مبارک وبیش بہا، اور تربیتی وتعمیری مواد کو مدغم کردیں اس طور پر کہ ہر دور اور مرحلہ کی ہدایات نبوی کا سیرت نبوی کے قاری کو پتہ چلتا جائے۔

صلح حدیبیہ : ایک فتح مبین

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خواب :

۶ھ کے اختتام کے قریب پہونچتے پہونچتے حالات نے بالکل ایک نیا رخ اختیار کیا، جنگ خندق کا جس طرح اختتام ہوا تھا، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اشارہ دے دیا تھا کہ اب قریش اقدامی حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرسکیں گے، بلکہ مسلمان اقدامی کارروائی کریں گے، لیکن آگے کی کوئی خاص منصوبہ بندی نہیں ہوئی تھی کہ حضورؐ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ اپنے صحابہ کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے جارہے ہیں، انبیائے کرام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں، اس اشارۂ سماوی کی بنیاد پر جس میں سن اور تاریخ کا کوئی واضح اشارہ نہیں تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے خواب کی خوشخبری سنائی، بلکہ تیاری کا اعلان فرمادیا، اور پختہ تربیت یافتہ اور مخلص افراد کو اس سفر عمرہ میں شرکت کی دعوت دے دی گئی، ۱۴۰۰؍اصحاب تیار ہوگئے۔

ضروری جنگی انتظامات کے ساتھ سفر عمرہ :

دوشنبہ کے دن بتاریخ یکم ذی القعدہ ۶ھ ظہر سے پہلے اس عظیم الشان قافلہ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے، ظہر کی نماز میقات مدینہ ''ذوالحلیفہ'' میں ادا فرمائی، عمرہ کا احرام باندھا، حالات پر نظر رکھنے اور احتیاط کی خاطر بشر بن سفیان خزاعی کو تجسس احوال کی ذمہ داری سونپ کر آگے روانہ فرمایا، اور بیس گھوڑ سواروں کو بھی پہلے روانہ کردیا، تاکہ کوئی بھی خطرہ ہو تو اس سے پہلے ہی آگاہ ہو کر تحفظ کے انتظامات کئے جاسکیں، سفر میں ضروری ہتھیار بھی ساتھ لئے گئے، پورا ملک دار الحرب تھا، کسی وقت بھی جنگ کی آگ لگ سکتی تھی۔

مکہ مکرمہ کے قریب تقریباً ۷۰؍کلومیٹر دوری پر جب ''عسفان'' پہونچے تو آپ کے انٹیلی جنس

افسر حضرت بشر بن سفیان آ کر ملے، انہوں نے بتایا، کہ مکہ کی فضا گرم ہے، انہیں آپ کے سفر کی اطلاع ہے، اور وہ مکہ میں آپ کا داخلہ نہیں چاہتے، اس وقت حضورؐ نے بڑی حسرت اور افسوس سے فرمایا، ان کا کیا جاتا تھا، اگر وہ ہمیں دوسروں سے نمٹنے کے لئے چھوڑ دیتے، جنگوں نے انہیں تباہ کر رکھا ہے، اگر دوسرے قبائل ہم پر غالب آ جاتے ہیں تو ان کا مقصد پورا ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر فتح عطا فرماتا ہے، تو وہ اسلام میں باعزت داخل ہو سکتے ہیں، اور ان کی طاقت محفوظ رہتی، قریش آخر کیا سوچتے ہیں؟ بخدا اس دین برحق کے لیے میں ان سے مقابلہ کرتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ میرا سر تن سے جدا ہو جائے۔

مکہ کے مضافات کے جتھوں کو توڑنے کا مشورہ :

بہر حال واقعی صورتحال کی اطلاعات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے مشورہ طلب فرمایا، کیا کرنا چاہئے، ایک طریقہ یہ ہے کہ مضافاتی علاقوں کے جو لوگ قریشیوں کے ساتھ ہمارے خلاف شریک ہیں، ان کی آبادیوں اور بستیوں پر حملہ کر دیا جائے، تا کہ ان کے سپاہیوں اور فوجیوں کو مکہ کے جتھوں سے الگ کر دیا جائے، ورنہ ان علاقوں کو تاراج کر دیا جائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر فیصلہ :

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگ عمرہ کے لئے نکلے ہیں، بہتر ہے کہ ہم تو اپنی اسی نیت پر قائم رہیں، اور اپنی طرف سے جنگ نہ چھیڑیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے پسند کی، غالباً پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام ساتھیوں کے جذبات کی ترجمانی کی تھی، مگر آپکے دل کی بات جب ابوبکر صدیقؓ نے کہہ دی تو اس کا فیصلہ فرمایا۔

جنگ سے بچنے کی کوشش میں حدیبیہ کا قیام :

آپ کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ خالد بن الولید گھوڑ سوار دستہ لے کر آگے بڑھ رہے ہیں، آپ طرح دینا چاہتے تھے، آپ سمجھ رہے تھے کہ قریش اس وقت صرف غرور ونخوت اور ناک اونچی رکھنے کے لئے اپنے علاقہ میں گرمی اور جوش دکھا رہے ہیں، آپ نے راستہ بدل دیا، اور "ثنیۃ المرار" ہوتے ہوئے حدیبیہ کے میدان میں پہونچ کر پڑاؤ اختیار کیا، اس کا کچھ حصہ سرزمین حرم میں واقع ہے اور بقیہ "حل"

میں، ایک قدرتی انتظام اس جگہ پر ٹھہرنے کا یہ بھی ہوا کہ حضورؐ کی اونٹنی ''قصواء'' نامی بیٹھ گئی، اور کسی طرح آگے نہ بڑھی، حضورؐ نے فرمایا جس نے ہاتھی کو روکا تھا، اسی نے اس کو روک دیا، ابرھہ کے لشکر کی طرف اشارہ تھا، کہ اس کا ہاتھی بھی رک گیا تھا، لیکن وہ کافر کعبہ کی تخریب کے لئے بڑھنے پر مصر تھا، لہٰذا عذاب الٰہی نے اسے آگھیرا اور ہم لوگ کعبہ کی تعظیم کے لئے سفر کررہے ہیں، اشارہ یہ تھا کہ مکہ میں جنگ نہ کی جائے، لہٰذا ہم یہیں پڑاؤ کرتے ہیں، اور قریش تعظیم کعبہ سے متعلق جو بات بھی کہیں گے، وہ ہمیں منظور ہوگی۔

سفارتی کوششیں :

ماحول گفت وشنید اور سفارتی کوششوں کا قائم کردیا گیا، سب سے پہلے اہل مکہ کی طرف سے قبیلہ خزاعہ (جس کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اچھے تعلقات مکی دور سے چلے آرہے تھے) کے سردار بدیل بن ورقاء پورے وفد کے ساتھ حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری صفائی سے بتادیا کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں اور کوئی مقصد نہیں، بہتر یہ ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان صلح ہوجائے، لیکن اگر وہ بضد ہیں تو ہم جنگ کے لئے بھی تیار ہیں۔

بدیل نے واپس جاکر مکہ کے سرداروں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کہی، اور اپنی طرف سے اس تجویز کی پرزور تائید کی، لیکن قریش کے لوگ اس بات سے مطمئن نہ ہوئے، کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں اس طرح داخل نہیں ہونے دینا چاہتے تھے۔

عروہ بن مسعود کی سفارت اور صدیق رضی اللہ عنہ کا غصہ :

عروہ بن مسعود ثقفی بڑے تجربہ کار اور ماہر سفارت کار شمار کئے جاتے تھے، انہوں نے پیش کش کی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتے ہیں، وہ آئے، اور بزرگانہ انداز سے حضورؐ کو سمجھانے لگے، کہ محمد آخر آپ اپنی ہی قوم کو تباہ کیوں کرنا چاہتے ہیں، آپ کے اردگرد یہ مجمع ذرا دیر میں چھٹ جائے گا، یہ آپ کی قوم کے لوگ تو ہیں نہیں، ادھر ادھر کا معجون مرکب ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑے حلیم اور بے انتہا سنجیدہ و رقیق القلب تھے، لیکن ایسی بے ایمانی کی باتیں انہیں گوارا نہیں ہوتی تھیں، انہوں نے شدید اشتعال میں اسے مخاطب کرکے کہا، اپنی دیوی ''لات'' کی شرمگاہ چاٹ! ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر چھٹ جائیں گے؟!

مغیرہ بن شعبہ کی مداخلت :

وہ ہاتھ بڑھا بڑھا کر حضور ﷺ کی داڑھی میں ڈال کر حضور کو واپسی پر آمادہ کر رہا تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جو بحیثیت سنتری کھڑے تھے، اس کے ہاتھ پر تلوار کا قبضہ لگاتے ہوئے کہا، کہ ہاتھ دور رکھ، اسے بڑا غصہ آیا، اس نے پوچھا یہ کون ہے، جب معلوم ہوا کہ مغیرہ ہیں تو کہنے لگا، میرے تجھ پر احسانات ہیں، تجھے یاد نہیں۔

عروہ بن مسعود کا تأثر :

عروہ بن مسعود کی سفارت کامیاب نہ ہوسکی، لیکن صحابہ کرام کے ماحول میں تھوڑی دیر رہ کر جو مناظر اس نے دیکھے، کہ وہ کس طرح حضور پر فدا اور ان کے عاشق اور فریفتہ ہیں، تو وہ اپنے اس تأثر کو مکہ والوں سے بیان کئے بغیر نہ رہ سکا، اس نے کہا میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں، لیکن جو فدائیت اور محبت محمدؐ کے ساتھیوں میں محمد کے لئے دیکھی، وہ ان آنکھوں نے کہیں نہیں دیکھی، وہ وضو کرتے ہیں تو یہ چاہتے ہیں کہ پانی کا ایک قطرہ زمین پر نہ گرے، یہ اسے اپنے جسم پر مل لیں، آپ کا لعاب دہن ان کے لئے عطر وشفا ہے، اللہ ری محبت وفائیت!!

حلیس بن علقمہ کو نفسیاتی طور پر متأثر کرنے کی کامیاب کوشش :

تیسرا سفیر حلیس بن علقمہ کنانی تھا، جو مکہ کے مضافاتی علاقہ کی بٹالینوں کا سردار تھا، حضور ﷺ اس کے مذہبی مزاج سے واقف تھے، اور یہ کہ اس کے دل میں عمرہ اور حج والوں کی بڑی قدر و عظمت ہے، آپ نے اسے دیکھتے ہی صحابہ سے فرمایا کہ قربانی کے جانور کھڑے کر دو، تا کہ وہ انہیں اپنے قلادوں میں اور تمیں بحالت احرام دیکھے، اس کا نفسیاتی اثر اتنا زبردست پڑا کہ وہ راستہ سے ہی اس منظر کو دیکھ کر واپس چلا گیا، اور مکہ والوں سے صاف کہہ دیا کہ وہ تو صرف عمرہ کے لئے آ رہے ہیں، ان کو روکنا درست نہیں۔

متشدد و متعصب سفیر کے پیچھے معتدل سفیر :

قریش نے دیکھا کہ معاملہ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے، سفراء خود متأثر ہو کر آ رہے ہیں آخر ایک مافیا طرز کے فاسق و فاجر سفیر مکرز بن حفص کو بھیجا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے فرما دیا، کہ

یہ بدمعاش آدمی ہے، لیکن ایسا لگتا ہے کہ قریش نے اپنی غلطی محسوس کی، اس لئے جلد ہی اس کے پیچھے سہیل بن عمرو کو روانہ کر دیا، سہیل کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری اور پیش گوئی صحابہ کو سنا دی کہ معاملہ اب سہل ہو جائیگا، یہ ایک فال نیک تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ :

اسی سفارتی کوشش کے دوران حضور ﷺ کی طرف سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بات کرنے بھیجا گیا تھا، ایک غلط خبر یہ اڑ گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا، حضورؐ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے، اور فرمایا کہ آؤ معاہدہ کرو کہ عثمان کے خون کا بدلہ لینا ہے، چاہے اس راستہ میں سب کی جانیں جائیں، لیکن کیونکہ خبر غیر مصدقہ تھی، ایمان وجذبات کا ایک امتحان تھا، اور ذہنی طور پر ہر قربانی کے لئے تیار رکھنا مقصود تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان کی بھی نمائندگی کرتے ہوئے اس شرف سے انہیں محروم نہ کرنا چاہا، اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر جیسے بیعت (معاہدہ) میں ہوتا ہے، فرمایا کہ یہ عثمان کی طرف سے ہے، یعنی اگر عثمان یہاں ہوتے تو اس بیعت و معاہدہ میں شریک ہوتے، بہر حال جلد ہی خبر کا غلط ہونا معلوم ہو گیا تھا۔

شرائط صلح :

سہیل بن عمرو کی آمد پر معاملات اس طور پر سلجھانے کی بات ہوئی کہ مسلمانوں اور مشرکین مکہ میں دس سالہ جنگ بندی کی مصالحت و معاہدہ ہو جائے، اس سال مسلمان عمرہ ادا نہ کریں، آئندہ سال کرلیں، آئندہ سال یہی لوگ آئیں، ساتھ میں صرف تلواریں نیام میں ہوں، (کہ اتنا ہتھیار تو مسافر کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا) تین دن قیام کریں اور پھر واپس جائیں، ہمارا کوئی آدمی جنگ بندی کے معاہدہ کے دوران آپ کے ہاں جائے، آپ اسے واپس کریں، ہمارے ہاں اگر کوئی آتا ہے تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔

دشمن کے جذبات کی رعایت :

ان مندرجہ بالا شرائط پر معاہدہ طے پایا، تحریر کے لئے حضرت علیؓ کو طلب کیا گیا، جب یہ عبارت

لکھی گئی ''یہ معاہدہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پا رہا ہے'' تو اس پر اس کی طرف سے اعتراض ہوا کہ اگر ہم تم کو رسول مان لیتے، تو جھگڑا ہی کیوں ہوتا، ''محمد بن عبداللہ'' لکھئے، آپ نے حضرت علی سے فرمایا ''رسول اللہ'' کا لفظ کاٹ دو، وہ عرض پرداز ہوئے، میری جرأت کہاں! فرمایا لاؤ دکھاؤ، آپ نے دستاویز سے لفظ ''رسول اللہ'' خود کاٹ دیا، اور فرمایا کہ اب آگے لکھو۔

ابو جندل کی آمد:

معاہدہ لکھا ہی جارہا تھا، کہ ہتھکڑیوں میں سہیل کے صاحبزادہ ابو جندل جو مسلمان تھے، کسی طرح مکہ سے بھاگ کر حدیبیہ پہونچ گئے، تاکہ مسلمانوں کے ساتھ ہو جائیں، سہیل نے غصہ میں ایک دھپ رسید کیا، اور باوجود حضور ﷺ کے بہت اصرار کے انہیں مسلمانوں کے ساتھ نہیں رہنے دیا، بلکہ اسی قید و بند کی طرف انہیں واپس لے گیا، جس سے سخت اذیتوں کے بعد کسی طرح چھوٹ کر وہ آئے تھے، مسلمانوں کے لئے یہ مرحلہ بڑا سخت، کٹھن اور صبر آزما تھا، سب دم بخود خاموش تصویرِ غم بنے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بے تابی :

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا وہ بے تابانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یوں گویا ہوئے، کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں! کیا یہ دشمن مشرک وکافر نہیں ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں! پھر ہم کیوں ذلت کے ساتھ دب کر صلح کریں، ارشاد فرمایا، میں اللہ کا رسول ہوں اور اسکے حکم کی نافرمانی نہیں کرسکتا، اللہ ہمیں ضائع نہیں فرمائیگا، حضور کیا آپ نے فرمایا نہ تھا کہ ہمیں عمرہ کرنا ہے؟ فرمایا ہاں میں نے کہا تھا، لیکن میں نے حتمی طور پر یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال عمرہ ہو ہی جائیگا۔ یقیناً عنقریب تم مکہ میں داخل ہوگے، اور عمرہ کروگے۔

ان کی رکاب تھامے رہو :

عمر رضی اللہ عنہ اندرونی طور پر اس قدر صدمہ اور غم سے متاثر تھے کہ ابو بکر صدیق سے بھی مل کر اپنا غم دہرایا اور دب کر اس صلح کا معاملہ طے کرنے پر اپنے تاثرات ظاہر کئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ رسول اللہ ہیں ان کا فعل برحق ہے، بس ان کی رکاب تھامے رہو۔

معاہدہ کے بعد اب اس کے مطابق عمل کا سب سے پہلا یہ نتیجہ تھا کہ مسلمان واپس جائیں، عمرہ کا سفر تکمیل کو نہیں پہنچا، لہٰذا قرآن کے الفاظ میں ان کو حکم دیا گیا :

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (البقرۃ:۱۹۶) — اگر تم گھر جاؤ، روک دیئے جاؤ، تو جو قربانی میسر ہوا سے کرو۔

مسلمان ''مُحصَر'' ہو چکے تھے۔ انہیں قربانی کر کے احرام کھول دینا تھا۔

صحابہ سکتہ کے عالم میں اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مدبرانہ مشورہ :

لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو خطاب فرمایا کہ جانوروں کی قربانی کرلیں، تو منظر کچھ ایسا تھا ''ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم'' لگتا تھا کہ سب سکتہ میں ہیں۔ امر نبوی سن رہے ہیں اور عمل کے لئے بڑھتے نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ پہلا تجربہ رُو در رُو ظاہری نافرمانی کا تھا، آپ بہت دلگیر ہو گئے، ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں تشریف لے گئے اور ان کو یہ ماجرا سنایا، قربان جایئے مؤمنین کی ماں پر، کیسی مدبر اور سچی ترجمان تھیں اپنے معنوی بیٹوں کی، عرض کرنے لگیں، حضور! آپ کی نافرمانی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، لوگ غم سے نڈھال ہیں، آپ براہ کرم قربانی کا عمل شروع فرمادیں، لوگ آپ کے عمل سے سر موانحراف نہیں کرینگے، قائد و رہبر کا تعاون رفیقہ حیات کس کس طرح اور کس کس موڑ پر کرسکتی ہے اور کیسے نازک مسائل کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہے، اسکی یہ بہترین مثال تھی۔

قربانی کرب وغم کے ساتھ :

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمہ سے باہر تشریف لائے، اور کچھ کہے بغیر اپنے جانور کی قربانی کرنے لگے، بس دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف قربانی کا ماحول قائم ہو گیا، لیکن حالت کچھ ایسی تھی کہ ڈر لگتا تھا کہ کہیں لوگ مدہوشی کی سی کیفیت میں اپنے ہاتھوں پر چھری نہ چلالیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر کے بال منڈوائے اور متبرک بالوں کو تقسیم بھی فرمایا، صحابہ کرام نے بھی بال منڈوائے اور ترشوائے۔

صلح حدیبیہ کے فتح عظیم ہونے کا اعلان :

ناتمام عمرہ کا عمل پورا ہو گیا، احرام کھول دیئے گئے، حدیبیہ سے تقریباً ۲۰ /دن کے قیام کے بعد

واپسی ہوئی، دورانِ سفر ابھی مکہ سے بہت دور نہیں نکلے تھے، ''کراع الغمیم'' تک پہنچے تھے، کہ ''سورۃ الفتح'' کا نزول ہوگیا۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا

(سورۃ الفتح :۱)

''ہم نے تمہیں ایک کھلی فتح دے دی''

اسی سورۃ میں آگے فرمایا گیا :

لَقَدۡ رَضِىَ اللّٰهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ يُبَايِعُوۡنَكَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ عَلَيۡهِمۡ وَاَثَابَهُمۡ فَتۡحًا قَرِيۡبًا ۝۱۸ وَّمَغَانِمَ كَثِيۡرَةً يَّاۡخُذُوۡنَهَا

(سورۃ الفتح : ۱۸- ۱۹)

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت خوش ہوگیا، ان اہل ایمان سے جب وہ آپ سے بیعت (معاہدہ) کر رہے تھے، درخت کے نیچے، اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا حال معلوم ہے اس نے ان کے دل پر سکینت نازل فرمائی اور ان کو قریبی فتح عطا کردی، اور بہت سے مال غنیمت دیئے جن کو یہ حاصل کرینگے۔

پھر مزید آگے چل کر فرمایا گیا :

لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوۡلَهُ الرُّءۡيَا بِالۡحَقِّ ۚ لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ ۙ مُحَلِّقِيۡنَ رُءُوۡسَكُمۡ وَمُقَصِّرِيۡنَ ۙ لَا تَخَافُوۡنَ

(سورۃ الفتح : ۲۷)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا کہ تم لوگ ضرور مسجد الحرام میں اللہ کی مشیت کے تحت داخل ہوگے، امن کی حالت میں، سر کے بال منڈواؤ گے، اور ترشواؤ گے، تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔

فتح کا مقصد اسلام کی سر بلندی :

یہ سارے واقعات جن حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت ہو رہے تھے، جو عظیم مقاصد درپیش تھے، جو عظیم الشان نتائج سامنے آنے والے تھے، جس کام کے لئے بعثت نبوی ہوئی تھی، وہ سب کچھ بھی برملا کہہ دیا گیا :

هُوَ الَّذِيٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا (سورۃ الفتح : ۲۸)	اسی (اللہ نے) اپنے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اس دین کو تمام ادیان و مذاہب پر غالب فرما دے، اور اللہ کافی ہے بحیثیت گواہ کے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کا مژدہ :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر کو بلاؤ، حضرت عمر قافلہ سے الگ الگ کسی فکر میں ڈوبے، غمزدہ، اور اس پر افسوس کرتے ہوئے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تیز کلامی کی، کہیں اللہ ناراض نہ ہوجائے، اور میری پکڑ نہ ہوجائے، چل رہے تھے، یہ پکار سنتے ہی دل دھک سے رہ گیا، کہیں میرے بارے میں کوئی عتاب وعقاب تو نہیں نازل ہوا؟!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا: مجھ پر وہ سورہ نازل ہوئی ہے جو ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج کی کرنیں پڑیں:

"اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا" الخ۔۔۔ (سورۃ الفتح : ۱)

حضرت عمر نے حیرت و استعجاب سے عرض کیا، حضور یہ فتح ہے؟! ارشاد فرمایا ہاں! یہ فتح ہے۔

اسی فتح مبین کے لئے تو ساری جدوجہد، ساری قربانی، ساری محنتیں اور آزمائشیں تھیں، دنیا و ما فیہا کی تمام نعمتوں سے آخر یہ کیوں نہ افضل ہو، جب اسی کے لئے ختم المرسلین کی بعثت تھی!

دراصل جو بات جنگ خندق کے اختتام پر فرمائی گئی تھی، منفی صیغہ میں، کہ وہ اب ہم پر چڑھائی

نہیں کرسکیں گے، اب وہ اس نئے تاریخ ساز مرحلہ پر، جس سے اصلاً تیسرا دور شروع ہورہا ہے، مثبت صیغہ میں یوں کہی گئی کہ ہم نے تمہیں فتح دے دی، اب فتوحات کا دور شروع ہوگیا۔

فتح خیبر کی بشارت :

۱۴۰۰/افراد کا یہ قافلہ جو ظاہر میں عمرہ سے محروم ہوا، مشرکین کی شرطیں ماننے پر مجبور ہوا، مدینہ منورہ میں فتح کی خوشخبریاں لے کر واپس آرہا تھا، اور اسکو یہ بتایا گیا تھا کہ ایک فتح قریب میں ہونے والی ہے، مکانی اعتبار سے بھی قریب اور زمانی اعتبار سے بھی قریب ''خیبر کی فتح''۔

صلح حدیبیہ کا بے جا حوالہ :

یہ معاہدۂ صلح جس پس منظر میں ہوا، اس میں جو الٰہی حکمتیں پوشیدہ تھیں، اس کے جو اثرات پڑنے والے تھے، اس میں کفر وشرک کے محاذ کی جو شکست پوشیدہ تھی، جس پر غلاف،- ناک اونچی رکھنے کے لئے- اپنی شرطیں منوانے کا، مکہ کی جھوٹی سرداری نے چڑھا رکھا تھا، اس کا حوالہ دے کر آج بہت سے احساس کمتری کے شکار، نفسیاتی طور پر ہزیمت خوردہ، یوروپ کی ترقیات سے مبہوت، اور اکثریت کی طاقت سے دہشت زدہ، ترقی پسند دانشور جس صلح کی وقتاً فوقتاً دعوت دیتے رہتے ہیں، اسکا قرآن وسنت کی روشنی میں اس صلح سے کوئی تعلق نہیں، کہاں فتح مبین!! کہاں جسمانی وروحانی شکست کھایا ہوا بیمار ذہن!!

ابوبصیر کی مدینہ آمد :

معاہدۂ صلح کے بعد ہی ابوجندل کی طرح مدینہ منورہ سے ابوبصیر عتبیہ بن اسید مکہ کی قید سے فرار ہوکر خدمت نبوی میں پہنچ گئے، پیچھے سے تعاقب کرتے ہوئے مکہ کے دو نمائندے آدھمکے، کہ حسب شرائط انہیں واپس کیا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر کیسا نشتر لگا ہوگا اور مسلمانوں کے دل کتنے زخمی ہوئے ہوں گے، لیکن حلم وبردباری کے ساتھ شرائط پورے کرتے ہوئے مشورہ یہی تھا کہ واپس چلے جاؤ، اللہ تعالی اسباب خلاصی کے پیدا کرے گا۔

ابوبصیر گوریلا جنگ کے بانی :

ابوبصیر جلادوں کے قبضہ سے نکل کر آئے تھے، دل میں ٹھان لیا کہ کوئی ترکیب ان کی گرفت

سے نکلنے کی کرنی ہے، ذوالحلیفہ پہونچے تھے کہ بے تکلفی میں ان کی تلوار کی تعریف کرتے ہوئے، اس کو دیکھنے کے بہانہ سے ہاتھ میں لی اور تیزی سے ان میں سے ایک پر وار کیا، دوسرا ساتھی بدحواسی میں جان لیکر بھاگا، اور حضور کی پناہ گاہ میں پہونچا، پیچھے پیچھے ابوبصیر بھی پہنچے، عرض کیا حضور آپ نے شرط پوری کی، میں نے اپنی جان بچائی، زبان نبوت سے اس وقت ایک جملہ نکلا :

"ویل أمّہ مسعر حرب لو کان معہ احد"

غضب کا آدمی ہے، اگر اس کے ساتھ اور جوان ہوتے تو یہ جنگ بھڑکا ہی دیتا۔

اشارہ واضح تھا کہ حکم واپسی کا ہی ہوگا، خود ہی ابوبصیر وہاں سے واپس ہوگئے، ینبع وغیرہ کے علاقہ میں ساحل کے اطراف میں پناہ گاہ تلاش کر کے گوریلا جنگ مشرکین کے خلاف شروع کردی۔

مکہ سے متعدد جوان موقع پا پا کر نکلتے رہے اور پہاڑی علاقوں میں کمین گاہیں بناتے رہے، تقریباً ۶۰، ۷۰ افراد کا جنگجو جتھا تیار ہوگیا، اور انہوں نے گوریلا جنگ سے مکہ والوں کا ناطقہ بند کردیا، آخر مکہ کی قیادت مجبور ہوگئی، اور اس نے عافیت اس میں سمجھی کہ قیادت مدینہ سے درخواست کرے کہ براہ کرم انہیں اپنے ہاں بلالیں، ہم ان کی واپسی کا کوئی مطالبہ نہیں کرتے، مقدر کی بات کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ابوبصیر کے پاس پہونچا کہ مدینہ واپس آجائیں، وہ زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہے تھے، نامۂ مبارک کو آنکھوں سے لگایا، اور جاں جان آفریں کے سپرد کردی۔

مکہ مکرمہ میں کمزور مسلمانوں کی ایک آبادی، دبی دبائی، کچلی کچلائی رہتی تھی، اسی سے نکل نکل کر مرکز اسلام کی طرف کشاں کشاں محبین رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدتوں کے ستائے ہوئے آرہے تھے۔

مہاجر خواتین کا معاہدہ سے استثناء :

دھیرے دھیرے مہاجر خواتین بھی آنے لگیں، دشمن اسلام عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی ام کلثوم مدینہ منورہ آئیں، کافروں کی طرف سے واپسی کا مطالبہ ہوا، دلچسپ بات یہ ہے کہ معاہدہ میں اس شرط کی دفعہ میں "رجل" (کوئی مرد) کا لفظ لکھا گیا تھا، اس وقت سفیر مکہ سہیل بن عمرو کے ذہن میں بھی آئندہ پیدا ہونے والی صورتحال کا کوئی تصور نہیں تھا، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا فائدہ اٹھایا، اور فرمایا

کہ عورتیں واپس نہیں بھیجی جائیں گی، کیونکہ معاہدہ میں وہ شامل نہیں ہیں۔

ایمان کا امتحان :

قرآن کی سورہ ''ممتحنہ'' میں صاف فرمادیا گیا کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آئیں، انہیں جانچ لیا جائے، تاکہ جاسوس خواتین داخل نہ ہوسکیں، اور مؤمن عورتوں کو واپس نہ کیا جائے، وہ کافروں کے لئے حلال نہیں ہیں، دین کے اختلاف، اور دارالاسلام میں آنے سے ان کا نکاح از خود فسخ ہو گیا۔

فتح خیبر

''خیبر'' کا جغرافیائی محل وقوع اور سیاسی حیثیت :

خیبر مدینہ منورہ سے شمال مشرق میں تقریباً ۱۵۰ رکلومیٹر پر واقع ہے، یہ بہت سرسبز وشاداب علاقہ تھا، یہودی بہت قدیم زمانہ سے یہاں آباد تھے، غالباً جس دور میں اہم یہودی قبائل مدینہ میں آباد ہوئے، اسی دور میں دیگر قبائل جو علمی اور سیاسی حیثیت کے مالک نہیں تھے، عام کاشتکار مزدور، اور کچھ جاگیردار تھے، ''خیبر''، ''فدک'' ''وادی القری'' اور ''تیماء'' میں آباد ہوئے، مدینہ سے شمالی رخ پر شام تک ان کی آبادیاں عیسائی ریاست کے قریب تک پھیلی ہوئی تھی، جزیرۃ العرب میں یہودیوں کی طاقت کا اصل مرکز مدینہ منورہ تھا، مدینہ منورہ سے جب یہودی قبائل، بنو قینقاع اور پھر بنو نضیر کا انخلاء عمل میں آیا، تو خیبر، دشمن کیمپ میں تبدیل ہوتا چلا گیا، خاص طور پر بنو نضیر کے سرداروں کے خیبر پہونچنے کے بعد خیبر مسلم دشمنی کا ایک بڑا مرکز بن گیا، اور جنگ خندق کے موقعہ پر خیبر کے یہودی اتحادی افواج کے نہ صرف ساتھ تھے بلکہ مدینہ کے اندر بنو قریظہ کو بھڑکانے کا کام کر رہے تھے اور دشمنوں کا ساتھ دینے کے لئے انہوں نے اپنی پیداوار کا نصف حصہ غطفانیوں کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔

مرکزی قیادت سے معاہدہ کو اولیت :

ان حالات میں جنگ خندق کے بعد بنو قریظہ سے نمٹنے کے ساتھ اب اس کی ضرورت تھی کہ خیبر

والوں سے بھی نمٹ لیا جائے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکیمانہ قیادت نے مرکزی طاقت کو آزمانے اوراس سے معاہدہ کو ترجیح دی۔

سفرعمرہ، جنگ کے سائے میں :

حضور ﷺ کا سفرعمرہ، کسی سادہ ماحول میں محض ایک عبادت کی ادائیگی کا معاملہ نہیں تھا، آپ خوب جانتے تھے، کہ یہ سفر کن خطرات سے پر ہے، اسی لئے ۱۴۰۰/افراد ساتھ لیئے گئے، ہتھیاروں کا انتظام کیا گیا، مخابرات (انٹیلی جنس) کے نظام پر پوری توجہ دی گئی، مکہ کے مضافاتی علاقہ پر حملہ کے بارے میں سوچا گیا، اسلئے یہ قرین قیاس ہے کہ عمرہ کا یہ سفر مرکزی طاقت کی آزمائش اور اس سے معاملات طے کرنے کی ایک ربانی حکمت عملی تھی، جس کی طرف نبی ﷺ کو بذریعہ خواب متوجہ کیا گیا، اور جو مقصد اصلاً پیش نظر تھا، وہ معاہدۂ صلح کی شکل میں پورا ہوا۔

سرکشوں کی سرکوبی :

مشرکین مکہ سے دس سالہ جنگ بندی کی قرارداد نے اب اسکا موقعہ فراہم کیا کہ سرکش اقلیتی طاقتوں سے نمٹ لیا جائے، ان میں سرفہرست یہودیوں کی وہ مجتمع طاقت تھی، جو خیبر میں بین القبائلی مرکزی طاقت بن گئی تھی، خیبر قلعوں سے گھرا ہوا تھا، مشہور قلعے حسب ذیل تھے :

۱۔ناعم	۲۔الشق	۳۔النطاۃ
۴۔السلالم	۵۔الکتیبہ	٦۔نزار
۷۔قموص	۸۔النطیح	۹۔صعب بن معاذ
۱۰۔أبی		

ان کے علاوہ بھی بعض قلعے ذکر کئے گئے ہیں۔

خیبر کی فتوحات کی خوشخبری :

سورۃ الفتح میں جو حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی تھی، خیبر کی فتح کی خوشخبری اشارتاً دے دی گئی تھی، اور یہ خوشخبری اصلاً ان لوگوں کے حق میں تھی جنہوں نے میدان حدیبیہ میں درخت کے نیچے حضور صلی

اللہ علیہ وسلم سے جان کی بازی لگانے کا عہد و پیمان کیا تھا، لہٰذا حدیبیہ سے واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ ذی الحجہ کے بقیہ ایام مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، پھر محرم ۷ ھ میں رفقائے سفرِ عمرہ یعنی انہیں ۱۴۰۰ اصحاب کو لے کر نکلے، جو حدیبیہ میں شریک سفر تھے، اور بیعت الرضوان سے مشرف۔

یہودیوں کے خلاف آخری مہم :

فوج کشی کے رخ کے سلسلہ میں رازداری کو پوری طرح قائم رکھا گیا، خبریں آپ کو اس طرح مل رہی تھیں کہ یہودی غطفانیوں کو مدینہ منورہ کی ریاست اسلامی کے خلاف کارروائی کے لئے آمادہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن زیادہ تر پروپیگنڈہ مہم نفسیاتی دباؤ کے لئے چلائی جارہی تھی، لشکر اسلامی جب خیبر کے باہر اس موڑ پر خیمہ زن ہوا، جہاں سے غطفانیوں کے علاقہ کا راستہ تھا، اور صبح علاقہ کے مزدور، کاشتکار، اور عامۃ الناس اس چوراہے کی طرف آئے، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لشکر کو دیکھ کر، حیران، ششدر اور خوفزدہ ہو کر اپنے علاقوں کی طرف واپس بھاگے، اور دیکھتے دیکھتے جنگل کی آگ کی طرح خبر خیبر میں پھیل گئی، تحفظ اور مقابلہ کی نفسیات کے ساتھ اور بھگدڑ کے عالم میں تیاریاں ہونے لگیں، وہ یہ سمجھتے تھے کہ جزیرۃ العرب میں یہ ان کا آخری محاذ ہے، یہاں سے اکھڑنے کا مطلب یہ ہے کہ پھر کہیں امان نہیں، عورتوں اور بچوں کو انہوں نے نہایت تیزی کے ساتھ ''قلعہ نزار'' میں پہونچا دیا۔

مرتا کیا نہ کرتا :

یہ پہلا موقعہ تھا کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے جنگ لڑی، ورنہ اس سے پہلے مدینہ منورہ میں محاصروں کے دوران وہ قلعہ بند رہے، جنگ کی ہمت نہ کر سکے، غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں ان کا قبائلی اتحاد بن گیا تھا، دوسری وجہ یہ تھی کہ اب کوئی چارہ کار، کہیں پناہ لینے اور انخلاء کرنے کا نہیں رہا تھا، تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بڑے نامی اور خاندانی قبائل کو یہاں مزدوروں اور کاشتکاروں کی شکل میں فوجی رضا کار مل گئے تھے، جن کو انہوں نے جوش دلا کر جھونک دیا۔

متعدد کمانڈروں کی قیادت میں جنگ :

حباب بن المنذر، سعد بن عبادۃ محمود بن مسلمہ، اور علی بن ابی طالب کو مختلف بٹالینوں کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔

فتح خیبر

سب سے پہلے محمود بن مسلمہ کی فوجی قیادت میں قلعہ ''ناعم'' پر حملہ ہوا، پانچ دن تک کوشش ہوتی رہی، اس دوران قلعہ کے سایہ میں تھوڑی دیر آرام کرتے ہوئے محمود بن مسلمہ کو ان پر پتھر گرا کر شہید کر دیا گیا، جس کے بعد ان کے بھائی محمد بن مسلمہ نے قیادت سنبھالی اور قلعہ فتح ہوا۔

پھر قلعہ ''صعب بن معاذ'' فتح ہوا، وہاں سے متعدد دبّابے اور منجنیقیں مسلمانوں کو ہاتھ لگیں، پھر قلعہ ''نطاۃ'' فتح ہوا، قلعہ ''الصعب'' اور ''نطاۃ'' سے خورد و نوش کی اشیاء بکثرت ملیں۔

حضرت حباب بن المنذر کی قیادت میں قلعہ ''ابی'' فتح ہوا، پھر قلعہ ''صعب'' کی منجنیقوں کا استعمال کر کے قلعہ ''البزّ'' کو فتح کیا گیا، قلعہ ''قلۃ'' حضرت زبیر بن العوام کی قیادت میں اس طرح فتح ہوا، کہ ایک یہودی نے پانی کے چشموں کے بارے میں مخبری کی، ان پر روک لگانے کی کارروائی نے قلعہ سے نکلنے پر دشمنوں کو مجبور کیا، دس یہودی مارے گئے، اور قلع فتح ہوا۔

فتح کے لئے حضرت علی کا انتخاب:

قلعہ ''قموص'' سب سے مضبوط قلعہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں یہ فتح ہوگا، وہ اللہ و رسول کا محب و محبوب ہے، ہر کمانڈر کے دل میں تمنا تھی کہ اسکا انتخاب ہو، لیکن انتخاب علی بن ابی طالب کا ہوا، ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کی ہدایات میں فرمایا تھا، پہلے دعوت دینا، اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے، دعوت سخت دلوں نے قبول نہ کی، بڑی سخت لڑائی کے بعد قلعہ فتح ہوا، اس جنگ میں حضرت علی کا براہ راست مقابلہ یہودیوں کے جانے مانے پہلوان اور جنگجو ''مرحب'' سے ہوا تھا، اور اسے ذلت کی شکست و موت سے دوچار ہونا پڑا۔

عورتوں اور بچوں کی حفاظت :

پھر قلعہ نزار بھی منجنیقوں کے استعمال کے بعد فتح ہوا، عورتیں بچے، اسی میں تھے، یہودی ان سب کو چھوڑ کر دوسرے قلعوں میں بھاگے، مسلمانوں نے اپنے جنگی اصول اور اخلاق کی بناء پر عورتوں اور بچوں سے کوئی تعرض نہ کیا، بلکہ ان کے تحفظ کا انتظام کیا۔

یہودیوں کے احساسات اور مسلمانوں کے ساتھ رہنے کو ترجیح :

اخیر میں "کتیبہ" "وطیح" اور "سلالم" نامی قلعوں کا محاصرہ کیا گیا، اوران میں گھرے ہوئے یہودی صلح پر مجبور ہوئے، فیصلہ جلاوطنی کا ہو رہا تھا، لیکن اس شکست فاش کے بعد یہودیوں نے محسوس کیا کہ ہم نے اپنی شقاوت وقساوت اور عناد کی بناء پر ان سے جنگ کی لیکن پناہ بھی ہمیں انہیں کے اخلاق کریمانہ اور معاملات عادلانہ میں مل سکتی ہے، عیسائی ریاست میں جا کر رہنے کے لئے وہ تیار نہ تھے، وہ جانتے تھے کہ عیسائیوں سے ہزار درجہ بہتر یہ مسلمان ہیں، جو اصول کے پابند، اور عدل و انصاف کے علمبردار ہیں، ہماری قیادت کی شرارتیں اور خباثتیں نہ ہوتیں تو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے، یہ ساری بدانجامی ہماری غیر مخلص، مادہ پرست قیادت کی ہے۔

بٹائی کا معاہدہ اور نبی رحمت کی کرم فرمائیاں :

بہر حال یہودیوں نے اب، جبکہ ان کی بدکردار، بدعہد اور خائن قیادت کے ٹھیکیدار حیی بن اخطب، سلام بن مشکم، ابو رافع، سلام بن ابی الحقیق، کنانۃ بن الربیع وغیرہ مارے جا چکے تھے، نبی رحمت سے درخواست کی کہ جو ہوا، ان کی قیادت کی نحوست سے ہوا، اب ان کی جان بخشی کردی جائے، اور جلاوطنی کے احکام جاری نہ فرمائے جائیں، بلکہ یہ احسان فرما دیا جائے کہ وہ اپنے علاقوں میں رہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت گزار بن جائیں، آپ کھیت، باغات بٹائی پر دے دیں، جیسے سابق میں جاگیردار دیا کرتے تھے، وہ تو ظلم و جبر کرتے تھے، آپ سے مراحم خسروانہ کی ہمیں امیدیں ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نرم طبیعت، رحمدلی اور شفقت کی بنیاد پر انہیں موقعہ دے کر بٹائی کا معاہدہ فرمالیا، یہ معاہدہ جو عربی میں "مزارعۃ" کہلاتا ہے، خیبر میں ہونے کی بناء پر "مخابرہ" کہلایا، اور باوجود اس کے کہ یہودیوں نے وقتاً فوقتاً بٹائی کے معاملات میں بھی بدعہدی اور خیانت کی، اور آگے چل کر بٹائی معاملات کے افسر حضرت عبداللہ بن سہل انصاری کو شہید کردیا، پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ باقی رکھا۔

خیبر کا مالِ غنیمت :

اس جنگ میں ۹۳ر یہودی مارے گئے، ۱۵ر سے ۲۰ر تک مسلمان شہید ہوئے، مسلمانوں کو خیبر سے ہر طرح کا مال غنیمت حاصل ہوا، جنگی ساز و سامان بھی بڑی تعداد میں ملا، ''دبابے'' اور ''منجنیقیں'' ہاتھ لگیں، قلعہ ''قموص'' سے سو(۱۰۰) زرہیں، چارسو (۴۰۰) تلواریں، ایک ہزار (۱۰۰۰) نیزے، اور پانچ سو (۵۰۰) کمانیں اور بے شمار تیر حاصل ہوئے، سونے چاندی، تانبے اور مٹی کے برتن ملے، ریشمی کپڑے، زیورات اور دیگر سامان بڑی مقدار میں ملا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم :

مالِ غنیمت کا خمس نکالنے کے بعد کل ۳۶۰۰ حصے کئے گئے، ۱۸۰۰ر حصے ملکی ضروریات کے لئے محفوظ کردئے گئے، اور ۱۸۰۰ر حصے (۱۴۰۰) افراد میں اس طرح تقسیم کردیئے گئے کہ ۲۰۰ر گھوڑے تھے، ہر گھوڑے پر دو حصوں کے اعتبار سے ۴۰۰ر حصے گھوڑوں کی ضروریات کے لئے، اور ۱۴۰۰ر حصے شرکاءِ جنگ کے لئے۔

حضرت صفیہ کا قصہ :

حُیی بن اخطب کی بیٹی ''صفیہ'' قلعہ ''بنو الحقیق'' سے گرفتار ہوئی تھیں، اور حضرت دحیہ کلبی کے حصہ میں آئی تھیں، لوگوں کے درمیان اعتراضات ہوئے کہ سردار کی بیٹی ایک عام مجاہد کے حوالہ نہیں ہونا چاہئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، آپ نے محسوس فرمایا کہ یہ تقسیم ان کی حیثیت کے مطابق نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی حریم میں شامل فرمالیا، اوران کا یہ اعزاز فرمایا کہ امہات المؤمنین کی فہرست میں ان کا بھی شمار ہوگیا، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد اور چچا کا مکالمہ سنایا تھا کہ باوجود اس کے کہ وہ آپ کا نبی برحق ہونا جانتے تھے، لیکن ضد اور عناد نے انہیں اندھا کردیا تھا، انہوں نے اپنے چہرہ پر چوٹ کے ایک نشان کے بارے میں بھی بتایا کہ جب انہوں نے اپنا ایک خواب والد کو سنایا کہ ''چاند میری گود میں آ گیا ہے'' تو غصہ میں آپے سے باہر ہوکر والد نے یہ کہتے ہوئے مجھے ایک تھپڑ مارا کہ شاہِ مدینہ کی تمنا کرتی ہے، حالانکہ میرے دل میں ایسا کوئی خیال و تصور بھی نہ تھا۔

یہودی عوام کا استحصال :

یہی سب دوغلی، اور منافقانہ باتیں اور حرکتیں تھیں جو یہودی ربّیوں، پادریوں، عالموں، اور نوابوں اور جاگیرداروں کی، عام یہودی جوانوں، بچوں اور عورتوں کے سامنے آتی تھی، اور وہ اندر اندر ایک عجیب کش مکش اور بے اطمینانی میں مبتلا، نام نہاد لیڈروں کے ہاتھوں گروی اور یرغمال بنے ہوئے تھے۔

اہل ''فدک'' کی مصالحت اور مال ''فئ'' :

فدک خیبر کے جنوب میں ایک گاؤں تھا، وہاں بھی یہودی آبادی تھی، اس نے سمجھداری کا ثبوت دیا، اور بغیر کسی کارروائی کے مصالحت کر لی، یہاں کی آمدنی ''مال فئ'' کی حیثیت رکھتی تھی، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، اولاد اور دیگر اقارب کی ضروریات پر صرف کی جاتی تھی، اور بقیہ ان دیگر مصارف پر جن کا ذکر مال خُمس اور مال فئ کے سلسلہ میں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے، یعنی یتیموں، مسکینوں، اور مسافروں پر اس میں سے صرف کیا جاتا تھا۔

وادی القریٰ اور تیماء کا حال:

وادی القریٰ کے یہودیوں نے اپنی ضد و ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا، لیکن ان سے جنگ کے بعد حالات قابو میں آ گئے، اور خیبر والوں کی طرح ان سے بھی معاملہ ہوا، ''تیماء'' کے علاقہ کے لوگوں نے اس سے سبق لیا اور پہلے ہی مصالحت کر لی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کی ذمہ داری حضرت محیصہ بن مسعود کو دی اور وادی القریٰ کی حضرت عمرو بن سعید بن العاص ؓ کو اور تیماء کی یزید بن ابی سفیان کو جو اسی دن مسلمان ہوئے تھے۔

خیبر میں حضرت جعفر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو موسیٰ کی آمد :

جنگ ہو چکی تھی، مالِ غنیمت بھی تقسیم ہو چکا تھا، کہ حضرت جعفر بن ابی طالب جو مکہ مکرمہ سے قافلہ مبلغین کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے تھے، اور شاہِ حبش نجاشی سے ان کے اچھے روابط تھے، ان کی دعوت سے وہ داخل اسلام ہوا تھا، اپنے اعزہ و رفقاء کے ساتھ خیبر پہونچے، حضور بے انتہاء خوش ہوئے، بڑھ کر ان کی پیشانی چومی، معانقہ فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ میں کہہ نہیں سکتا کہ مجھے جعفر کی آمد کی خوشی زیادہ

ہے یا فتح خیبر کی، اسی موقع پر حضرت ابوہریرہ بھی نئے نئے مسلمان ہوکر دیدار نبوی سے مشرف ہوئے، حضرت ابوموسیٰ اشعری بھی قبیلہ اشعر کے ۵۲ / ۵۳ افراد کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے۔

بعض محرمات کے اعلانات :

خیبر کے موقعہ پر پالتو گدھوں کی حرمت کا اعلان کیا گیا، جنگ خیبر میں رسد کے ختم ہوجانے، اونٹوں کے ذبح ہوتے ہوتے سواریوں کے لیے خطرہ پیدا ہوجانے کے بعد نوبت گدھوں کو ذبح کرنے اور بعض لوگوں کے ان کا گوشت کھانے کی بھی آ چکی تھی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ممانعت کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی پنجہ دار پرندوں اور درندوں کی ممانعت فرمائی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ''متعہ'' (محدود وقت کے لئے شادی) کی بھی ممانعت فرمائی۔ لیکن ترجیح اسکو ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر اسکی ممانعت کا اعلان کیا گیا، اور ہمیشہ کے لئے اسکا دروازہ بند کر دیا گیا۔

شاہانِ عالم اور والیانِ ریاست کو دعوتِ اسلام

صلح نے کفر کا پشتہ توڑ دیا :

صلح حدیبیہ نے ملک کے داخلی محاذ کو ٹھنڈا کیا، مرکز سے مسلسل جنگ کی فضا صلح کے ماحول میں تبدیل ہوئی، تو اسکا ایک طرف تو یہ اثر پڑا کہ آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوگیا، تناؤ (Tension) کی کیفیت باقی نہ رہی، لوگ معمول کی زندگی کی طرف لوٹنے لگے، سوچنے کے مواقع ملے، مدینہ منورہ میں آنے والے مدینہ کی معطر فضاؤں اور ایمان افروز روحانی اور نورانی ماحول کو دیکھ کر بے ساختہ سبحان اللہ اور الحمدللہ کہتے، اور دل میں بے پناہ کشش، اور جذبات کا تلاطم محسوس کرتے، اور ذہنی طور پر اسلام کے لئے تیار ہوجاتے، عوام تو عوام، وہ بے چارہ سادہ مزاج اور سادہ لوح اور عام طور پر سلیم الفطرت ہوتے ہی ہیں، لیڈروں، زعیموں اور کمانڈروں کا یہ حال تھا، کہ جنگیں، جوش، اشتعال اور گرم فضا میں ضرور کرتے رہے، لیکن دل پر چوٹ ''لا الٰہ'' کی لیتے رہے۔

کفر کے لیڈر اسلام کی جھولی میں :

آخر خالد بن الولید، عمرو بن العاص، کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ، اسی وقفۂ صلح میں، حالات کی سازگاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، حلقہ اسلام میں کشاں کشاں، ایک وقت میں ایک دوسرے کی لاعلمی، اور کسی اجتماعی منصوبہ کے بغیر داخل ہو گئے۔

صلح شکست کی غماز :

صلح حدیبیہ نے پورے ملک عرب میں یہ پیغام بھیج دیا تھا کہ مکہ نے حقیقتاً سپر ڈال دی ہے، بس اب وقت کی بات ہے، دورِ جاہلیت کے قدم زوال کے گڑھے کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں، لوگ انتظار اسی گھڑی کا کر رہے تھے، جب مکہ کا یہ صنم کدہ شور تکبیر سے گونج جائے۔

دعوت اسلام عالمیت کے مرحلہ میں :

ان حالات میں پیغمبر انسانیت، رسول اعظم، خاتم النبیین، جن کو آدم کے تمام بیٹوں پر حجت قائم کرنا تھی، جدوجہد دعوت کو، ملک کے باہر دنیا کے سربراہوں اور ان کے ماتحت یا متعلق ریاستوں کے امراء اور نوابین تک پہونچانا چاہتے تھے۔

اسکے لئے جماعتیں روانہ کرنے سے بہتر یہ سمجھا گیا کہ سفارتی روابط قائم کئے جائیں، اور تحریری دعوت کو ذریعہ بنایا جائے۔

دنیا کے دو بلاک :

دنیا مجموعی طور پر اس وقت دو بلاکوں میں تقسیم تھی، ایشیاء کا بڑا علاقہ پرشین بلاک کے ماتحت تھا، جسکا سربراہ حکومت ایران کا تاجور ''کسریٰ'' کہلاتا تھا، یورپ کا پورا علاقہ، ایشیاء کا مغربی شمالی علاقہ اور افریقہ کی شمالی پٹی، رومن بلاک کے زیر اثر تھی، اسکا تاجور ''قیصر'' کہلاتا تھا۔

مصر میں عیسائی حکومت کا سربراہ ''مقوقس'' اور حبشہ کی عیسائی حکومت کا والی ''نجاشی'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

روم وایران کی حکومتیں ایک دوسرے سے نبرد آزما رہی تھیں، لیکن اس وقت رومن امپائر کا

طوطی بول رہا تھا، اس کے باوجود ایرانی حکومت فخر ومباہات اور جھوٹے تکبر وطمطراق میں اس سے بہت آگے تھی۔

سفراء دعوت کا انتخاب :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے - جواب جزیرۃ العرب پر حکمرانی کرنے والی سب سے بڑی ابھرتی ہوئی طاقت کے مالک تھے - تحریری طور پر مشرق ومغرب کی بڑی حکومتوں کو دعوت پیش کرنا چاہا، اسکے لئے پہلے سربراہانِ ممالک کو مخاطب کرنا تھا، اس کار عظیم کے لئے سفراء کا انتخاب اس بنیاد پر کیا گیا کہ وہ متعلقہ ممالک، وہاں کی روایات، زبان، اور حالات سے اچھی طرح واقف ہوں۔

عالمی صدور اور والیان ریاست اور سفراء نبوی :

انتخاب اس طرح تھا :

۱۔ ہرقل، قیصر روم کے لئے	دحیہ کلبی
۲۔ خسرو پرویز، کسریٰ ایران کے لئے	عبداللہ بن حذافہ
۳۔ جریج بن متی، مقوقس مصر کے لئے	حاطب بن ابی بلتعہ
۴۔ اصحم بن ابجر، نجاشی حبشہ کے لئے	عمرو بن امیہ ضمری
۵۔ شرحبیل بن عمرو غسانی، والیٔ بصری کے لئے	حارث بن عمر ازدی
۶۔ حارث بن ابی شمر الغسانی، والیٔ بلقاء کے لئے	شجاع بن وہب الاسدی
۷۔ ہوذہ بن علی حنفی، والیٔ یمامہ کے لئے	سلیط بن عمرو عامری

مہر نبوی :

تحریری دعوت نامے ارسال کرنے کی بات پر یہ مشورہ سامنے آیا کہ خطوط اور دعوت ناموں پر مہر سرکاری ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی کی شکل میں مہر بنوائی، پھر اسکی ممانعت کی وحی کے نتیجہ میں چاندی کی مہر بنوائی، غالباً انگوٹھی کی شکل اسے حفاظت کی خاطر دی گئی، تا کہ اپنے ہاتھ میں رہے، ادھر اُدھر نہ ہو سکے۔

دعوت ناموں کی ترتیب :

دعوتی خطوط تیار کئے گئے، جن میں پہلے ''بسم اللہ'' لکھی گئی، پھر مرسل کا نام اوران کی اصل حیثیت کا ذکر، پھر مرسل الیہ کا نام اوراسکا منصب وعہدہ پھر مضمون دعوت۔

دعوت ناموں کا مضمون :

مضمون میں اس بات پر زور دیا گیا کہ اسلام سلامتی کا ضامن ہے، اسے قبول کرنا مدعو کی سلامتی پر منتج ہوگا، اوراسے رد کرنے کا مطلب اپنی قوم کا گناہ اپنی گردن پر لینا، اورحرمان نصیبی، اور بدقسمتی، دعوت نامہ میں اہل کتاب کے سربراہ کو مشترک فکر وعقیدہ پر پہلے اتفاق کرنے کی دعوت پیش کی گئی، کہ توحید کو متفقہ طور پر مانا جائے، پھرآگے کی بات ہوگی۔

ریاستوں کے والیوں کے ذریعہ سربراہان ممالک کوخطوط :

دعوت نامے ذمہ دار سفراء کے ذریعہ روانہ کیئے گئے اور یہ ہدایت دی گئی کہ جزیرۃ العرب کے اندر موجود رومن اور پرشین بلاک سے متعلق ریاستوں کے والیوں کو یہ خطوط دیئے جائیں تاکہ وہ اپنی وساطت سے انہیں سربراہانِ مملکتہائے عظمٰی کو پیش کریں۔

کسریٰ نے اپنے ملک کے ٹکڑے کردیئے :

سفراء خطوط لے کر روانہ ہوئے، یہ ے ھ کے اوائل کا زمانہ تھا، ایرانی سربراہ ''کسریٰ'' جو فخر و غرور میں دیوانہ تھا، نہایت سختی اور درشتی سے پیش آیا، غراتے اور للکارتے ہوئے اس نے نامہ مبارک چاک کردیا، اوراس طرح اس بدقسمت نے اپنی تباہی وبربادی کی گھنٹی بھی بجادی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کسریٰ نے اپنے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے، کسریٰ تباہ ہوا، اورقیصر بھی ہلاک ہوجائے گا، پھر نہ کسریٰ رہیگا نہ قیصر، کسری کو اس کے بیٹے نے مارا، بیٹا زہر کھا کر مرا، پھر اسکی بیٹی بوران تخت پر بٹھائی گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : وہ قوم کامیاب نہیں ہوسکتی جو عورت کو حکومت سونپ دے''۔

غسانی گورنراور حاکم بلقاء کا مغرورانہ رویّہ :

غسانی حکومت کے مغرور والی شرحبیل بن عمرو نے تمام حدود توڑتے ہوئے سفیر کو ہی شہید

کر دیا، حاکم بلقاء حارث بن ابی شمر نے بھی خط پھینک دیا، اور غرور و تکبر سے باتیں کیں، اور حملہ کی دھمکی دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس کی ریاست ویران ہوا چاہتی ہے۔

مقوقس کا حسن سلوک :

باقی تمام حکام اور والیانِ ریاست نے اچھا معاملہ کیا، اور خاص طور پر والی مصر ''مقوقس'' نے بڑے اکرام و اعزاز کا سلوک کیا، تحائف بھیجے، ایک سفید قیمتی خچر، منقش چرمی موزے، ۲۰ قباطی کپڑے، ایک ہزار دینار (اشرفی)، ایک گھوڑا، شیشہ کا ایک پیالہ اور شہد، ایک حبشی غلام، اور دو کنیزیں، ماریہ قبطیہ اور سیرین بطور ہدایا ارسال کیں، ماریہ حضور کی ام ولد تھیں، جن سے ابراہیم بن محمد پیدا ہوئے، اور سیرین حضرت حسان کی ملک میں رہیں۔

ہرقل کا موقف :

ہرقل (Herculius) سربراہ مملکت روما، کو خط بیت المقدس میں ایران پر فتح کا جشن منانے کے دوران ملا تھا، وہ عیسائیوں کے آریوسی فرقہ سے - جو توحید کا قائل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان رکھتا تھا - تعلق رکھتا تھا، اس نے ان عرب تجار کو تحقیق حال کیلئے اپنے محل میں طلب کیا جو شام تجارت کے لیے آتے جاتے رہتے تھے، حسن اتفاق کہ اس دوران ابوسفیان ایک قافلہ لے کر گئے ہوئے تھے اور ''غزہ'' میں تھے، ان کو اپنے رفقاء کے ساتھ حاضر کیا گیا، ہرقل نے خود ان سے بذریعہ ترجمان سوالات کیئے، جوابات سنے، اور اپنے تاثرات کا بے ساختہ اظہار کر دیا، کہ وہ نبی برحق ہیں، اور وہ اس علاقہ پر بھی غالب آ جائیں گے۔

ویٹیکن کے پوپ کا قتل :

ہرقل نے بعد میں ''ویٹیکان'' (Vatican) کے پوپ کو بھی نامہ مبارک اپنے خط کے ساتھ، مسلمان سفیر کو دے کر بھیجا، تاکہ ان کی رائے بھی معلوم کی جائے، انہوں نے نہ صرف تائید کی، بلکہ اپنی آخرت بنانے کی خاطر سفیر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، جس کے بعد ویٹیکان کے دیگر ذمہ داروں نے عوامی بغاوت و احتجاج کے مظاہرہ میں انہیں شہید کروا دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب

ہرقل سیاست کے شکنجہ میں :

ہرقل نے خود شہر ''القدس'' کے اپنے محل اور پھر حمص میں جو مشرقی علاقہ کا ہیڈ کوارٹر تھا، اپنے محل کے ہال میں دو مرتبہ وزراء، ممبران پارلیمنٹ اور پادری صاحبان کی موجودگی میں اس دعوت نامہ کے سلسلہ میں مثبت ردعمل، اور اس دعوت کو قبول کرنے کی بہ احتیاط پیش کش کی، لیکن پادریوں، مذہبی ذمہ داروں اور اعیان حکومت کے شدید منفی ردعمل اور پوپ کے سانحہ کے بعد مذہب پر سیاست کو ترجیح دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''غزوہ تبوک'' کے موقعہ پر بھی ایک مرتبہ اسکو پیغام بھیجا تھا، لیکن اس کے سیاسی جواب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ظاہرداری کر رہا ہے، دل سے مؤمن نہیں۔

حاکم یمامہ کا رویّہ :

ھوذہ بن علی حنفی والیٔ یمامہ نے سلیط بن عمرو سفیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام کیا، علاقہ ہجر کے بنے ہوئے کپڑے پہنائے اور ''ثمامہ بن اثال'' کے پاس بھیجا۔

دیگر علاقوں کو دعوت نامے :

یہ ۷ھ میں سفارتی ودعوتی کوششیں تھیں، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے دعوتی خطوط ۸ھ سے ۱۰ھ تک - جو دینی ودعوتی رسالوں، جرائد، پمفلٹس، فولڈرز، وغیرہ کے لئے سنت نبوی کی بنیاد فراہم کرتے ہیں - عمان کے رئیس جیفر بن الجلندی اور اس کے بھائی عبد بن الجلندی کے پاس عمرو بن العاص کے ذریعہ- بحرین (یعنی احساء ودمام) وغیرہ کے علاقہ کے حاکم منذر بن ساوی کے پاس علاء بن الحضرمی کے ذریعہ، ارسال فرمائے گئے، یمن کے مختلف علاقوں کے حکام اور مذہبی پیشواؤں کو دعوت دینے، یا ان کے کسی خط کا جواب پہونچانے کے لئے آپ نے مہاجر بن ابی امیہ، جریر بن عبداللہ البجلی، ابوموسیٰ اشعری، اور معاذ بن جبل وغیرہ حضرات کو بھیجا، انتظامی ذمہ داریاں بھی ان کو سونپی گئیں۔

پانچ نامہائے مبارک محفوظ ہیں :

ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادی مرحوم کی قبر کو اللہ تعالیٰ نور سے بھر دے مختلف اسلامی موضوعات پر اور بالخصوص سیرت نبوی پر ان کی تحقیقات نے اس میدان میں کام کرنے والوں کیلئے بنیادی اور نہایت

محققانہ موادفراہم کر دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ نامہ ہائے مبارک اپنی اصل حالت میں دریافت ہوئے ہیں۔

۱۔ ہرقل قیصر روم کے نام نامۂ مبارک اردن کے قصر شاہی میں محفوظ ہے، برٹش میوزیم کے ماہرین آثار نے اسکی تصدیق بھی کی ہے۔

۲۔خسرو پرویز کے نام گرامی نامہ بیروت کے سابق وزیر خارجہ ہنری فرعون نے دمشق میں کسی خزانۂ مخطوطات سے خریدا تھا، اسکا عکس الحیات بیروت ۲۲رمئی ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا تھا۔

۳۔مقوقس کے نام نامۂ اقدس استانبول کے ''توپ کاپی'' عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

۴۔نجاشی کے نام خط مبارک ۱۹۳۸ء میں دمشق کے ایک شخص نے حبشہ کے لاٹ پادری سے خریدا تھا۔

۵۔منذر بن ساوی والئ بحرین کے نام حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک دمشق کے قوتلی خاندان میں محفوظ ہے۔

عمرة القضاء : ذی القعدة ۷ھ

عمرۂ تشنہ کی تکمیل :

حدیبیہ کے میدان میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاہدۂ صلح فرمایا تھا، وہ جس عمرہ کے راستہ میں رکاوٹ کا نتیجہ تھا، اسکی تکمیل معاہدہ کا سب سے اہم حصہ تھا، وہ عمرہ ماہ ذی القعدة میں ہوا تھا، لیکن تشنۂ تکمیل رہ گیا اور لب بام پہنچ کر بے چین روحوں کو واپس آنا پڑا تھا، جو دیدار کعبہ کے لئے تڑپ رہی تھیں، اور مکہ کی سرزمین کو ترس رہی تھیں۔

عمرة القضاء کیلئے جانے والے:

بڑے ذوق وشوق سے پھر وہی قافلۂ نورانی عمرہ کے لئے رخت سفر باندھ چل کھڑا ہوا، مزید ایک تعداد اجازت نبوی سے مشرف ہوکر شامل ہوگئی، بچوں اور عورتوں کے علاوہ دو ہزار مسافر بنیّت عمرہ

روانہ ہوئے، دوسو گھوڑے بھی تھے، ۷۰ رقربانی کے جانور تھے، گذشتہ سفر میں جو بھی ساتھ ہوا، وہ اس سفر کا بھی رفیق رہا، سوائے ان کے جو خیبر میں شہید ہو گئے تھے، یا عمرۃ القضاء سے پہلے انتقال کر گئے تھے۔

سفر عمرہ جنگی تیاریوں کے ساتھ :

اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کی قیادت میں گھوڑ سوار دستہ کو شامل فرمایا، اور کسی بھی اچانک جنگ کی صورتحال پیش آنے کے خطرہ کی بنیاد پر تمام ضروری اسلحہ ساتھ لئے، اسکی اطلاع اہل مکہ کو ملی، تو ان میں گھبراہٹ کے ساتھ غصہ پیدا ہوا، انہوں نے مکرز بن حفص کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرنے کے لئے بھیجا وہ "مر الظھران" "بطن یاجج" میں مکہ مکرمہ سے آٹھ میل دوری پر ملا، تو آپ نے وضاحت فرمادی کہ ہم پوری طرح شرائط کے مطابق ہی داخل ہونگے۔ یہ سارا ہتھیار باہر چھوڑ دیا جائے گا۔ گھوڑ سوار دستہ باہر ہی تعینات رہا تاکہ کسی بھی ناگفتہ بہ صورتحال کے لئے وہ ہمہ وقت تیار رہے، آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ مسلمانوں کو نہتا دیکھ کر مشرکین کی طرف سے کوئی بھی شرارت ہوسکتی ہے۔

اب کوکبۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، حسب شرط، نیام میں تلواروں کے ساتھ، محافظین کے جلو میں، تلبیہ وتکبیر کی کفر شکن، اور ایمان افروز گونج کے ساتھ اور "لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك والملك، لا شريك لك"، (حاضر ہیں، اے اللہ حاضر ہیں، حاضر ہیں، تیرا کوئی ساجھی نہیں، تیرے بندے حاضر ہیں، شکر تیرا، احسان تیرا، بادشاہت تیری، کوئی تیرا شریک نہیں) کی صداؤں کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔

کوکبۂ نبوی کے داخلہ کا منظر :

جب کوکبۂ نبوی شہر مکہ میں داخل ہو رہا تھا تو ایک طرف اگر مسلمانوں کے جذبات کا سیلاب امنڈا چلا آرہا تھا، آوازوں میں جوش وقوت، آنکھوں میں آنسو، دربار الٰہی میں تضرع وزاری، تو دوسری طرف حاسد مشرکین مکہ چھوڑ کر ادھر ادھر چھٹ گئے تھے، یا گھروں میں چھپے بیٹھے تھے کہ یہ منظر نہ دیکھیں، لیکن عام آبادی کے لوگ، کیا بچے کیا بوڑھے، کیا جوان اور کیا عورتیں اپنے ہی بھائی بندوں، یعنی مہاجروں اور ان کے ایمانی بھائیوں یعنی انصار کے ولولہ انگیز تَلْبِیَتی نعروں، اور ان کے منور چہروں کی

تابانیوں کو دیکھنے کے لئے بیتابانہ گھروں کے دروازوں اور چھتوں پر کھڑے اس ملکوتی منظر سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر رہے تھے، اور اپنے پیاسے دلوں پر سکینت کی پھوار محسوس کر رہے تھے، تلبیہ وتکبیر کے زمزموں کے ساتھ شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہ یوں رجز کناں تھے :

خلوا بنی الکفار عن سبیله		خلوا فکل الخیر فی رسوله
یا رب انی مؤمن بقیله		اعرف حق الله فی قبوله
ضربا یزیل الهام عن مقیله		ویذهل الخلیل عن خلیله

ترجمہ : اے کافروں کی اولاد حضور کے سامنے سے ہٹو،

ہر خیر انہیں کے راستہ میں ہے، اے مالک! میں ان کی باتوں پر ایمان رکھتا ہوں،

اور ان کو ماننے میں ہی اللہ کا حق جانتا ہوں،

ان کے حکم کے نفاذ کے لئے ہماری تلواریں سروں کو کندھوں سے جدا کر دیتی ہیں،

اور سارے تعلقات بھلا دیتی ہے۔

پنجوں کے بل اکڑ کر چلو :

یہ پاکیزہ جماعت ذات قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مسجد حرام میں دعاؤں کے ساتھ داخل ہوئی، اضطباع (دائیں کاندھے کے نیچے سے چادر کا پلو بائیں کاندھے پر ڈال کر) طواف شروع کر دیا گیا، پہلا ہی چکر تھا، کہ حطیم کے سامنے بیٹھے ہوئے کچھ مشرکین نے تبصرے کئے کہ مدینہ کے بخار نے ان کی کمر توڑ دی ہے، عبادت اور معرکہ کے قائد کی نگاہ ہر چھوٹے سے چھوٹے جزئیہ پر بھی رہتی تھی، جیسے کہ بنیادی اصول وضوابط پر، فرمایا کہ پنجوں کے بل اکڑ کر چلو، حضرت ابن عباسؓ کا کہنا ہے کہ یہ حکم مشرکوں کے سامنے اپنی قوت کے اظہار کے لئے تھا۔

ہدایت نبوی کی حکمت :

ان عابدوں اور زاہدوں کو اس مقام پر ذرا ٹھہرنا چاہئے، جن کے ہاں روحانیت کی تلاش میں جسمانی چستی کی نہ کوئی فکر ہے نہ انتظام، ذرا دیکھیں کہ یہاں دورانِ طواف، مرکز تجلیاتِ جلال وجمال،

کعبہ مقدس کے اردگرد، مشرکین پر نفسیاتی اثر ڈالنے کے لئے اکڑ کر، پہلوانی چال چلنے کی ہدایت دی جارہی تھی!!اس سے اسلام کے نظام ومزاج اور اعتدال و جامعیت کو سمجھنے کی کیا خوب رہنمائی ملتی ہے۔

دورانِ سعی حفاظت کا انتظام :

طواف کی تکمیل ہوئی، مقام ابراہیم پر دو رکعت ادا فرمائی، ملتزم پر دعائیں کیں، زمزم تناول فرمایا، پھر مسعی کی طرف چلے، صفا پر چڑھے، یہی وہ پہاڑی تھی جس پر اسلام کی صداء سب سے پہلے لگائی گئی تھی، جس سے پورے مکہ میں آگ لگ گئی تھی، آج سکون وسکینت کا ماحول تھا، تکبیر کی آواز بلند ہورہی تھی، طویل دعائیں تھیں، مقام سعی عام راستہ تھا، اسلئے حفاظتی دستہ یہاں چوکنا تھا، اپنے احاطہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لئے ہوئے تھا، کہیں دھوکہ سے کوئی دشمن حملہ نہ کردے۔

بلال کی اذان :

قریب ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ نصب تھا، جہاں قیام تھا، تین دن کے قیام میں پنجوقتہ نمازیں حرم میں جماعت سے ادا کی جارہی تھیں، بلال جب اذان دیتے تھے، توحید کا نعرہ مستانہ لگاتے تھے، تو ان پر ایمان ویقین کا کیسا نشہ چڑھتا ہوگا، اور مشرکین کے دل ودماغ پر کیسی بجلیاں گرتی ہونگی، اسکو تو بس وہی جانتے تھے، اور ان کا اللہ!

حضرتِ میمونہ سے نکاح :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب دورانِ سفر مکہ کے قریب مقام ''سرف'' پہونچے تھے، تو حضرت عبداللہ بن عباس کی خالہ حضرت میمونہ کے لئے جو بیوہ ہوگئی تھیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم کی منتظر تھیں، پیغام اپنے خادم ابورافع کے ذریعہ بھجوادیا تھا، اور حضرت عباس نے (جو حضور کے چچا اور مکہ میں نمائندہ تھے، اگرچہ ان کا اسلام ابھی تک مخفی تھا) ۴۰۰/درہم مہر پر عقد کردیا تھا، مکہ میں قیام کے جب تین دن ہوگئے، تو سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزی وغیرہ آئے کہ قیام کا وقت ختم ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی حرج نہ ہو تو آپ لوگ ولیمہ کی دعوت میں شرکت کریں، وہ تو چڑھے ہوئے تھے، کہنے لگے ہمیں آپ کا کھانا نہیں چاہئے، آپ حسب وعدہ وشرائط مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے،

''سَرِف'' کے مقام پر ٹھہرے جہاں عقد ہوا تھا، حضرت میمونہ کی رخصتی ہوئی، ولیمہ ہوا، پھر مدینہ منورہ واپسی ہوئی، تقدیر الٰہی کی بات کہ ۵۱ھ میں اسی مقام پر ان کی وفات ہوئی، حضرت عبداللہ بن عباس نے نماز جنازہ کی امامت فرمائی۔

۷ھ کا عمرہ کامیاب دعوتی سفر:

۷ھ کا عمرہ جو ۶ھ کے عمرہ کی قضاء تھا، محض ایک عمرہ ہی نہ تھا، بلکہ ''معاہدہ صلح'' کا ایک ٹسٹ (Test) اور ایک آزمائشی سفر و قیام تھا، الحمدللہ دورانِ سفر اور قیام مکہ مکرمہ کے ایام میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا، دعوت کے میدان میں یہ ایک زبردست فتح تھی، یہ پہلا موقعہ تھا کہ مکی آبادی کے چھوٹوں، بڑوں، مردوں، اور عورتوں کو ٹھنڈے ماحول، اور تجسس کی نگاہوں کے ساتھ چھ سال کے بعد مکہ سے ہجرت کرنیوالی اقلیت کی کامیابیوں، اور دینی، علمی، روحانی اور اخلاقی تربیت کے دلکش، اور مؤثر مناظر دیکھنے کو ملے، جنھوں نے ان کے دلوں کی زمینوں میں ایمان و یقین، حق کی سربلندی، نبی کی صداقت، اور قرآن کے اعجاز کے بیج بو دیئے۔

غزوہ ذات الرقاع

غطفانیوں کی شورشیں اور شرارتیں:

مدینہ منورہ واپسی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اب ایک طرف یہ موضوع تھا کہ ملک کے شورش زدہ، اور شری عناصر کے بعض علاقوں کو سبق سکھایا جائے، اور پھر بڑی طاقتوں کے ماتحت ریاستوں سے نمٹا جائے، ابھی تک مدینہ منورہ کے شمال میں غطفانیوں کی دشمنانہ حرکتوں سے سابقہ پڑتا رہتا تھا، غطفانیوں کے ذیلی قبائل مل کر ایک بہت بڑا جتھا بنائے ہوئے تھے، ان میں متعدد مافیا گروپ کے لوگ تھے، جو موقعہ پاکر، جہاں کمزوری دیکھتے تھے حملہ کرتے، لوٹ مار کرتے، ڈکیتی مارتے، اور بھاگ جاتے۔

غزوہ ذات الرقاع

بنوثعلبہ اور محارب کے ارادے :

جنگ خیبر کے بعد انہوں نے جب اپنے اتحادیوں (یہودی حلیفوں) کا انجام دیکھا، تو بجائے اس کے کہ وہ بھی مصالحت کیلئے آگے بڑھتے ، ان کے غرور و گھمنڈ اور اپنی عددی طاقت پر فخر و ناز نے انہیں شرارت پر مجبور کیا، اطلاعات مدینہ منورہ میں یہ پہونچیں کہ ان کے قبائل ''بنی ثعلبہ'' اور ''محارب'' کسی کارروائی کی سوچ اور تیاری میں ہیں۔

ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آگے بڑھنے کی مہلت نہ دی، اور خود چار سو مجاہدوں کو لے کر آگے بڑھے، اس سفر جہاد میں ابوموسی اشعری بھی تھے، وہ ےؔھ میں یمن سے حبشہ ہوتے ہوئے حضرت جعفر کے ساتھ خیبر پہونچے تھے، اس جنگ کی نہ صرف یہ کہ وہ روایت کرتے ہیں، بلکہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ اسکو ''ذات الرقاع'' (چیتھڑوں والی) اسلئے کہا گیا کہ ہم لوگوں کے چلتے چلتے پیر پھٹ گئے، کسی کسی کے پتھر کی ٹکر کی وجہ سے ناخن تک ٹوٹ گئے، اسلئے کپڑے اور چیتھڑے پیروں پر لپیٹنے پڑے، اسی بناء پر اسکو ''ذات الرقاع'' کہا گیا۔

صلاۃ الخوف کی ابتداء :

اس جنگ میں پہلی مرتبہ صلاۃ الخوف ''جنگ کی نماز'' پڑھی گئی، جنگ خندق میں نماز قضا ہوئی لیکن کیونکہ صلاۃ الخوف کا حکم نہ آیا تھا، اسلئے صلاۃ الخوف نہ پڑھی گئی۔

تلاوت قرآن کی محویت:

بہرحال پیش قدمی کی اس کارروائی سے دشمن اور فتنہ پرور قبائل کے دماغ ٹھکانے لگ گئے، اس غزوہ کے دوران شب میں پہرہ داری عباد بن بشر اور عمار بن یاسر کو سونپی گئی تھی، عباد اپنی باری میں تہجد پڑھ رہے تھے، سورۂ یوسف کی قراءت میں محو تھے، کہ ایک تیر لگا، دوسرا لگا، تیسرا لگا، خون کی دھار اور تیروں کی سرسراہٹ پر ساتھی نے اٹھ کر جو منظر دیکھا، اس نے ان کو حیران کر دیا، فوراً ان کی مرہم پٹی کی، اور خود نگرانی کا فریضہ انجام دینا شروع کیا۔

''غورث'' کا واقعہ:

اس سفر سے واپسی میں ایک صحراء میں قیام کے دوران جب صحابہ دور دور درختوں کے نیچے بوقت دوپہر دھوپ کی تمازت سے بچنے کے لئے لیٹ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک درخت کے نیچے شاخ پر تلوار لٹکا کر آرام فرما رہے تھے، کہ ''غورث'' نامی ایک کافر تلوار اٹھا، نیام سے نکال، اسے سونت کر کھڑا ہو گیا، اور قریب تھا کہ وار کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی، دشمن ننگی تلوار لئے غرا رہا تھا، اب مجھ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ فرمایا ''اللہ''، یہ کلمہ جس یقین واذعان اور ایمانی طاقت وجوش کے ساتھ نکلا اسکا فوری اثر یہ ہوا، کہ وہ کپکپا گیا، ہاتھ پر لرزہ طاری ہو گیا، تلوار گر پڑی، حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے تلوار اپنے ہاتھ میں لی، اور فرمایا، بتا، تجھے کون بچائیگا؟ ، بس وہ گھگھیا کر پیروں پر گر پڑا، نبوت کے حلم وعفو وکرم نے اسے آزاد چھوڑ دیا، کہا جاتا ہے کہ پھر وہ مسلمان ہو گیا، اور اخلاق نبوی کا اپنے قبیلہ وعلاقہ میں سب سے بڑا ترجمان بن گیا۔

غزوہ موتہ

جنگ سے پہلے دعوت کی حجت :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ العرب کی مرکزی طاقت سے جنگ بندی کے معاہدہ کے بعد دعوتی اور تحریکی کارروائی کی توسیع کا عمل شروع فرما دیا تھا، اور اپنے اصول کے مطابق پہلے اپنی دعوت بذریعہ خطوط پیش فرمائی، تا کہ آگے چل کر جب عوام ورعایا کو حکام کے ظلم سے نجات دلانے اور بندوں کی بندگی سے بندگان خدا کو نکال کر خدا کی بندگی میں داخل کرنے کا عمل شروع ہو، تو یہ کہنے کا کسی حکومت کو موقعہ نہ رہے کہ آپ کون اور کیا ہیں؟ حجت، دعوت کی ان پر قائم ہو جائے، بات صراحت اور وضاحت سے پہونچ جائے۔

''باذان'' کے سپاہی:

خطوط کے جوابات کی گذشتہ صفحات میں وضاحت کی جا چکی ہے، ایرانی ساسانی حکومت کے

سربراہ کی بے ادبی، گستاخی، اور غیر رسمی اور غیر شریفانہ حرکت کا بھی ذکر آ چکا ہے، اس نے مزید مظاہرۂ غروریوں کیا کہ اپنے ماتحت حاکم یمن ''باذان'' کولکھا کہ یہ کون ہے جو اپنا نام پہلے لکھ کر مجھے مخاطب کرتا ہے، اسکو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجو، باذان نے دو مسٹنڈے، مونچھیں چڑھائے، اور داڑھی منڈائے ہوئے پولیس والے بھیجے، وہ طائف سے ہوتے ہوئے، پوچھ گچھ کرتے ''مرتا کیا نہ کرتا'' کی مثال ڈرے سہمے مدینہ منورہ پہونچے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی منڈی داڑھی اور چڑھی مونچھوں والے چہروں سے منھ پھیر لیا، اور فرمایا، کس نے تم کو اس طرح صورت بنانا سکھایا، کہنے لگے ہمارے آقا نے، فرمایا: ہمارے رب نے ہمکو داڑھی بڑھانے اور مونچھیں ترشوانے کا حکم فرمایا ہے، بہر حال وہ ذلت ورسوائی اور احساس کمتری کے ساتھ اور مسلم معاشرہ کی خوبیوں سے متاثر ہوکر واپس آ گئے، اور پھر تو نبوی پیش گوئی کے مطابق نہ کسریٰ رہا نہ کسریٰ کی ماتحت حکومتیں، دھیرے دھیرے عہد نبوی ہی میں اسکی طاقت بکھر گئی، یمن وبحرین مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔

حضرت حارث سفیر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت :

دوسری طرف سب سے زیادہ سخت رویہ، سفارتی آداب کی دھجیاں اڑاتے ہوئے، اور غرور کی تمام حدوں کو پار کرتے ہوئے شرحبیل بن ابی عمرو نے یہ اختیار کیا کہ سفیر نبوی حضرت حارث بن ابی عمیر کو شہید کر دیا تھا۔

واقعہ شہادت کی سنگینی :

یہ کارروائی صرف ایک فرد کی شہادت ہی نہیں تھی، اسکو ایک حادثہ اور انفرادی نوعیت کا نقصان سمجھ کر، انا للہ پڑھ کر صبر کی تلقین کر کے خاموش بھی رہا جا سکتا تھا۔

لیکن جو نبی اعظم، ہادی امم، ختم الرسل، اسلئے برپا ہوا تھا، کہ عالم انسانیت کو ایک نئے نظام - جو اصلاً ازلی اور ابدی ہے - سے روشناس کرائے، اور پوری انسانیت کو کفر وشرک کے عفریتی چنگل سے آزادی عطا کرے، اس کے لئے اس واقعہ جانکاہ پر خاموشی کے کوئی معنی نہیں تھے۔

غسانی حکومت کی طاقت :

لیکن غسانی حکومت کی گوشمالی اور تادیبی وتعزیری کارروائی قریش، غطفان، یہودیوں یا اہل نجد کے خلاف کارروائیوں کی نوعیت کی نہیں تھی، اس چھوٹی سی حکومت نے یہ مغرورانہ اقدام اپنے مقام وحیثیت کو دیکھتے ہوئے نہیں کیا تھا، اسکو معلوم تھا کہ اسکی پشت پر ایک سپر پاور (Super Power) دنیا کے بڑے حصہ پر قابض ہے، غسانی حکومت رومن بلاک کی ایک کالونی ہے، جس کے سامنے سا سانی حکومت بھی نہ ٹھہر سکی، اور جس نے اسکے قلب پر حملہ کیا۔

سپر پاور سے ٹکراؤ کا فیصلہ اور قائدین کا انتخاب :

حضور ﷺ خوب اچھی طرح جانتے تھے، کہ شرحبیل کے خلاف فوج کشی رومن امپائر کے خلاف فوج کشی ہے، یعنی اسکا مطلب یہ ہے چند ہزار افراد کو لاکھوں فوجیوں سے ٹکرانا پڑے گا۔

خوب سوچ سمجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم مقاصد پیش نظر رکھتے ہوئے، اور پوری دنیا کے لئے اس انقلاب عظیم کی ترسیل وتبلیغ کا نظام بنانے کے لئے، اس خوفناک اقدام کو ضروری سمجھا، اور اسکے لئے منجھے ہوئے، اور تربیت یافتہ کمانڈروں اور فوجیوں کے علاوہ ایسے قائدین کا انتخاب فرمایا جو آپ کے دل وجگر کے ٹکڑے تھے، زید بن حارثہ بیٹے کی طرح، جعفر بن ابی طالب چہیتے بھائی، عبداللہ بن رواحہ عزیز ترین مجاہد وشاعر وادیب۔

عظیم قربانیوں کی تیاریاں :

یہ پہلا موقعہ تھا کہ آپ نے کسی جنگ کے لیئے تین قائدین کا انتخاب فرمایا، اور ان کی ترتیب قیادت طے فرمادی، اگر یہ شہید ہوجائیں، تو یہ قیادت کریں، اور یہ بھی نہ رہیں تو قیادت ان کے ہاتھ میں ہو۔

کیا یہ انتخاب وترتیب صورتحال کی خطرناکی، معرکہ کی ہولناکی، نتائج کی کڑواہٹ اور عظیم نقصانات کی نشاندھی نہیں کررہی تھی؟؟۔

بڑے عظیم مقاصد، عظیم ترین قربانیوں سے حاصل کئے جاتے ہیں،، اپنی جان، اپنا مال، اپنے اعزہ واقارب اور اپنا سب کچھ تج دینا پڑتا ہے۔

جنگ احد کے موقعہ پر گھروں اور محلوں کو چھوڑ کر جو قائد اسلام، میدان معرکہ کی طرف رواں دواں تھا، کیا اسے خواب میں نہیں بتا دیا گیا تھا کہ ان کا قریب ترین فرد خاندان شہید ہوجائیگا، ان کے ستر ساتھی جام شہادت پئیں گے۔ لیکن کیا ان غیبی خبروں نے پیروں میں کہیں ڈگمگاہٹ، ارادوں میں کہیں کمزوری اور عزیمت میں کوئی سستی پیدا ہونے دی!؟

شمالی ریاستوں اور قبائل کی شرارتیں اور تادیبی کارروائیاں :

رومی حکومت کے ماتحت شمالی عرب کی ریاستیں، عیسائی قبائل، اور ان سے سیاسی تعلق رکھنے والے عرب قبائل مسلمانوں کے خلاف شرانگیزیوں میں مشغول تھے، قبیلہ کلب و قضاعہ جو "دومة الجندل" میں رہتے تھے، مسلمان تاجروں کو پریشان کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۵ھ میں ان کے خلاف فوجی کارروائی کی۔

قبیلہ جذام ولخم نے حضرت دحیہ کلبی پر -جب وہ شام سے واپس آرہے تھے، اور مقام "حسمي" سے گزر رہے تھے- ڈاکہ ڈالا، سارا ساز و سامان چھین لیا، جسکے نتیجہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ۶ھ میں ان کے خلاف تادیبی کارروائی کے لئے حضرت زید بن حارثہ کی کمان میں ایک "سریہ" بھیجنا پڑا۔

قبیلہ قضاعہ اور "مذحج" نے حضرت زید بن حارثہ پر اس وقت حملہ کیا تھا جب وہ وادی القریٰ تبلیغی جماعت لے کر جا رہے تھے۔

بلقاء کے حاکم حارث بن ابی شمر الغسانی نے سفیر رسول حضرت شجاع بن وھب اسدی کے ساتھ بدسلوکی کی تھی، اور مدینہ کے خلاف جنگ چھیڑنے کی دھمکی دی تھی۔

اسی زمانہ میں حضرت عمرو بن کعب غفاری کی سرکردگی میں ایک جماعت دعوتی کام کے لئے، "ذات اطلاح" کے علاقہ میں گئی تھی، جسکو علاقہ کے غنڈوں اور اوباشوں نے گھیر کر شہید کر دیا، صرف حضرت عمرو بن کعب زخمی ہوکر اور کسی طرح جان بچا کر واپس آ سکے تھے، شام کے عیسائیوں نے نو مسلموں پر مظالم ڈھائے تھے، "معان" کے گورنر کو اسلام قبول کرنے کے جرم میں شہید کیا گیا۔ شام کے حکام نے دیگر نومسلموں کو بھی شہید کیا۔

رومن امپائر سے تعلق رکھنے والے قبیلوں اور ریاستوں نے جنگ کی ایک فضا قائم کر رکھی تھی، پھر سفیر نبوی کے قتل کا واقعہ قدم اٹھانے کا ایک واضح اور طاقتور محرک بن گیا۔

تین ہزار دو لاکھ کے مقابلہ میں:

تین ہزار جوانمردوں پر مشتمل ایک فوج جمادی الاولی ۸ھ مطابق اگست ۶۲۹ء میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں چلی، خالد بن الولید اس فوج میں ایک جونیر کمانڈر کی حیثیت سے شامل کئے گئے، ۷ھ ہجری میں وہ اسلام لا چکے تھے۔

فوج ایک طویل راستہ طے کرتی ہوئی اردن کے علاقہ ''معان'' پہونچی، تو معلوم ہوا کہ ہرقل شاہ روم ایک لاکھ نفری فوج کی قیادت کرتا ہوا ''بلقاء'' میں پڑاؤ ڈالے ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ ہرقل نے ایران سے جمع کی ہوئی ایک لاکھ نفری فوج ''تیادوقس'' نامی (PATRIARCH) کی قیادت میں سرحد پر روانہ کی ہے، دوسری طرف رومیوں کے ایجنٹ اور مشترک دشمن عربی قبائل لخم، وائل، بکر، جذام، بلقین، بہراء، اور بلی ایک لاکھ افراد کو اکٹھا کر کے ''م آب'' میں خیمہ زن ہیں۔

عبداللہ بن رواحہ کا پرجوش خطاب :

مسلمان ''معان'' میں ٹھہرے، خطرناک صورتحال کے بارے میں مشورہ ہوتا رہا، اور یہ طے ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کمک طلب کی جائے، پھر آگے بڑھا جائے، لیکن عبداللہ بن رواحہ کی ایک پرجوش تقریر، اور جذبات ایمانی سے لبریز اشعار نے اقدام کے فیصلہ پر مجبور کر دیا۔

خالد بن الولید کی قیادت :

اب فوج نے محاذ جنگ کی طرف بڑھنا شروع کیا، ''مؤتہ'' جو اردن کے شہر ''کرکوک'' کے جنوب میں ہے معرکہ کارزار کا میدان بنا، گھمسان کی لڑائی ہوئی، دونوں فوجوں میں کوئی تقابل و تناسب نہ تھا، حضرت زید بن حارثہ زخموں سے چور ہو کر شہید ہو گئے، حضرت جعفر نے علم نبوی سنبھال لیا، اور مردانہ وار مقابلہ کیا، چاروں طرف سے دشمنوں نے نرغہ میں لے کر ایک ہاتھ کاٹ دیا، دوسرے ہاتھ سے جھنڈا تھاما، اس پر بھی پے در پے وار کر کے اسے بھی جسم سے جدا کر دیا گیا، کٹے

ہوئے بازوؤں سے علم کو سینہ سے چمٹانے کی کوشش کی، کہ قوت نے ساتھ نہ دیا اور جامِ شہادت نوش کیا، پھر عبداللہ بن رواحہ نے علم لیا، سخت ترین مقابلہ کے بعد وہ بھی اپنی مراد کو پہونچے، قبیلہ بنو عجلان کے حضرت ثابت بن حزام نے علم ہاتھ میں لے کر لوگوں کو پکارا، لوگو! علم میرے ہاتھ میں ہے، بہتر ہے کہ آپ اپنا امیر چن لیں، حضرت خالد بن الولید کا نام زبانوں پر آیا، اور بالاتفاق امارت کے لیئے ان کا انتخاب ہوگیا، انہوں نے نئی ترتیب اور صف بندی اور نئی جنگی حکمت عملی سے دشمن کے نرغہ سے فوج کو نکال لیا، ان کا بیان ہے اس دن میرے ہاتھ میں حملوں کے تسلسل سے نو تلواریں ٹوٹیں، آخر میں ایک یمنی تلوار نے ہی کام دیا، وہ دشمن کی فوج پر دھاک بٹھا کر اور اسے حیران کر کے اپنی فوج بچا کر واپس لانے میں کامیاب ہوگئے۔

جنگ کا منظر :

جس وقت گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی، فاصلوں کے حجابات سامنے سے ہٹا دیئے گئے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں بیٹھے جنگ کی شدت اور ہولناکی کو دیکھ رہے تھے، اور مسلمانوں کو بتا رہے تھے کہ زید شہید ہوگئے، جعفر شہید ہوگئے، عبداللہ بن رواحہ شہید ہوگئے، آنکھوں میں آنسو تھے، آخر زبانِ نبوت نے فرمایا کہ جعفر کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے اور اللہ تعالیٰ نے جنت میں ان کو سبز پرندہ کی شکل میں دو پر عطا فرما دیئے ہیں، جنت میں جہاں چاہیں اڑتے پھر رہے ہیں، اسی لئے ان کو "ذوالجناحین" کہا گیا۔

اللہ کی تلوار :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا اب اللہ کی ایک تلوار) خالد) نے قیادت سنبھال لی، اے اللہ اسکی مدد فرما، ایک شریک جنگ حضرت ابو عامر کا کہنا ہے کہ اس کے بعد دشمن پر ایسی ہزیمت کی کیفیت طاری ہوئی، کہ لگتا تھا کہ مسلمانوں کو حملوں کی چھوٹ ہے، مجاہدوں نے جدھر چاہا تلواریں چلائیں، کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔

غزوہ موتہ

سریہ عمر بن العاص

بھگوڑے نہیں جنگ کے لئے پلٹنے والے :

مدینہ منورہ میں یہ خبریں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئیں، خالد بن الولید جب اس لشکر کو واپس لا رہے تھے، تو مدینہ کے باہر نکل کر لوگ دیکھنے آ گئے، اور جوش میں کنکریاں اٹھا کر انکی طرف یہ کہتے ہوئے پھینکنے لگے "فرارون، فرارون" (بھگوڑے، بھگوڑے) جوش کا یہ عالم تھا کہ لوگ چاہتے تھے کہ ایک ایک کٹ مرتا لیکن پیٹھ نہ پھیرتا، اور اس سپر پاور کی کمر توڑ دیتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیادت کی تعریف کرتے ہوئے اور لوگوں کو سمجھاتے ہوئے فرمایا "لا بل کرّارون" (بھگوڑے نہیں، جنگ کیلئے پلٹنے والے، جنگ کے لئے پلٹنے والے)۔

جنگ مؤتہ کی دھاک :

جنگ موتہ بیرونی طاقت، بلکہ اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی طاقت سے پہلی جنگ تھی، اور اس پہلی جنگ نے ثابت کر دیا تھا کہ اس ابھرتی ہوئی طاقت کا مقابلہ آسان نہیں ہوگا، اسکا ہی نتیجہ تھا کہ جب ۹ رہجری میں یہ خبریں ملیں کہ رومن افواج ہرقل کی قیادت میں جزیرہ العرب کے بارڈر پر جمع ہو رہی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان اپنے ہاتھ میں سنبھال کر رومن امپائر کی افواج سے لوہا لینے کا ارادہ کرلیا، اور مدینہ منورہ میں جنگ کا بگل بجا دیا، اور افواج کو لے کر تبوک سے سرحدی علاقہ تک تشریف لے گئے، تو ہرقل نے بارڈر سے افواج ہٹانے میں ہی عافیت سمجھی، اور جنگ کو ٹالنے کا فیصلہ کیا۔

دوسری طرف جزیرۃ العرب میں عام طور پر اور مکہ مکرمہ میں خاص طور پر اس پیشقدمی کی گونج نے مسلمانوں کی ہیبت دلوں میں جما دی۔

جنگ ذات السلاسل :

جنگ موتہ کے بعد قبیلہ قضاعہ کی گوشمالی کے لئے جس نے موتہ میں مسلمانوں کے خلاف رومن اور عرب افواج کا ساتھ دیا تھا، اور مزید اس کے حوصلے دشمنانہ کارروائیوں کے لئے بڑھ رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حلقہ میں داخل ہونے والے نومسلم کمانڈر عمرو بن العاص کی قیادت میں ایک

لشکر جمادی الثانیہ ۸ر ہجری میں روانہ فرمایا، یہ قبیلہ شامی سرحد کے قریب "سلاسل" نامی چشمہ کے قریب آباد تھا، مزید کمک حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، کی قیادت میں روانہ فرمائی۔

اس لشکر نے قضاعہ کے علاقہ میں گھس کر دشمن کی کمر توڑ دی، دشمن دہشت زدہ ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے، متعدد قبائل اسلام کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوئے، اور جزیرۃ العرب کی شمالی پٹی بڑی حد تک پرسکون ہوگئی۔

فتح مکہ

صلح حدیبیہ میں شامل حلیف قبائل:

حدیبیہ میں جو صلح کا معاہدہ طے پایا تھا، اسکی ایک دفعہ میں اسکی صراحت تھی کہ جو قبائل چاہیں قریش کے ساتھ شامل ہوجائیں، اور جو چاہیں مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کرلیں، اسی وقت بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف ہوگئے اور بنوبکر قریش کے حلیف، بنوخزاعہ کے تعلقات مسلمانوں سے بالخصوص بنوہاشم کے خاندان سے حضرت عبدالمطلب کے زمانہ سے چلے آرہے تھے، دوسری طرف خزاعہ اور بکر میں قدیم زمانہ سے رنجشیں چلی آرہی تھیں، دورِ جاہلیت کے قتل وقتال کی کچھ تلخ یادیں تھیں۔

حلیف قبائل اور قریش کی بدعہدی:

ابھی صلح کے معاہدہ پر ایک سال ۸-۹ مہینے کا عرصہ گذرا تھا کہ بنوبکر نے موقعہ پاکر اور قدیم واقعات کو بنیاد بناکر بنوخزاعہ کے خلاف انتقامی کارروائی شروع کردی، "الوتیر" نامی چشمہ پر جہاں یہ لوگ آباد تھے، بنونفاثہ کے لوگوں نے شب خون مارا، اور ۲۰ر افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا، بنوخزاعہ پناہ کے لئے وہاں سے بھاگے، تو بنوالدیل کے لوگوں نے تعاقب کرکے مارا، یہاں تک کہ انہوں نے حرم میں پناہ لی، تو حرم کا خیال بھی نہ رکھا، حرم کی زمین پر بھی خون بہایا گیا، قریش نے درپردہ ان کی مدد کی، جن میں صفوان، شیبہ بن عثمان، سہیل بن عمرو، اور مکرز بن حفص وغیرہ پیش پیش تھے۔

بنوخزاعہ کی داستان الم :

اب خزاعہ کے سامنے اسکے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ اپنا دکھڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائیں، اوران سے مدد کے طلبگار رہوں، ایک بڑا وفد لے کر عمرو بن سالم مدینہ منورہ آئے اور نہایت درد انگیز انداز میں داستانِ الم سنائی۔

یا رب انی ناشد محمدا		حلف أبینا و أبیه الأتلدا
فانصر هداك الله نصرا أعتدا		وادع عباد الله یاتوا مدداً
هم بیّتونا بالوتیر هجداً		و قتلونا رکعا و سجداً

ترجمہ : اے مالک میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور ان کے آباء و اجداد کا معاہدہ یاد دلاتا ہوں، فوری مدد فرمائیے، اللہ آپ کی رہنمائی فرمائیں، اور اللہ کے بندوں کو بلائیے کہ کمک فراہم کریں، ان ظالموں نے مقام وتیر پر شب خون مارا، اور انہوں نے ہم لوگوں کو رکوع و سجود کی حالت میں بے دریغ قتل کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالات سن کر بے انتہا رنجیدہ ہوئے، اور طلبِ نصرت پر نہایت جوش اور عزم کے ساتھ فرمایا: "نصرت یا عمرو بن سالم، لانصرنی الله ان لم أنصر بنی کعب"۔ عمرو بن سالم تمہیں مدد ملے گی، میں اگر بنوکعب کی مدد نہ کروں تو خدا میری مدد نہ کرے۔

بعد میں بدیل بن ورقاء خزاعی بھی آ کر فریاد کناں ہوئے، آپ نے ان سے بھی وعدہ فرمایا کہ میں مدد کے لئے حاضر ہوں۔

حضور کا قریش کو پیام :

اسکے بعد آپ نے قریش کو پیام بھجوایا :

۱۔ خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کی جائے۔

۲۔ یا بنوبکر اور جارح قبائل سے تعلق توڑ لیا جائے۔

۳۔ یا معاہدہ کو منسوخ سمجھا جائے۔

قریش کی فکرمندی :

قریش کے جوشیلے جوانوں نے معاہدہ کی تنسیخ کی بات کہہ دی، لیکن بعد میں قریش کے بزرگ فکرمند ہوئے، کہ حالات اب ہمارے حق میں سازگار نہیں ہیں۔ معاہدہ ٹوٹنا نہیں چاہئے، ابوسفیان کو معاہدہ کے برقرار رکھنے کے لئے بھیجا گیا۔

ابوسفیان کی مدینہ آمد :

ابوسفیان مدینہ منورہ آئے، پہلے اپنی صاحبزادی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، بستر پر بیٹھنے لگے، انہوں نے بستر پلٹ دیا، تعجب سے پوچھنے لگے، کیا بستر ٹھیک نہیں ہے، کہنے لگیں، ابا جان آپ اس کے اہل نہیں ہیں، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ مشرک ونجس ہیں، ابوسفیان کے دل پر اسکی سخت چوٹ لگی، اصلاً یہ ان کے شرک پر ضرب کاری تھی۔

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ استمرارِ معاہدہ کے لئے حاضر ہوئے، آپ نے چہرۂ انور پھیر لیا، اور بات کرنے کے بالکل روادار نہ ہوئے، یہ رنجیدگی اور غصہ کا اظہار تھا، اور فیصلہ کی قطعیت کا، پھر وہ ابوبکر وعمر، عثمان اور علی سب کے پاس گئے، لیکن کوئی بات کرنے کا روادار نہ تھا، فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی درخواست کی، حضرت حسن کا جو ابھی ۴-۵ سال کے بچے تھے واسطہ بھی دیا، اور آخر حضرت علی کی ہدایت پر یکطرفہ طور پر مسجد میں معاہدہ کی برقراری کا اعلان کر کے چلدیئے۔

قریش پر حملہ کی تیاری :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طے فرمالیا تھا کہ اب وقت مکہ مکرمہ میں داخلہ کا آ گیا ہے، پوری رازداری قائم رکھتے ہوئے زبردست جنگ کی تیاریوں کا حکم دے دیا، مدینہ منورہ، اور مکہ مکرمہ کے درمیان حلیف قبائل کے ذمہ داروں کو بلا کر ہدایت فرمادی کہ جب ہمارا گزر تمہاری طرف سے ہوگا تو اپنے قبائل کے لشکر لے کر شامل ہو جاؤ گے۔

راز داری کا خصوصی اہتمام :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کارروائی کے اصل رخ کو مخفی رکھا، عام طور پر ذہنوں میں یہ تھا کہ بنوبکر کے قبائل کو سبق سکھانے کے لئے کارروائی ہورہی ہے، لوگ یہ نہیں سمجھ رہے تھے کہ راست مکہ پر چڑھائی ہوگی، آپ کی یہ کوشش تھی کہ مکہ والوں کو اس فوج کشی کا پتہ نہ چل سکے، اور اچانک شہر کا حصار کر لینے کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ شہر مکہ فتح ہو، بلکہ کم سے کم خونریزی ہو۔

حضرت حاطب کی چوک :

حاطب بن ابی بلتعہ کے گھر والے کمزور مسلمانوں کے بیچ مکہ ہی میں رہتے تھے، وہ اصلاً مکہ کے متوطن نہیں تھے، ان کا تعلق باہر سے تھا، ان کے دل میں یہ خوف گھر کر گیا، کہ حضور کے مکہ پر حملہ کے نتیجہ میں جو کمزور مسلمان مکہ کے اندر مار دیئے جائیں گے، ان میں میرا خاندان بدرجہ اولیٰ ہوگا، وہ بے چین ہوگئے ان کے دل میں بچاؤ کی یہ ترکیب آئی، کہ سردارانِ مکہ کو اس فوج کشی کی اطلاع کر کے میں ان کے دلوں میں اعتماد حاصل کرلوں، تاکہ وہ میرے بچوں سے تعرض نہ کریں،، الحمدللہ میں غلام تو حضور کا ہی ہوں، اور فتح بھی آپ کو ہی ہونی ہے۔

اہل بدر کا مقام :

مکہ و مدینہ کے درمیان اس دوران آمد و رفت کھلی تھی، مرد اور عورتیں آتے جاتے تھے۔ ایک عورت سارہ یا کنود نامی آئی تھی، اسکو کچھ اجرت کے ساتھ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے ایک خفیہ خط دے کر روانہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے جانے کے بعد اطلاع ملی، آپ نے فوراً گھوڑ سوار سریع الحرکت دستے کے ذمہ داروں، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت مقداد، اور ابومرثد غنوی کو روانہ فرمایا کہ ''خاخ'' نامی مقام پر جو مدینہ سے ۱۲ رمیل پر تھا، تم کو ایک عورت ملے گی، وہ ایک خفیہ خط لے کر مکہ جارہی ہے، اس خط کو فوراً لے کر آؤ۔ نہایت سرعت سے کارروائی کی گئی، اور خط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا گیا، خط دیکھ کر حاطب بن ابی بلتعہ کی طلبی اور باز پرس ہوئی، حضرت عمر نے فرط غضب میں تلوار سے ان کی گردن اڑا دینے کی اجازت طلب کی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم

فتح مکہ

نے ان کی مجبوری اور صدق بیانی کے اظہار کے بعد فرمایا کہ عمر یہ شرکاء بدر میں سے ہیں، اور شاید اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے فرمادیا ہے کہ ہم نے تمہاری مغفرت کی، بہر حال بغیر کسی تعزیر کے انہیں اسی محاسبہ پر چھوڑ دیا گیا۔

دس ہزار مجاہدین :

۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری بروز بدھ سات ہزار افراد پر مشتمل لشکر جرار لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے، راستہ میں حسب قرار داد مزید قبائل شامل ہوتے گئے، مجموعی تعداد دس ہزار ''قدوسیوں'' کی ہوگئی۔

حضرت عباسؓ کی شمولیت :

حضرت عباس تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ ہی تھے، انہیں یقیناً ساری اطلاعات ہوں گی، ''جحفة'' نامی مقام -جو اہل شام کی میقات ہے- کے پاس وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ آ کر ملے، اب ان کا اسلام ظاہر ہوا، عام طور پر مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو کر ''جحفة'' میں ملے۔

دو رشتہ داروں کی حاضری :

مقام ابواء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب اور پھوپھی زاد بھائی عبد اللہ بن ابی امیہ جو ام سلمہ کے -جو سفر میں ساتھ تھیں- سوتیلے بھائی تھے، حاضر خدمت ہوئے، ان دونوں نے اپنی سابقہ دشمنیوں اور دریدہ دہنیوں سے حضور کے دل کو دکھا رکھا تھا، اسلئے آپ نے ان دونوں کی طرف سے رخ پھیر لیا، سخت ناگواری کا اظہار فرمایا، حضرت علی نے دونوں کو سمجھایا کہ سامنے سے پوری عاجزی کے ساتھ حضرت یوسف کے بھائیوں کی طرح معافی مانگو، یہ تیر عاجزی اور فروتنی کا رحم وکرم کے نشانہ پر لگا، پھر ام المؤمنین ام سلمہ کی سفارش نے کام کیا، اور دونوں کی غلطیاں معاف کی گئیں، پھر تو خدمت اقدس میں ایسا رہے کہ کبھی نگاہ اوپر نہ اٹھا سکے۔

منیٰ کا سماں :

مقام ''کدید'' سے آگے بڑھے ''مر الظھران'' پہونچ کر پڑاؤ اختیار فرمایا، یہ جگہ مکہ مکرمہ

کے شمال میں ۲۲ رکیلومیٹر کی دوری پر ہے، دس ہزار افراد کا اس میدان میں پڑاؤ رات میں آگ کی روشنیوں سے منیٰ کا سماں پیدا کر رہا تھا۔

کامیاب رازداری :

مکہ والے سن گن لگا رہے تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رازداری اور خفیہ اقدام کی کامیابی اتنی زبردست تھی کہ تقریباً ساڑھے چار سو کیلومیٹر کا سفر دس ہزار نفری فوج کے ساتھ کیا گیا، راستہ میں سینکڑوں چھوٹے بڑے قبیلے رہتے تھے، لیکن مکہ والے اس فوج کشی سے بے خبر رہے۔

آگ کی روشنیاں :

ابوسفیان، حکیم بن حزام، اور بدیل بن ورقاء مکہ سے نکل کر حالات کی سن گن لگانا چاہتے تھے، ابھی میدان سے فاصلہ پر تھے، کہ رات کے سناٹے میں جابجا آگ کی روشنیوں سے دھک کر رہ گئے، یہ کیا قصہ ہے؟ بدیل بولے: لگتا ہے کہ خزاعہ کے قبیلے بنوبکر سے انتقام کے لئے اکھٹا ہوئے ہیں، ابوسفیان کہنے لگے: نہیں! قبیلہ خزاعہ کے پاس کہاں یہ تعداد، یہ تو سمجھ میں نہیں آتا، وہ یہ باتیں کرہی رہے تھے کہ مسلمان رضا کاروں نے ان کو گرفتار کرلیا۔

حضرت عباسؓ کے ذریعہ ابوسفیان کا داخلہ اسلام :

ادھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ فکر لاحق تھی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے پیش قدمی فرمائی اور قریش کے نوجوان نادانی میں بھڑنے لگے، تو قریش کا نام ونشان مٹ جائیگا، اسلئے انہوں نے حضور سے درخواست کی میں جا کر مکہ والوں کو سمجھاؤں اور وہ آکر امان طلب کریں۔ اجازت دے دی گئی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر جاہی رہے تھے کہ کانوں میں ابوسفیان کی آواز پڑی، کہنے لگے: ابوحنظلہ (یہ کنیت ابوسفیان کی تھی) وہ چونک کر بولے: ابوالفضل (یہ حضرت عباس کی کنیت تھی) رضا کاروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو دیکھا تو ان لوگوں کو ان کے حوالہ کردیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ جس مقصد کے لئے مکہ جارہے تھے، سردار مکہ کی ملاقات سے وہ حاصل ہوگیا، ابوسفیان کو پیچھے خچر پر بٹھایا اور حضور کے پاس چلے، راستہ میں حضرت عمر نے ابوسفیان کو دیکھا تو ان کی رگ حمیت پھڑک

اٹھی، تلوار لے کر پیچھا کیا، کہ آج اس دشمن اسلام کو کیفر کردار تک پہونچا دیا جائے، لیکن حضرت عباس نے حضور سے ان کی امان مانگ لی، گفتگو کے لئے حضور نے صبح بلایا، رات حضرت عباس کے خیمہ میں گزاری، انہوں نے کس کس طرح سمجھایا ہوگا، اسے وہ ہی جانتے ہونگے، ابوسفیان کے سامنے حقائق بے نقاب ہو ہی گئے تھے، صبح کی حاضری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تو تمہیں یقین ہو گیا ہوگا، کہ دیوتاؤں، اور دیویوں میں کچھ نہیں رکھا، عرض کیا، جی ہاں بالکل۔ فرمایا: میری رسالت بھی واضح ہوگئی ہوگی، کہنے لگے، آپ تو بڑے کریم اور مہربان ہیں لیکن نبوت کے بارے میں میرے دل میں ابھی بھی خدشات ہیں، حضرت عباس نے تنبیہ کی، کیا مرنا چاہتا ہے؟۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو انتظار ہی میں تھے، ذرا اشارہ ملتا تو کام تمام کرنے میں کیا دیر تھی، بہر حال ابوسفیان نے خود اپنے بیان کے مطابق اس وقت بادل ناخواستہ کلمہ پڑھ لیا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے خلوص واخلاص کی دولت سے بھی نواز دیا۔

ابوسفیان کا اعزاز :

حضرت عباس نے حضور سے الگ سے درخواست کی کہ ابوسفیان عزت ووجاہت کے متمنی ہیں، آپ اس کا خیال فرمالیں، آپ نے ان کی سرداری برقرار رکھتے ہوئے فرمایا کہ مکہ میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ جو اپنے گھر میں رہیگا، جو حرم میں پناہ گزیں ہوگا، جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا، وہ مامون ومحفوظ رہیگا، اور جو چھیڑ چھاڑ کرے گا، اسے بخشا نہیں جائیگا۔

مکہ کا حصار :

فوج کو اس طرح ترتیب دیا گیا کہ مکہ مکرمہ کا چاروں طرف سے حصار کر لیا جائے، حضرت خالد بن الولید کو گھوڑ سوار دستہ کی قیادت سونپ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے نشیبی علاقہ ''کدی'' سے داخل ہونے کی ہدایت فرمائی، اور فرمایا کہ خود سے حملہ نہ کریں، لیکن جو چھیڑ چھاڑ کریں ان کی جڑ کاٹ دیں۔ خندمہ کے علاقہ کے پاس کچھ شریر نوجوانوں نے چھیڑ چھاڑ کی، خالد بن الولید نے تھوڑی دیر میں ان کے چھکے چھڑا دیئے، بس پھر بادل صاف تھے۔

مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا داخلہ :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بالائی حصہ سے داخل ہوئے، اور ''حجون'' کے محلہ میں جھنڈا نصب کیا گیا۔

آج تعظیم کعبہ کا دن ہے :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمادیا تھا کہ ابوسفیان کو کسی نمایاں جگہ پر کھڑا کر کے اسلامی افواج کا مارچ دکھانا، تاکہ وہ اسلام کی عظمت وشوکت کا نظارہ کریں، اسلامی افواج کے مارچ کے دوران سعد بن عبادہ نے جو انصار کے سب سے بڑے لشکر کے قائد تھے، ابوسفیان کو دیکھ کر جوش میں کہا کہ آج جنگ کا دن ہے، آج کعبہ حلال کیا جائیگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اخیر میں مہاجرین کے کوکبۂ نور کے ساتھ گذرے، اور ابوسفیان نے سعد کے جملوں کی شکایت کی، تو فرمایا: کہ آج حرمت کعبہ اور تعظیم کعبہ کا دن ہے، آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائیگا، اور بطور تنبیہ واصلاح حضرت سعد بن عبادہ سے جھنڈا لے کر ان کے صاحبزادہ قیس بن سعد کو دے دیا، یہ تربیت واصلاح بھی تھی، اور دلداری اور وضع داری بھی۔ ۲۰ ر رمضان المبارک کی صبح مقام حجون میں (جو جنت المعلی کے قریب ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سرخ خیمہ نصب کیا گیا، حضرت زبیر بن العوام نے علم نبوی گاڑ دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دریافت کیا گیا کہ کہاں قیام فرمائیں گے، ارشاد فرمایا کہ عقیل نے ہمارے لئے مکان کہاں چھوڑا، اب قیام ''خیف'' میں ہوگا۔

نعرۂ توحید کی گونج :

مکہ مکرمہ میں کرفیو کا ماحول تھا، محلے سنسان تھے، لوگ گھروں کے دروازوں سے جھانک جھانک اسلام کی عظمت وشوکت، قرآن پاک کے اعجاز، نبی برحق ومقدس کے جلال وجمال اور ان کے پروانوں کا ہجوم دیکھ رہے تھے، گویا کہ وہ کوئی حسین خواب دیکھ رہے ہیں، یا تخیل وتصور کے حسین مرقعوں میں کھو گئے ہیں، تکبیروں سے مکہ گونج رہا تھا، وہ نعرۂ توحید جسکی سزا گرم ریت اور انگارے تھے، آج پہاڑوں کی چوٹیاں اسکے سامنے سجدہ ریز تھیں، حرم مقدس میں داخلہ ہورہا تھا، بت گرائے اور ہٹائے

جارہے تھے، کعبہ مقدسہ کی چابی عثمان بن طلحہ کے ہاتھ سے لیکر امین و مامون کے مبارک ہاتھوں سے آج اسکا دروازہ کھولا جارہا تھا، حجر اسود کو بوسہ دیکر طواف کعبہ فرما کر اور مقام ابراہیم پر دو رکعت ادا فرمانے کے بعد کعبہ مقدسہ میں داخلہ ہورہا تھا، اس وقت آپ فوجی لباس میں تھے۔

کعبہ مقدسہ کی تطہیر :

کعبہ کے اندر کے ۳۶۰ر بتوں سے آج اسکو پاک کرنے کا دن تھا، بت گرائے جارہے تھے، اور باہر پھینکے جارہے تھے، دیواروں پر مشرکانہ نقش و نگار اور مختلف رنگوں سے بنائے ہوئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے فوٹو کھرچے جارہے تھے، زمزم سے کعبہ کو غسل دیا جارہا تھا، زبان مبارک پر یہ کلمات تھے ”**اللہ اکبر، اللہ اکبر، جاء الحق وزھق الباطل، ان الباطل کان زھوقا**“ ترجمہ: اللہ ہی سب سے بڑا ہے، اللہ ہی سب سے بڑا ہے، حق آ گیا، باطل مٹ گیا، باطل مٹنے کے لئے ہی ہے، اب دھیرے دھیرے لوگوں کی بھیڑ کعبہ مقدسہ کے دروازہ کے سامنے اکھٹا ہوتی جارہی تھی۔

در کعبہ پر خطاب :

صفائی کے عمل کے بعد کعبہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجمع عام سے یوں مخاطب ہوئے :

''اللہ بڑا ہے، اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اسکا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی، جاہلیت کے تمام جھگڑے، نسبی فخر وغرور اور تمام دعوے میرے پیروں تلے ہیں، تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، آدم مٹی سے بنے تھے کسی کو کسی پر کوئی فضیلت وترجیح نہیں، سوائے اس کے کہ تقوی کی بنیاد پر ہو''۔

پھر آپ نے لوگوں سے سوال کیا بتاؤ میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

ہر طرف سے نبی رحمت کی رأفت، شفقت، شرافت، اور کرم کی دہائی تھی، اعلان عام کیا گیا۔

جاؤ! سب کچھ معاف کیا، نہ اب تم پر کوئی ملامت، نہ کوئی عتاب وعقاب، میں نے سب کو آزادی دی۔

گردن زدنی مجرم :

مکہ مکرمہ میں داخلہ سے پہلے امن وامان کے قیام کے کیلئے انتظامات کے اعلانات کر دیئے گئے تھے، لیکن ایک تعداد ایسے مجرمین کی تھی، جن کے بارے میں سخت فرمان ان کو تہ تیغ کرنے کے جاری کئے گئے تھے، ان کی تعداد تقریباً ۱۶ ر تھی، ان میں سے عبدالعزی بن خطل، حویرث بن نقید، مقیس بن صبابہ، اور حارث بن طلاطلہ مارے گئے، باقی قبول اسلام کی وجہ سے معافی کے مستحق ہوئے، چھوٹی موٹی جھڑپوں میں ۱۳ ر کافر مارے گئے، دو مسلمان شہید ہوئے۔

یہی وہ دن تھا، جسکی بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فاتحانہ داخلہ کا منظر دیکھا تھا۔

(کتاب استثناء باب نمبر ۳۳ ر اور غزل الغزلات)

کعبہ کی چھت سے اذان بلالی :

خطاب سے فراغت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے، غسل فرمایا، اور ۸ ر رکعات پڑھیں پھر واپس حرم محترم تشریف لائے، اب ظہر کا وقت ہو رہا تھا، بلال رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ کعبہ مقدسہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں، یہ پہلا موقعہ تھا کہ یہ حبشی غلام جاہلیت کے غرور ونخوت کو اپنے پیروں سے روند رہا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی نے اسکو وہ عزت دی تھی جو بس اسی کے لئے مقدر تھی، توحید و رسالت کی صدا آج کعبہ مقدسہ کی چھت سے ایک عجیب کیف ومستی، جوش وخروش اور جذب ووجد کے ساتھ لگائی جارہی تھی، مٹی، لکڑی، پتھر اور دھاتوں کے بتوں کے انہدام کے ساتھ افکار و عقائد کے صنم خانے بھی توڑے جارہے تھے۔

جذب وشوق کی رات :

یہ تاریخی دن کس ہماہمی، اور گہما گہمی میں گزرا ہوگا، اندازہ لگایا جاسکتا ہے، رات بھی مشتاقانِ دید کعبہ نے حرم ہی میں ذکر ودعا، طواف ونماز، اور توحید کے مذاکروں میں گذاردی۔

مکہ حرم ہے :

دوسرے دن کوہِ صفا پر چڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب عام فرمایا، آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کی حرمت وتقدس کا اظہار فرمایا، اور اعلان فرمایا کہ اس سرزمین پر قتل وقتال کی کوئی گنجائش نہیں، مجھے کل ایک ساعت کے لئے اسکی اجازت دی گئی تھی، اب اسکی حرمت تا ابد ہے، یہاں نہ شکار کیا جائے، نہ درخت کاٹا جائے، نہ کوئی پڑی چیز اٹھائی جائے، الا یہ کہ مالک خود اپنی چیز اپنے قبضہ میں لے لے۔

حجاز کی تطہیر :

صفا ومروہ پر اساف ونائلہ نام کی دیویوں کے اسٹیچو توڑ دیئے گئے، اطراف کے صنم خانوں کو منہدم کرنے کیلئے کمانڈروں کو روانہ کیا گیا، عزّیٰ نامی دیوی کو منہدم کیا گیا، اور اسکی برہنہ پچارن، خبیث اور چڑیل عورت کو ختم کیا گیا، اس کام کیلئے خالد بن الولید بھیجے گئے، "ھذیل" کے مشہور بت "سواع" کے انہدام کے لئے عمرو بن العاص کو بھیجا گیا، "قدید" کے قریب "مشلل" نامی جگہ پر "مناۃ" نامی دیوی اور اس کے صنم خانہ کو توڑنے کیلئے سعد بن زید اشہلی کو بھیجا گیا، وہاں بھی ایک خبیث برہنہ پجارن ماری گئی۔

بیعت عام اور بیعت خواتین :

فتح کے دوسرے دن کوہ صفا پر اسلام کی بیعت عام لی گئی، خواتین سے بیعت لینے کیلئے عربوں کے دستور کے مطابق پیالہ کے پانی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک ڈالا، پھر عورتوں نے پیالہ میں ہاتھ ڈالا، مردوں سے مصافحہ کی شکل میں معاہدہ ہوتا تھا، اور عورتوں سے ہاتھ مس کئے بغیر کسی شکل میں -جو عہد ومعاہدہ کا محسوس اظہار ہو- معاہدہ لیا جاتا تھا۔

مکہ کی فتح "جزیرۃ العرب" کی فتح تھی :

مکہ مکرمہ کی فتح، اسلام کے عروج، غلبہ واقتدار، اور شوکت وسطوت کا اعلان تھا، مدینہ منورہ کی چھوٹی سی ریاست اچانک بڑے طول وعرض کے ملک پر ایک عظیم مملکت میں بدل گئی، جو شام عراق کی سرحدوں سے یمن وعمان کے ساحلوں تک، اور جدہ وینبع کے ساحل سے خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی

''سورۃ النصر'' میں اسی فتح کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ①	ترجمہ: جب اللہ کی مدد اور مطلوبہ فتح
وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ	حاصل ہو جائیگی، اور تم دیکھ لو گے کہ
دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ②	لوگ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل
(سورۃ النصر: ۱- ۲)	ہو رہے ہیں۔

جس کے بعد جوق در جوق قبیلے اسلام میں داخل ہو رہے تھے، لیکن ابھی مکہ مکرمہ کے قرب و جوار میں غیر قریشی قبائل سپر ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے، یا ابھی دین حق کے لئے ان کے دل نہ کھلے تھے۔

بنو جذیمہ کی طرف حضرت خالد کی مہم :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن الولید کو قبیلہ بنو جذیمہ کے علاقہ کی طرف ۳۵۰ / انصار و مہاجرین کے ساتھ روانہ فرمایا، ان کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کی گئی، وہ جواب میں ''صبأنا، صبأنا'' کہنے لگے، دورِ جاہلیت میں تبدیلی مذہب کیلئے یہ لفظ استعمال ہوتا تھا، وہ کہنا چاہتے تھے کہ ہم مسلمان ہو گئے، اس سے حضرت خالد کو غلط فہمی ہوئی، کہ وہ اپنے باطل پر مصر ہیں، انہوں نے حملہ کا حکم دے دیا، بعد میں گرفتار شدگان کے بارے میں بھی اس طرح کا فرمان جاری کر دیا، جس پر اختلاف ہوا، عام صحابہ نے احتیاط کی، اور جو شہید ہو گئے، ان کی دیت ادا کی گئی۔

جنگ حنین

قبیلۂ ھوازن کی حمیت جاہلی:

رمضان المبارک کے بقیہ دن مکہ مکرمہ کے انتظامات، اصلاحات، دعوت وتبلیغ، تربیت وتعلیم، تزکیہ وارشاد اطراف کے بت خانوں کو ختم کرنے، اور مراکز شرک ومشرکین کے استیصال میں گزر گئے، عید سعید بھی مکہ مکرمہ میں گزری، پھر یہ اطلاعات آئیں کہ قبیلہ ھوازن کے لوگ مالک بن عوف النصری کی قیادت میں حنین کے میدان میں جمع ہو رہے ہیں، وہ زور آزمائی پر تلے ہوئے ہیں، انہوں نے مکہ اور

سریہ خالد بن الولید

طائف کے درمیان کے قبائل کو اکھٹا کرلیا ہے، یہ علاقہ مسلمانوں کی گرفت سے باہر رہا تھا، مکہ مکرمہ کا شمالی اور مشرقی علاقہ زیرنگیں آچکا تھا۔

نوجوانوں کی قیادت :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطرہ سے نمٹنے کیلئے پیش قدمی کا فیصلہ فرمایا، مکہ مکرمہ کی ذمہ داری ایک نومسلم نوجوان عتاب بن اسید کے حوالہ کی، عتاب ابن اسید کا نام پہلی مرتبہ آیا، وہ اسلام قبول کرتے ہی مرکزی علاقہ کے گورنر بنادیئے گئے، جبکہ عمر بھی ان کی ۱۸/سال تھی، یقیناً ان کی صلاحیتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متوجہ کیا ہوگا، پرانی قیادت کو ذمہ داری نہیں سونپی گئی، توقع تھی کہ ابوسفیان کو ہی امارت مکہ سونپ دی جاتی، جیسا کہ متعدد علاقوں کے حکام کے ساتھ معاملہ کیا گیا، یہ بھی ممکن تھا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو امیر مکہ بنایا جاتا، جو اتنے دن مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے خفیہ امیر رہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ، لیکن اصل حکمتیں اللہ اور اسکا رسول جانتا ہے، بظاہر حالات، پرعزم، حوصلہ مند، نوجوان قیادت کے طالب تھے، اور بزرگوں کو صحبت ورفاقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کی زیادہ ضرورت تھی، اور پھر ان کے تجربات سے مدینہ منورہ میں- جو اب جزیرۃ العرب کا مرکز بن چکا تھا- فائدہ اٹھانا تھا۔

شرکائے جنگ حنین کی تعداد :

حنین کے معرکہ کے لئے جو لشکر اسلام تیار تھا، اسکی تعداد ۱۲ ہزار تھی، دس ہزار مدینہ منورہ اور راستہ کے دیگر قبائل سے آنے والے اور دو ہزار مکہ مکرمہ کے نومسلم رضا کار۔

حنین کا محل وقوع :

حنین، اغلب یہ ہے کہ وہی مقام ہے جو مکہ مکرمہ سے شمال مشرق اور طائف سے شمال مغرب میں ۳۰، ۴۰ میل کے فاصلہ پر ایک اسٹیشن کے طور پر ترکی دور کے ریلوے لائن کے نقشوں سے معلوم ہوتا ہے، یہ علاقہ بنوھوازن کا تھا، طائف میں قبیلہ ثقیف کے لوگ رہتے تھے، یہ دونوں قبیلے تعداد میں بھی بڑے تھے، اور ان میں بہت سے سرمایہ دار اور دولتمند تھے، یہ مکہ والوں سے ہمسری کرتے تھے، اور ان کی قیادت کے حریف تھے، ان کی نخوت اور جاہلی حمیت نے ان کو اسلامی طاقت کے خلاف اکسایا، اور

انہوں نے قریش کی طاقت کے زوال سے سیاسی اور عسکری فائدہ اٹھانا چاہا، یہ تیر اندازی میں بڑی شہرت رکھتے تھے، اور ماہر جنگجو تھے۔

دولت ہوازن مسلمانوں کی جھولی میں :

ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے ان کا جوان قائد مالک بن عوف عورتوں، بچوں، چوپاؤں، اور ساز وسامان کے ساتھ میدان میں اترا، اس کے نزدیک جان کی بازی لگادینے کے لئے یہ حکمت عملی تھی، اس پر قبیلہ بنوجشم کے معمر قائد درید بن الصمّۃ نے اعتراض کیا، اور سمجھانا چاہا، لیکن مالک جذبات وجوش سے مغلوب تھا، اور تقدیر الٰہی مسلمانوں کے لئے سب سے بڑے مال غنیمت کا انتظام کر رہی تھی، بنوکلاب اور بنوکعب اس جنگ میں شریک نہ ہوئے، قبیلہ ثقیف کے لوگ مکمل پشت پناہی کر رہے تھے۔

فتح ونصرت کا نظام الٰہی :

لشکر اسلام کو پہاڑی دروں سے گزرتے ہوئے ایک پہاڑ سے تیروں کی بارش کا سامنا کرنا پڑا جس سے بہت سوں کو زخم آئے۔

یہ پہلا موقعہ تھا کہ دشمن فوج چار ہزار جنگجوؤں پر اور مسلم فوج ۱۲ر ہزار مجاہدین پر مشتمل تھی، طبعی طور پر دلوں میں ایک اطمینان اور اعتماد تھا کہ نوالہ تر سامنے ہے، کثرت تعداد پر بہت سے نئے مسلمانوں کی نگاہ تھی، اور بعض زبانوں یہ بات آ بھی گئی :

"لن نغلب الیوم عن کثرۃ"

آج اس کثیر تعداد کے ہوتے ہوئے شکست کا کیا سوال؟

اللہ تعالیٰ کا نظام مسلمانوں کے لئے دوآتشہ ہے، یعنی اسباب ممکنہ میں کوتاہی نہ کی جائے اور توکل واخلاص اور فنائیت میں کمی نہ آنے دی جائے، ان دونوں میں سے کسی بھی پہلو سے کوتاہی وتقصیر پر گرفت ہوسکتی ہے۔

احد کی جنگ میں تیر اندازوں کا پہاڑی چھوڑ کر اور متعینہ محاذ سے منہ موڑ کر آگے بڑھنا شکست کا باعث بنا، اور حنین میں ابتداءً کثرت تعداد پر ناز نے شکست کا مزہ چکھایا، پھر تربیت کے مرحلہ سے گزار کر

فتح سے ہمکنار کیا گیا۔

نومسلموں کی ناتربیتی :

جنگ شروع ہوئی، بنوھوازن کی حکمت عملی چوطرفہ حملہ کی تھی، انہوں نے ایک طرف پہاڑوں کی کمین گاہوں سے تیروں کی بارش کردی، دوسری طرف مضبوط صف بندی کے ساتھ زبردست حملہ کیا، نومسلموں کی شمولیت جہاں تعداد بڑھاتی تھی، وہیں ان کی ناتربیتی کا نقصان بھی ہورہا تھا، ان کی صفیں تتر بتر ہوگئیں اور بعید نہیں کہ ان کے اندر مشرک جاسوس اور ایجنٹ بھی گھس گئے ہوں، کلدہ بن حنبل کہنے لگا، آج مسلمانوں کا جادو ٹوٹ گیا، ابوسفیان تک کی زبان سے نکلا، یہ بھگوڑے ہیں۔ غرض یہ کہ شماتت کی باتیں بھی زبانوں پر آئیں، جن سے صاف ظاہر تھا، کہ ابھی بہت سوں کے دل صاف نہیں ہیں۔

سازش کا انکشاف :

شیبہ بن عثمان کا خود بیان ہے : کہ وہ اس جنگ میں اسی لئے شریک ہوا تھا کہ موقع پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کردے، لیکن جونہی وہ قریب پہونچا، بجلی کی ایک خوفناک چمک ہوئی، جس سے وہ کانپ گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا، قریب بلایا، سینہ پر ہاتھ رکھا، ان کا بیان ہے کہ آپ کے دل پر میرا حال منکشف ہو چکا تھا، پھر تو میرا دل حضور کی محبت سے معمور ہوگیا۔

میں نبی ہوں :

مسلمانوں میں بھگدڑ کی ایسی کیفیت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد سے مسلمان چھٹتے گئے، قدم جمنا مشکل ہوگیا، صرف چند جاں نثار اس وقت جمے رہ سکے، ان میں حضرت عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر کی لگام تھامے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آواز دو "یا معشر الانصار، یا معشر أصحاب السمرة" نصرت کے وعدہ اور ببول کے درخت کے نیچے کی بیعت ومعاہدہ یاد دلایا، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے اتر گئے، اور جوش میں فرمانے لگے :

أنا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں، اس میں کوئی غلط بیانی نہیں، میں عبد المطلب کا پوتا ہوں۔

غزوہ حنین

غزوہ حنین شوال ۸

پھرایک مٹھی مٹی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی، یہ کہتے ہوئے "شاهت الوجوه" چہرے بگڑ جائیں۔

کفار کی شکست :

بس اس کے بعد مسلمانوں کی قوت مجتمع ہونا شروع ہوئی، اور پھر پوری طاقت سے دشمن پر حملہ کیا گیا، جس کے بعد دشمن بدحواسی میں بھاگنے لگا، مسلمانوں نے وار پر وار کئے، اور عورتوں اور بچوں، کی پوری بھیڑ کو گرفتار کرلیا، چھ ہزار عورتیں اور ان کے بچے تھے، ۲۴، ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بھیڑ بکری، چالیس ہزار اوقیہ (ایک اوقیہ: دس تولہ) چاندی مال غنیمت تھا۔ دشمن کے ستر آدمی مارے گئے، مسلمانوں میں سے چار افراد شہید ہوئے۔

دشمن تتر بتر ہوکر دیگر چھوٹے قبائل کے ساتھ "نخلہ" اور "اوطاس" کے علاقہ میں جمع ہو گئے، ان سے نمٹنے کے لئے سرایا روانہ کر دیئے گئے، جو کامیابی کے ساتھ مہم سر کر کے واپس آ گئے۔

سارا مالِ غنیمت مکہ کے قریب "جعرانه" میں بھیج دیا گیا، حضرت عباد بن بشر، حضرت مسعود بن عمرو اور حضرت بدیل بن ورقاء کو نگرانی وحفاظت کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔

جنگ طائف

سرمایہ داروں کا شہر:

اب طاقت کا ایک مرکز "طائف" باقی رہ گیا تھا، جو قلعہ بند تھا، پہاڑوں پر بسا ہوا باغوں سے گھرا ہوا، سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور بڑے تاجروں کا شہر تھا، جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ۱۰ر نبوی میں اپنے حدود سے بے یارومددگار زخموں سے چور اور قلب رنجور کے ساتھ نکالا تھا۔

مالک بن عوف میدان حنین میں، عورتوں، بچوں، اور مال غنیمت کو چھوڑ کر اپنے ٹولہ کے ساتھ طائف میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔

طائف کا محل وقوع :

طائف سطح سمندر سے تین ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے، یہ مالدار اہل مکہ کے لئے گرمی

گزارنے کی پسندیدہ جگہ تھی، مکہ مکرمہ سے ۷۰/۷۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، یہاں قبیلہ ثقیف آباد تھا، اسکا سردار عروہ بن مسعود، ابوسفیان بن حرب کا داماد تھا۔

منجنیق اور دبّابہ :

جنگ حنین کے بعد طائف کی طرف جاتے ہوئے مالک بن عوف کے ایک چھوٹے قلعہ کو مسمار کیا گیا، اور وہیں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طفیل بن عمرو دوسی کو اپنے علاقہ کے صنم کدہ ''ذو الکفّین'' کے انہدام کے لئے روانہ فرمایا، واپسی میں وہ چار سو افراد کے ساتھ طائف آ کر ملے، ساتھ ہی ''منجنیق'' (اس وقت کی توپ) اور ''دبابہ'' (اس وقت کا ٹینک) لے کر آئے۔

محاصرہ کا طول:

طائف کے قلعہ کی دیوار کے قریب مسلمانوں کا پڑاؤ تھا، محاصرہ تقریباً ۲۰ دن رہا، اس دوران افہام و تفہیم کی بھی ہر ممکن کوشش کی گئی، پھر دیوار توڑنے کے جتن بھی کئے گئے، لیکن قلعہ کے اوپر سے تیروں اور آگ کی بارش نے ۱۲/ مسلمانوں کو شہید کردیا، طائف کے قلعہ کی دیوار سے متعدد افراد چھپ چھپا راتوں رات رسیوں سے لٹک کر اترے اور مسلمانوں میں شامل ہو گئے۔

ایک خواب کی تعبیر :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات خواب دیکھا، کہ دودھ کا پیالہ ہے جسکو ایک مرغ نے ٹھونگ مار کر گرادیا، تعبیر یہ سمجھی گئی کہ طائف ابھی فتح نہیں ہوگا، نوفل بن معاویہ نے عرض کیا، حضور لومڑی بھٹ میں چلی گئی، کوئی نقصان نہیں ہے، آخر محاصرہ اٹھالیا گیا، ''جعرّانہ'' واپسی کا فیصلہ کیا گیا، درخواست بددعا کی کی گئی، تو جناب رسالت مآب نے فرمایا : ''اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں مطیع کر کے لے آ''۔

رضاعی بہن شیماء کی حاضری :

جعرّانہ واپسی پر بنو سعد بن بکر کی ایک گرفتار خاتون ''شیماء'' پیش کی گئیں، انہوں نے مجاہدوں کو بتایا تھا کہ میں تمہارے نبی کی رضاعی بہن ہوں، خدمت اقدس میں حاضری پر اُنہوں نے یہ

عرض کیا، آپ نے فرمایا: کیا ثبوت؟ تو انہوں نے بتایا کہ بچپن میں آپ نے - جب حلیمہ سعدیہ کے ہاں تھے - میری پشت پر کاٹ لیا تھا، جسکا نشان اب تک ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فوراً واقعہ یاد آ گیا، اور پہچان لیا یہ میری رضاعی ماں حلیمہ کی بیٹی ہیں، بس پھر کیا تھا، محبت وشفقت کے ساتھ اپنی چادر بچھا کر فرمایا، اس پر بیٹھو، ماں حلیمہ کے بارے میں پوچھا، عرض کیا کہ ان کا انتقال ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، ان سے فرمایا: چاہو تو ہمارے پاس رہو، چاہو تو اپنے گھر جاؤ، انہوں نے جانا چاہا، تو ایک غلام، ایک باندی،، اونٹ اور بکری کے تحائف دے کر واپس فرمایا۔

مؤلفۃ القلوب کو عطیات اور انصار کے خدشات :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بتاریخ ۵/ذی القعدۃ ۸ھ جعرانہ (جو مکہ سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر ہے) تشریف لائے، اور ۱۰/دن تک ہوازن کے لوگوں کا انتظار فرمایا، پھر مال غنیمت تقسیم فرمادیا، مؤلفۃ القلوب: ابوسفیان، یزید بن ابی سفیان، معاویہ بن ابی سفیان، حکیم بن حزام، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزی، نضر بن کلدہ، صفوان بن امیہ، قیس بن عدی اور بنوتمیم کے اقرع بن حابس اور قبیلۂ غطفان کے عیینہ بن حصن اور عباس بن مرداس کو ۱۰۰/۱۰۰ اونٹ دیئے، اس پر انصار کے نوجوانوں کے درمیان چہ میگوئیاں ہونے لگیں، اور ذہنوں میں یہ خدشات بھی آنے لگے، کہ حضور شاید اب مکہ ہی میں رہ جائیں گے۔ اور ہماری قربانیاں فراموش ہو جائیں گی۔

گریہ وبکا کا کہرام :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک باتیں پہونچیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کا خصوصی اجلاس بلایا اور ایک تقریر درد واثر میں ڈوبی ہوئی ایسی فرمائی کہ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، فرمایا: میں نے ان کو تالیف قلب کے لئے دیا ہے، تم کو تمہارے ایمان کے حوالہ کیا ہے، میرا وطن اب مدینہ ہے، میری زندگی تمہارے ساتھ، میری موت تمہارے ساتھ! کیا تمہیں یہ اچھا نہیں لگتا؟ کہ لوگ بھیڑ بکریاں اور اونٹ لے جائیں، اور تم رسول اللہ کو اپنے ساتھ لے جاؤ؟! ایسی رقت انگیز، ایمان افروز، جذبات میں ڈوبی ہوئی تقریر نے دلوں کی دنیا بدل دی، لوگ بے اختیار چیخ پڑے، ہمیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم عزیز ہیں،

غزوہ طائف

رسول محبوب ہیں، ہمیں یہی تقسیم چاہئے ہم بس آپ کو چاہتے ہیں۔

ایک بد بخت کا اعتراض :

مالِ غنیمت کی تقسیم اور عطاو بخشش کے انداز دیکھ کر ایک بد بخت جسکی تصویر کشی اس طرح کی گئی ہے، سر گھٹا ہوا، آنکھیں دھنسی ہوئیں، چہرہ پر بڑی سی گھنی داڑھی، لنگی پنڈلیوں تک، زہد و عبادت کے غلو اور تشدد کی ایک تصویر، اینٹھتا ہوا، کرختگی سے بولا، اے محمد تم نے عدل وانصاف نہیں کیا؟!

خوارج کا بانی :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ہیئت کذائی اور ڈھٹائی کو دیکھنے لگے، اتنے میں وہ پیٹھ پھیرتا ہوا یہ جا، وہ جا۔۔۔۔۔۔۔ فرمایا: کہ اسکی جڑ سے ایسے افراد پیدا ہونگے جو دین سے اس طرح نکل بھاگیں گے، جیسا کہ کمان سے تیر نکل جاتا ہے، تم ان کے مقابلہ میں اپنی نماز وروزہ کو حقیر سمجھو گے، یہ قرآن خوب پڑھیں گے، لیکن وہ ان کے گلے کے نیچے نہیں اترے گا، اگر مجھے ان کا دور ملا، تو میں ان کو اس طرح ختم کروں گا، جس طرح عاد و ثمود کو ختم کیا گیا، یہ اشارہ فرقہ ''خوارج'' کی طرف تھا، یہ خوارج کا بانی ٹھہرا، بدزبان، اکھڑ بدّو، تہذیب سے کوسوں دور۔

غالیانہ دینداری :

یہ ملاءانہ خشک مزاجی، تکفیر اور تفسیق کی فتوے بازی، بڑوں کی عیب چینی، اور دین واسلاف سے نسبت کا لبادہ اوڑھ کر، اسلاف پر ناوک زنی، طعن وتشنیع اور متشددانہ اور بدویانہ حرف گیری والی ''دینداری'' کے اظہار اور غلو کے مزاج کی نشاندہی کی گئی ہے، تاکہ امت ان کی نمازوں، روزوں، پیشانی کے گٹوں، تلاوت کے مظاہروں، حدیث کی موشگافیوں، اور ایک حدیث کو دوسری حدیث سے ٹکرانے کے فن سے متاثر نہ ہو، اور ان کو امت کا ایک غالی، جھگڑالو، اور فتنہ پرور فرقہ سمجھے، اور ان سے دور رہنے میں عافیت جانے۔

وفد ہوازن خدمت نبوی میں :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ میں چند روز اسکا انتظار فرمایا تھا کہ اگر ''ہوازن'' کے لوگ

آ جائیں اور معافی تلافی کریں، اور دین برحق قبول کرتے ہوئے معاملہ کریں، تو ان کے اموال اور آل و اولاد واپس کردیئے جائیں، لیکن انہوں نے تاخیر کی اور تقسیم غنائم سے فراغت کے بعد ان کے ۹/افراد حاضر خدمت ہوئے، اور درخواست کناں ہوئے کہ ان پر کرم کیا جائے، امیر وفد زہیر بن صرد نے نہایت دردمندانہ انداز میں اپیل کی اور اس بات کا حوالہ دیا کہ حضور! ان قیدیوں میں وہ بھی ہیں جنہوں نے آپ کو گودوں میں کھلایا، آپ کی خدمت کی، پرورش کی، اشارہ اس طرف تھا کہ حلیمہ سعدیہ کے خاندان کے افراد آج کس مپرسی کے عالم میں آپ کی قید میں ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنیاد پر ان کا طویل انتظار کیا تھا، آپ کا دل بھر آیا، لیکن فرمایا کہ میں نے تمہارا انتظار کیا تھا، تم لوگ نہیں آئے، تو میں نے مال غنیمت تقسیم کردیا، اب دو چیزوں میں سے ایک چیز اختیار کرو یا عورتوں، بچوں کو، یا مال ومنال کو، انہوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کی واپسی کی درخواست کی، فرمایا کہ ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہوکر اپنی بات کہنا، میں تمہاری تائید کروں گا، اور مسلمانوں سے دینے کے لئے سفارش کروں گا، کیونکہ تقسیم کے بعد اب وہ مالک ہوچکے ہیں، بہرحال اسی پر عمل کیا گیا، وفد ہوازن کے قائد نے اپنا مدعا پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے اہل خاندان کی طرف سے عورتوں بچوں کو واپس کرنے کا اعلان فرمایا، اور بقیہ کے حق میں سفارش فرمائی، تمام مسلمانوں نے اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے، یہی معاملہ کیا، کہ ہم سب انہیں چھوڑنے پر راضی ہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرما حضوری میں نہیں، آپ لوگ مشورہ کرلیں، اور ذمہ دار حضرات انفرادی طور پر اپنے اپنے لوگوں سے پوچھ کر بتائیں، اس موقعہ پر نومسلموں میں سے اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن اور عباس بن مرداس اپنے مالِ غنیمت کی واپسی پر راضی نہیں تھے، بقیہ سب حضرات نے اپنے نمائندوں سے بھی رضامندی کا اظہار کردیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی سب دے دیں، جو اسکا بدل لینا چاہتے ہیں، ہم مال ''فیٔ'' سے اس سے چھ گنا زیادہ دیں گے، اس طرح ایک دن میں گھمسان کی جنگ کے بعد دشمن کے چھ ہزار قیدی آزاد کردیئے گئے۔

عمرۂ جعرّانہ:

مابعد جنگ کے تمام مسائل سے فارغ ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ سے عمرہ فرمایا،

بروز بدھ ۱۸/ ذی القعدہ کو بعد عشاء احرام باندھا، نماز فجر کے وقت مکہ تشریف لائے، عمرہ فرمایا، سر منڈایا، رات میں ''جعر انہ'' واپسی ہوئی۔

روانگی برائے مدینہ منورہ :

جمعرات ۱۹/ ذی قعدہ کی صبح مدینہ منورہ کے لئے روانگی ہوئی، ۲۷/ ذی قعدہ ۸ / ھ کو مدینہ منورہ ورود مسعود ہوا، مدینہ منورہ سے روانگی ۱۰ ار مضان ۸ / ھ کو ہوئی تھی، دو ماہ سولہ دن کے بعد واپسی ہوئی۔

مکہ مکرمہ کے انتظامات :

مکہ کا نظام حضور صلی اللہ علیہ وسلم عتاب بن اسید کے حوالہ کر کے تشریف لائے تھے، تعلیم و تربیت، افتاء وقضاء، اصلاح وارشاد، کے لئے معاذ بن جبل اور ابوموسی اشعری کو مکہ میں چھوڑ دیا گیا تھا، امارت کی بنیاد پر امامتِ حرم عتاب بن اسید کے ذمہ تھی۔

مؤذن مکہ کی اذان :

اذان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوجوان ابومحذورہ کا انتخاب فرمایا تھا، وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کی نقل کر رہے تھے، اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، حضور کو ان کی آواز بلند اور اچھی معلوم ہوئی، طلب فرمایا، اور محبت سے اذان کی تلقین کی، یا یوں کہیے کہ دل میں ایمان گھول دیا، اور بحیثیت مؤذن منتخب فرمایا، اب جیسا سکھایا تھا، دوہرا کر الفاظ اذان کہلوائے تھے، محبت و عشق نبوی نے پھر اس میں ردّ و بدل گوارہ نہ ہونے دیا، ان کی اذان ''ترجیع والی'' سب سے نرالی ہوگئی، ایک مرتبہ دھیمی آواز سے شہادتین، ایک مرتبہ بلند آواز سے۔

اذان واذکار کے صیغوں کا تنوع :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان واقامت کے کلمات، اذکار وادعیہ کے صیغے جس کو جس طرح تلقین فرمائے، وہ جذب وشوق میں اسی کا پروانہ بن گیا، بعد کے دور میں فقہاء ومحدثین نے فقیہانہ اور محدثانہ تحقیقات کیں، لیکن سب کے جواز کے قائل رہے، پھر خشک ملاؤں نے ''خارجی مزاج ونہاد'' کی بنیاد پر انہیں کو جھگڑوں اور امت میں فتنوں کی بنیاد بنالیا۔

۸ھ کا حج

۸ھ کا حج ملی جلی آبادی کا حج تھا، مشرکوں کا میلہ بھی اور مسلمانوں کے اسلامی مناسک وعبادات کا شاندار مظہر بھی، ایک طرف مشرکوں کے روایتی جمگھٹے تھے، تو دوسری طرف اہل توحید کی موحدانہ روحانی جماعتیں، ظاہر ہے کہ تبلیغ دین کا بہترین موقعہ تھا، شرک کا بوداپن ہر طرح واضح ہو چکا تھا، اس کے سارے مہرے مات ہو چکے تھے، روایتی لوگ بغیر قیادت کے ایک رسمی میلہ منا رہے تھے، اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یا کن انکھیوں سے اسلامی عبادات ومناسک کی دلکشی، تاثیر، فطری پن، اور ان کے ابراہیمی رنگ، کو دیکھ رہے تھے، اس حج نے کہنا چاہئے کہ حسن اسلام اور اسکے نظام اقتدار کے جمال وکمال کا ڈھنڈورا پیٹ دیا، حج نے میڈیا، ذرائع ابلاغ اور وسائل مواصلات کا وہ کام کیا جو مہینوں اور سالوں کی محنت نہ کر سکی۔

حضرت ابراہیم کی ولادت :

۸ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ابراہیم، ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے، خادم ابورافع نے خوشخبری دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خوش ہوئے کہ انہیں اسی وقت آزاد کر دیا، اور ایک غلام بھی مرحمت فرمایا، ساتویں دن نام رکھا، اور دو مینڈھے ذبح فرمائے، ان کی والدہ محترمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پانچ سال بعد ۱۶ھ میں رحلت فرما گئیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات :

۸ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا انتقال فرما گئیں، نمازِ جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی اور شوہر ابوالعاص کے ساتھ خود قبر میں اتارا، ان کے صاحبزادہ کا نام علی تھا، اور صاحبزادی کا امامہ، جن سے حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد اور انکی وصیت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا۔

عکرمہ بن ابی جہل کا اسلام :

فتح مکہ کے بعد جو لوگ گردن زدنی ٹہرائے گئے تھے، ان میں عکرمہ بن ابی جہل بھی تھے، وہ

جان بچا کر یمن کی طرف فرار ہو گئے، ان کی اہلیہ سمجھا بجھا کر لائیں، اسلام کی دولت کے ساتھ آنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مرحبا بالراکب المهاجر" (خوش آمدید سوار مہاجر کو) اور سینہ سے لگا لیا۔

ہند کا اسلام :

ابوسفیان کی بیوی ہند بھی اسی فہرست میں تھی، لیکن بحث ومباحثہ کے بعد داخل اسلام ہو گئیں۔

کعب بن زہیر کا اسلام اور قصیدہ بردہ :

کعب ابن زہیر کے بھائی بجیر اسلام لا چکے تھے، ان کے والد زہیر بن ابی سلمی نے آنے والے نبی کے بارے میں پیش گوئی کی تھی، اور ان کو ان کا دامن تھامنے کی وصیت کی تھی، لیکن شاعروں کے اس خاندان کی آنکھوں کا زنگار اس وقت پھٹا، جب فتح کا سورج طلوع ہوا، کعب نے پہلے تو راہِ فرار اختیار کی، اور بجیر ان سے پہلے چھپ کر آئے، اور مسلمان ہو گئے، پھر کعب بھی دبے پاؤں حاضر ہوئے، مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھام کر عرض کیا کہ کعب اگر نادم ہو کر آئے تو کیا اسکے لئے معافی ہے، فرمایا ہاں، کیوں نہیں؟ عرض کیا وہ یہی غلام ہے، اور قصیدۂ "بانت سعاد" پیش کیا، ندامت، توبہ، رجوع، منقبت گوئی، اور غلامی ومحبت کی ایک تصویر سامنے آ گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکرام وقدر افزائی میں اپنی چادر عنایت فرمادی، اسی بردہ (چادر) کی نسبت سے قصیدہ، ''بردہ'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔

۸ھ کا حج نشر واشاعت کا بہترین ذریعہ :

مکہ مکرمہ کی فتح اور جنگ حنین کی کامیابی کے بعد جزیرۃ العرب کے اطراف واکناف میں ایک ہلچل مچ گئی تھی، اور ۸ھ کا حج تو خاص طور پر اس عظیم واقعہ کی خبروں کی نشر وشاعت کے لئے بہترین ذریعہ تھا۔

فتح مکہ نے بندھ کھول دیا :

اسلام کے قدم دعوت کے راستہ سے بہت سے علاقوں میں جم چکے تھے، لیکن مرکزی طاقت

سے نبرد آزما ہونے کی بنیاد پر مسلمان نہ آزادی سے ملک میں اپنا نظام قائم کرسکتے تھے، اور نہ بیرون ملک کی کوئی کارروائی کرسکتے تھے، صلح حدیبیہ نے سب سے بڑا دعوتی موقعہ فراہم کیا، اور بقول امام زہری رحمۃ اللہ علیہ ۱۹؍سال کے عرصہ میں جتنے لوگ اسلام میں داخل ہوئے اس سے بدرجہا زائد صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں ڈیڑھ دوسال کے عرصہ میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اور فتح مکہ نے تو بندھ کھول دیا۔

عاملین زکوٰۃ وصدقات کا تقرر :

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ طائف سے واپسی پر ۹ھ کے شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصدقات کی وصولیابی کے لئے کلکٹرز کا تقرر فرمایا، اور انہیں مختلف علاقوں کی طرف روانہ فرمایا، ابن سعد کا بیان ہے کہ ۹ھ کے محرم کا ہلال دیکھنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل کی طرف عاملین (محصلین زکوٰۃ وصدقات) کو روانہ فرمایا، جن حضرات کو جن علاقوں کی طرف روانہ فرمایا گیا، اسکا نقشہ حسب ذیل ہے:

نام محصل	نام قبیلہ یا مقام
۱۔ عیینہ بن حصن	بنو تمیم
۲۔ یزید بن الحصین	اسلم وغفار
۳۔ عباد بن بشر الاشہلی	سلیم اور مزینۃ
۴۔ رافع بن مکیث	جہینہ
۵۔ عمرو بن العاص	بنو فزارہ
۶۔ ضحاک بن سفیان	بنو کلاب
۷۔ بشر بن سفیان	بنو کعب
۸۔ ابن اللتبیۃ الازدی	بنو ذبیان
۹۔ مہاجر بن ابی امیہ	صنعاء

۱۰۔زیاد بن لبید	حضر موت
۱۱۔عدی بن حاتم	قبیلہ طئی اور بنو اسد
۱۲۔مالک بن نویرہ	بنو حنظلہ
۱۳۔قیس بن عاصم اور زبرقان بن بدر	بنو سعد
۱۴۔علاء بن الحضرمی	بحرین
۱۵۔علی بن ابی طالب	نجران

یہ سب حضرات ایک وقت میں روانہ نہیں کئے گئے، لیکن محصلین کے تقرر اور روانگی کا سلسلہ ۹ھ کے آغاز سے شروع ہو گیا تھا۔

۹ھ کی کارروائیاں:

۸ھ کے اواخر میں مدینہ منورہ واپسی کے بعد اور ۹ھ کی ابتداء میں متعدد علاقوں کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوٹے چھوٹے لشکر بھی روانہ کرنے پڑے، ابھی بھی اکا دکا شورشیں اور دشمنوں کے مراکز اوران کی شرارتیں تھیں، جن سے نمٹنا ضروری تھا۔

سریہ عیینۃ بن حصن :

اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم ۹ھ میں عیینہ بن حصن الفزاری کو بنو تمیم کے علاقہ کی طرف پچاس سواروں کے ساتھ روانہ کیا، اس فوجی کارروائی کے نتیجہ میں بنو تمیم تتر بتر ہو گئے، ان کے ۱۱ مرد ۲۱ عورتیں اور ۳۰ لڑکے گرفتار ہو گئے، جو مدینہ منورہ لائے گئے، پیچھے پیچھے بنو تمیم کا وفد حاضر دربار نبوی ہوا، اس میں ان کے شاعر زبرقان بن بدر اور خطیب عطارد بن حاجب اور لیڈر اقرع بن حابس بھی تھے، انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے قیدیوں کی رہائی کے بارے میں بات کی، قدیم روایات کے مطابق اپنے مفاخر و مناقب، خطابت اور شعر و شاعری کے ذریعہ پیش کئے۔

خطابت اور شاعری کا مقابلہ :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خطیب کا جواب خطیب الاسلام ثابت بن قیس بن شماس سے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ حکام

اوران کے شاعر کا جواب شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت سے دلوایا، جس کو سن کر ان کے قائد اقرع بن حابس نے اعتراف کیا کہ ہم نے خطابت وشاعری میں شکست کھائی، پھر وہ سب مسلمان ہوگئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ اچھا سلوک فرمایا، اور قیدیوں کو ان کے حوالہ فرمادیا۔

سریہ قطبہ بن عامر :

ماہِ صفر ۹ھ میں قبیلہ خثعم کی گوشمالی کے لئے قطبہ بن عامر کی قیادت میں ایک فوجی دستہ جو صرف بیس مجاہدین پر مشتمل تھا، بھیجا، قبیلہ کے لوگوں نے دھوکہ دے کر حضرت قطبہ کو سوتے ہوئے شہید کردیا، لیکن دشمن کو شکست ہوئی اوران کی کئی عورتیں گرفتار ہوئیں، اور مال غنیمت میں اونٹ اور بکریاں حاصل ہوئیں جو مدینہ لائی گئیں۔

سریہ ضحاک بن سفیان کلابی:

ربیع الاول ۹ھ میں ضحاک بن سفیان کی قیادت میں ایک فوج بنوکلاب کی طرف روانہ کی گئی جو کامیابی کے ساتھ واپس ہوئی۔

سریہ علقمہ بن مجزز :

ربیع الثانی ۹ھ میں یہ خبر موصول ہوئی، کہ حبشہ کے کسی علاقہ کی طرف سے کچھ شورش پسند جدہ آئے ہیں، اور انتشار برپا کرنا چاہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سوسواروں کے ساتھ علقمہ بن مجزز کو ان کی خبر لینے کے لئے بھیجا، لیکن کہیں ان کا سراغ نہیں لگا، سمندری کارروائی بھی تعاقب کی کی گئی، اور ایک قریبی جزیرہ تک جانا ہوا، لیکن ان کا پتہ چل نہ سکا۔

سریہ علی بن ابی طالب اور عدی بن حاتم کی حاضری :

اسی زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ طے کی طرف جو شمالی علاقہ میں رہتا تھا، اور اسے قابو میں کرنا ضروری تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ۱۵۰ گھوڑ سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا، ان کے بت خانہ کو منہدم کرنا بھی مقصود تھا، یہ بہت بڑا بت خانہ تھا، قبیلہ کا سردار عدی بن حاتم فرار ہوکر شام چلا گیا، فوجی کارروائی کے نتیجہ میں مال غنیمت بھی ہاتھ آیا، اور متعدد عورتیں گرفتار ہوئیں، ان میں عدی بن حاتم کی بہن

سریہ علقمہ ابن محذز مدلجی

سریہ علی ابن ابی طالب

بھی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بپتا سن کر ان کو نہ صرف رہا فرمایا، بلکہ ایک اونٹ بھی واپسی کی سواری کے لئے عنایت فرمایا، وہ شام گئیں اور عدی بن حاتم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کی بڑی تعریف کی، جس کے نتیجہ میں وہ خود حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔

غزوہ تبوک

رومی حکومت کے لئے خطرہ کی گھنٹی :

مجموعی طور پر ملک کے اکثر حصے اسلام قبول کر چکے تھے، قبائل کے وفود حاضر خدمت ہونے کی تیاریوں میں مشغول تھے، اسلام کی عظمت وشوکت کے پھریرے لہرا رہے تھے، اب کوئی قابل ذکر دشمن ملک میں نہیں رہ گیا تھا، فتوحات کی خبریں، خاص طور پر شمالی جزیرۃ العرب، اور شام کی سرحدوں سے متصل علاقوں کے واقعات، عیسائی ریاستوں، اور رجواڑوں کا زوال اور اسلامی حکومت کے شمالی حدود جو شام کے حدود تک پہنچ چکے تھے، رومن امپائر کے لئے ایک خطرناک کانٹے اور ڈراؤنے خواب کی حیثیت اختیار کرتے جا رہے تھے۔

رومی بلاک کا زوال :

رومی حکومت کی بے چینی بڑھتی چلی جا رہی تھی، اور وہ بارڈر پر فوجی جماؤ کے ذریعہ مسلمانوں کی نبض ٹٹولنا چاہتی تھی، اس کے لئے اپنی حلیف ریاستوں کا زوال اور بعض دوسری ریاستوں اور صوبوں کے لئے شدید خطرات، ناقابل برداشت ہوتے جا رہے تھے۔

نبض ٹٹولنے کی کوشش :

رومن امپرر ہرقل پر دباؤ بڑھتا چلا جا رہا تھا، اسکی مشکل یہ تھی کہ دل کے نہاں خانے میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یقین رکھتا تھا، لیکن سیاست واقتدار کی شراب منہ سے چھوٹتی بھی نہ تھی، آخر اس نے حالات کا جائزہ لینے، اور جنگ مؤتہ کے ردعمل کا اندازہ کرنے کیلئے فوجیں اکھٹا کرنا شروع کیں، عرب قبائل لخم، غسان، جذام، اور عاملہ کے عیسائی بھی رومن افواج کے ساتھ شرکت کے لئے کمر بستہ تھے۔

ایرانی کالونی: بحرین پر قبضہ :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخابراتی نظام (Enteligence System) کا دائرہ اب بہت وسیع ہوگیا تھا، اور آپ کو سب سے زیادہ شمالی محاذ کی فکر تھی، ایران کی طرف سے آپ کو خطرہ نہیں تھا، اور بحرین جہاں ایران نواز بلکہ ایران کی باجگذار ریاست تھی، مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکی تھی۔

ہنگامی حالات کا اعلان :

شمالی سرحدوں کے قریب شام کے جنوبی علاقہ میں رومن فوج کے جماؤ کی خبروں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا، اور یہ فرمان جاری کر دیا گیا، کہ ہر وہ مسلمان جو جنگ میں شریک ہوسکتا ہے، اور اسکو کوئی شرعی عذر نہیں ہے، رومن امپائر کی فوج سے جنگ کے لئے تیار ہو جائے، اس اعلان نے ایک کرنٹ دوڑا دیا۔ مدینہ منورہ اور اطراف و جوانب میں اسکی خبر پھیل گئی، لوگ جوش و خروش سے تیاری کرنے لگے۔

ابو عامر فاسق کا سازشی اڈہ :

ابو عامر فاسق جو جنگ احزاب میں جتھوں کے ساتھ تھا، جنگ کے بعد قیصر روم کے پاس چلا گیا تھا، ایک زمانہ میں مدینہ میں اسکی بڑی ساکھ تھی، وہ منافقوں سے مسلسل روابط قائم کئے ہوئے تھا، اسی کے مشورہ سے ''مسجد ضرار'' تعمیر ہوئی تھی، مدینہ کے منافقین، دشمن کے ایجنٹ، دل کے روگی اور آستین کے سانپ تھے، ان منافقین نے دو رخ اختیار کئے، ایک تعداد تو اعذار لنگ پیش کر کے اپنے کو اس حکم سے مستثنیٰ کرنے میں لگ گئی، اور ایک تعداد دشمن کی ایجنٹ بن کر اس عسکری کارروائی کو سبوتاژ کرنے کیلئے ساتھ ہولی۔

معاشی تنگی اور ۳۰ ہزار نفری فوج کے انتظامات :

جس زمانہ میں اس خطرناک فوجی مہم کا اعلان عام ہوا، سخت گرمی کا تھا، معاشی حالات قحط سالی کی وجہ سے اچھے نہیں تھے، اور ''نفیر عام'' (لازمی فوجی بھرتی اور شرکت جنگ) کے اعلان نے ۳۰ ہزار افراد کا لشکر جرار تیار کر دیا تھا، اسکے رسد اور ضروریات کی تیاری ایک بڑا مسئلہ بن گیا تھا۔

۸۰۰/۷۰۰ کیلومیٹر کی مسافت کا سفر ۳۰/ ہزار فوجیوں کا کھانا، پینا اور دیگر ضروریات ان کے گھر والوں کے لئے ضروری اخراجات کے انتظامات: ظاہر ہے کہ لاکھوں درہم اس عسکری مہم کے لئے درکار تھے۔

جنگ کی تیاریوں اور رسد و اخراجات کے انتظامات کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعاون کی پرزور اپیل کی، چندہ کی ایک زبردست مہم شروع ہوئی۔

ابوبکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے :

یہی موقعہ ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا نصف اثاثہ لے کر حاضر ہوئے، اور خیال تھا کہ آج ابوبکر الصدیق کے ساتھ کار خیر میں شاید برابری ہی میسر آ جائے، پہونچنے پر معلوم ہوا کہ وہ گھر کا سارا اثاثہ نثار کر چکے ہیں، گھر پر بس اللہ ہی اللہ ہے!

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ۴۰/ اوقیہ سونا ۲۰۰ اوقیہ چاندی پیش کی، حضرت عاصم بن عدی نے ۱۰۰/ وسق کھجوریں دیں۔

اب عثمان کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا :

حضرت عثمان کی دولت کے دہانے کھل گئے، ان کو "مجهز جيش العسرة" (تنگی وترشی کے لشکر کے تیار کرنے والے) کا خطاب ملنا تھا، صرف ان کی طرف سے ۲۰۰/ اونٹ، ۲۰۰/ اوقیہ چاندی پیش کی گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپیل جاری تھی، مزید ۱۰۰/ اونٹ پیش خدمت کئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے عمل سے اس قدر خوش ہوئے اور عرش بریں پر خدا کی رحمت کو ایسا جوش آیا کہ زبان نبوت نے ارشاد فرمایا: "اس کے بعد عثمان کو کوئی عمل نقصان نہیں پہونچا سکتا"۔

حضرت عثمان کے عطیات :

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کیف وسرور کے ساتھ ایک ہزار دینار لے کر حاضر ہوئے، اور حضور کے قدموں میں ان کو ڈال دیا، حضور ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے دمک اٹھا، حضرت عثمان کی مدد اور عطیات کا سلسلہ جاری رہا، جس کی تفصیل اس طرح ہے :

۱:- ستر ہزار درہم۔

۲:- سات سواوقیہ سونا۔

۳:- ایک ہزار اونٹ۔

۴:- ستر گھوڑے۔

روایات عطیات کی تفصیلات میں مختلف ہیں، کیونکہ وقفہ وقفہ سے یہ تعاون جاری رہا، اسی طرح ان کا ایک تجارتی قافلہ اونٹوں پر سامان سے لدا ہوا، شام کی طرف سے آرہا تھا، ابھی راستہ میں ہی تھا کہ، اس کو انہوں نے یہ پیغام بھجوادیا کہ وہ لشکر اسلام کی خدمت کے لئے وقف کردیا گیا ہے۔

منافقین کا مرکز نفاق اور بہانہ بازیاں :

جنگ تبوک کی تیاریوں کا ایک طرف یہ منظر تھا، دوسری طرف منافقوں کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے تھے، اس موقعہ پر عبداللہ بن ابی اپنے ٹولہ کے ساتھ مدینہ ہی میں رہا، قباء کے پاس ابو عامر فاسق کے مشورہ سے صورتاً ایک مسجد اور حقیقتاً مرکز نفاق وسازش انہیں منافقوں نے تیار کرلیا تھا، ان کے خاص خاص لوگ حضور ﷺ کے پاس آکر اپنے عذر پیش کررہے تھے، آپ جانتے تھے کہ یہ بہانے بازی کررہے ہیں، لیکن چشم پوشی سے کام لیتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ ان فتنہ پروروں کا دور رہنا ہی بہتر ہے، اگرچہ اللہ تعالی نے اس رعایت پر عتاب آمیز انداز میں فرمایا:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ	اللہ نے آپ کو معاف کیا، آپ نے انہیں
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا	اجازت کیوں دی، (اجازت نہ دی جاتی)
وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ۝۴۳	تاکہ (سب کے سامنے) یہ ظاہر ہوجاتا کہ
(سورۃ التوبہ : ۴۳)	کون سچا ہے کون جھوٹا۔

لیکن انہیں ساتھ لیجانے کا حکم بھی نہیں فرمایا۔

مخلص اور غریب مسلمانوں کی تڑپ :

کچھ کمزور وغریب مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ سواری اور زادراہ نہ ہونے کی وجہ سے سفر میں عدم

رفاقت پر ان کے دل تڑپ رہے تھے اور آنکھوں میں آنسو بھرے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ درخواست کرتے تھے کہ ہمارے لئے بھی چلنے کا انتظام فرمادیں اور جب آپ معذرت فرماتے، تو روتے ہوئے گھروں کو واپس ہوتے، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ان کے ساتھ آنے والے یمن کے کئی حضرات کا یہی حال تھا، پھر ان کے لئے سواریوں کا انتظام ہو گیا۔

اخلاص کی ایک مثال :

حضرت واثلہ بن الاسقع مدینہ میں اعلان کرتے پھر رہے تھے کہ ہے کوئی مجھے ساتھ لیجانے والا، جس کو میرا متوقع مال غنیمت حوالہ کر دیا جائیگا، ایک مخلص انصاری نے ساتھ لے لیا، جو تبوک میں دوران قیام حضرت خالد بن الولید کے ساتھ دومۃ الجندل کی ریاست پر کارروائی میں شریک ہوئے، مال غنیمت میں متعدد عمدہ اونٹنیاں ملیں، جب اس انصاری کی خدمت میں انہوں نے مال غنیمت پیش کیا، تو انہوں نے اسے واپس کر دیا اور کہا مجھے تمہارا یہ حصہ نہیں چاہئے تھا، مجھے تو ثواب کا حصہ درکار تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ہارون علیہ السلام سے مشابہت :

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رجب کی کسی تاریخ میں بدھ کے دن مدینہ منورہ سے نکلے، مدینہ منورہ کے انتظام کی ذمہ داری محمد بن مسلمہ کو سپرد فرمائی، اور حضرت علی کو خصوصی نگرانی کے لئے مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا، منافقین نے اس پر اس قدر تبصرہ اور پروپیگنڈہ کی فضا بنائی، جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ مدینہ میں نہ رہیں، اور منافقین کو اپنی کارروائیوں کا موقع مل سکے کہ حضرت علی اس پروپیگنڈے کے ماحول سے متأثر ہو کر مدینہ سے باہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اگلے پڑاؤ پر ملے، اور ساتھ چلنے کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اطمینان دلایا اور فرمایا کہ تم اس وقت میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے کہ ہارون موسیٰ کے لئے تھے، اگرچہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، جس میں صاف اشارہ تھا کہ حالات پر کڑی نگاہ رکھنے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل نیابت کے لئے ان کو مدینہ منورہ میں روکا گیا۔

تین مخلصین کی سزا :

مخلص مسلمانوں میں وہی لوگ رہ گئے تھے جو واقعی معذور تھے، یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کوئی

کام سونپا تھا، ہاں کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرارہ بن الربیع، لیت ولعل میں رہ گئے، اوران کا واپسی پر سخت محاسبہ ہوا، اورتقریباً اس سفر کی مدت کے بقدر پچاس دن تک ان کا سماجی بائیکاٹ کیا گیا۔

ابوخیثمہ کی غیرت ایمانی :

ابوخیثمہ بڑے خوشحال تھے، ان کی دو بیویاں تھیں، دونوں کے اچھے مکانات تھے، انہوں نے کھڑکیوں پر خس کے پردوں پر پانی کا چھڑکاؤ کررکھا تھا، اور گھر میں کھانے پینے کا بہترین انتظام، ابو خیثمہ لشکر کے نکل جانے کے بعد مدینہ منورہ کے سناٹے کو دیکھ رہے تھے، ان کے ضمیر نے کچوکے لگائے، دونوں گھروں کے دروازوں پر آ کر بڑی غیرت اور ایمانی جذبہ سے کہا کہ حضور دھوپ اور گرمی میں سفر کی مشقتیں اٹھا رہے ہوں اور میں ٹھنڈے پانی اور ٹھنڈی ہواؤں کا لطف لوں، تف ہے مجھ پر، میرا زادراہ تیار کردو، میں چلا، تبوک میں حضور ﷺ کے پاس ابھی پہونچے بھی نہیں تھے، حضور ﷺ نے فرمادیا کہ ابوخیثمہ ہونگے، حاضر ہونے پر کچھ عتاب فرمایا، پھر ان کا قصہ سن کر مراحم والطاف کا معاملہ فرمایا۔

ابوذر غفاری اکیلے رہیں گے :

ابوذر غفاری کی اونٹنی نے سفر میں بہت پریشان کیا، اس کی وجہ سے پچھڑ گئے، بڑی کوشش کے بعد بھی جب قابو نہ ہوسکا، تو سامان لاد پیدل چل کھڑے ہوئے، ان کا دور سے سایہ ہی دیکھ کر زبان نبوت سے نکلا، ابوذر ہوں، آخر وہ سامنے آئے فرمایا، یہ بندہ اکیلے جئے گا، اکیلے مرے گا، اکیلے اٹھے گا، اگلے دور حیات میں پیش گوئی حرف بہ حرف ثابت ہوئی۔

پانی کی قلت :

سفر بہت تھکا دینے والا اور مشقتوں سے بھرپور تھا، وقتاً فوقتاً پانی کی شدید مشکلات سامنے آتی تھیں، اونٹ کے پیٹ کے اندر محفوظ پانی تک نکال کر پینے کی نوبت آئی، اور کہیں کہیں معجزات نبوی کا بھی ظہور ہوتا رہا، اور پانی کا غیبی انتظام ہوا۔

قوم ثمود کے علاقہ سے گذر:

قوم ثمود کے علاقہ ''الحجر'' یا ''مدائن صالح'' کے قریب پہونچنا ہوا، توحکم ہوا کہ اس علاقہ سے

تیزی سے گزرا جائے، روتے ہوئے، عذاب الٰہی سے ڈرتے ہوئے گذریں، رونا نہ آئے تو رونے والوں کی کیفیت اپنے اوپر طاری کریں، خود جناب رسالتماب ﷺ نے اپنے چہرۂ انور پر کپڑا ڈالا، یہ حکم بھی تھا کہ سوائے اس کنویں کے جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی، اور کہیں کا پانی استعمال نہ کریں، یہ معلوم ہونے پر کہ لوگوں نے پانی لیا، بعض نے اس پانی سے آٹا گوندھا، حکم ہوا کہ وہ پانی پھینک دیں، اور آٹا جانوروں کو کھلا دیں، اس علاقہ میں قوم ثمود بستی تھی، جس نے پہاڑوں کو تراش کر محلات بنائے تھے، کفر وشرک اور فسق وفجور کی زندگی اور نبی حضرت صالح علیہ السلام کی پے بہ پے تنبیہات کے باوجود سرکشی نے اسے عذاب الٰہی کا شکار کیا تھا، اور پھر پورے علاقہ میں زلزلہ اور خوفناک دھماکوں سے لوگوں کی سکڑی اور ٹھٹھری ہوئی لاشیں پڑی تھیں، معذب اقوام کے علاقوں میں سیر وسیاحت اور تفریح کے لئے جانا اہل ایمان کا شیوہ نہیں ہے، انہیں تو عبرت سے ہر واقعہ کو دیکھنا چاہئے چہ جائیکہ عذاب کی جگہوں کی سیر۔

جمع بین الصلاتین :

اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں میں قصر کے علاوہ جمع بین الصلوتین یعنی ظہر وعصر- اور مغرب وعشاء- کو ملا کر کسی ایک وقت میں پڑھنے کی سہولت پر عمل فرمایا، ایسے پرمشقت سفروں میں، یا جب کسی نماز کے قضاء ہونے کا اندیشہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ کسی ایک نماز کے وقت میں دونوں نمازیں پڑھ لی جائیں۔

ہرقل کی ہمت نے جواب دے دیا :

تبوک پہنچنے پر یہ اطلاعات ملیں کہ رومن افواج سرحد سے دور ہیں، اور وہ ٹکرانے کے موڈ میں نہیں ہیں، افواج کی سربراہی خود ہرقل کر رہا تھا، لیکن کیونکہ وہ دل سے متأثر تھا، اور حضور ﷺ کی نبوت کو سمجھ رہا تھا، اور دل کی گہرائیوں میں اسے مان بھی رہا تھا، لیکن مادی نقطۂ نظر اور سیاست نے اسے کور باطن ہی رکھا، ہاں اتنا ضرور ہوا کہ اسے جب یہ معلوم ہوا کہ محمد ﷺ خود مسلم افواج کی قیادت کرتے ہوئے آرہے ہیں، تو اس نے عافیت پسپائی میں سمجھی۔

سفر تبوک کے مقاصد :

حضور ﷺ نے اس عظیم الشان لشکر کی تیاری جو تیس ہزار رضا کاروں پر مشتمل تھا، متعدد مقاصد کے پیش نظر فرمائی تھی :

۱:- آپ چاہتے تھے کہ آپ کی ہی نگرانی میں مسلمانوں کی ایسی عسکری تربیت ہو جائے کہ وہ طویل ترین، دشوار گزار، اور جاں گسل سفروں اور اقدامات کے عادی ہو جائیں اور ان کے حوصلے بڑی بڑی مہمات کے لئے کمزور نہ پڑیں۔

۲:- آپ یہ بھی چاہتے تھے مدینہ منورہ سے شام تک علاقوں میں رہنے والے قبائل اور آبادیاں اسلام کی عظمت و شوکت کا مشاہدہ کریں، اور مسلمانوں کا دینی، دعوتی اور تربیتی ماحول دیکھیں اور اس کے اثرات مسافروں کے ذریعہ پورے ملک میں منتقل ہوں۔

۳:- آپ یہ بھی چاہتے ہوں گے کہ مسلمانوں میں بڑی طاقتوں اور حکومتوں سے مقابلہ کا حوصلہ ہمت اور جرأت پیدا کی جائے، اور دشمن پر رعب طاری کر دیا جائے۔

۴:- آپ کا مقصد یہ بھی تھا کہ جزیرۃ العرب کی شمالی پٹی پر جو ریاستیں، رجواڑے، رومن امپائر کی زیر نگرانی یا اس کے ساتھ سیاسی اور معاشی تعلقات سے بندھے، مسلمانوں کے لئے خطرہ بنے ہوئے تھے، مسلمانوں کی دعوت اور قوت و طاقت سے متأثر ہوں، اور وہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدات کریں۔

ریاستوں کی مصالحت اور ادائیگی جزیہ:

''ایلہ، اذرح، جرباء، مقنا کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں یا چودھراہٹوں نے حضور ﷺ سے مصالحت کی، شاہ ایلہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک سفید خچر اور ایک عمدہ چادر بھیجی، جزیہ دینا منظور کیا، ان سے تحریری معاہدات ہوئے، اور حضور ﷺ نے علاقہ کے سرداروں کو اپنے عہدوں پر بحال رکھا۔

دومۃ الجندل کی ریاست کی شکست اور مصالحت :

دومۃ الجندل کی ریاست سب سے زیادہ طاقتور اور خوشحال ریاست تھی، اس کا گورنر اکیدر بن عبد الملک کندی تھا، حضور ﷺ نے ۴۲۰ سواروں کے ساتھ حضرت خالد بن الولید کو اس کی طرف روانہ

صالح اور قوم ثمود کی بستی کے آثار

فرمایا، اور یہ بھی فرمایا کہ اسے نیل گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے، ایسا ہی ہوا، اور حضرت خالد بن الولید نے اسے گرفتار کرلیا، اس کے بھائی حسان نے مزاحمت کی اور مارا گیا، ۸۰۰ افراد گرفتار ہوئے، دو ہزار اونٹ، چارسو زرہیں، اور چارسو نیزے ہاتھ لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جان بخشی کی، اس نے معاہدہ کیا اور جزیہ دینا منظور کیا، موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ اکیدر حاکم دومۃ الجندل اور یوحنا حاکم ایلہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی لیکن وہ اپنی عیسائیت پر قائم رہے اور اس پر معاہدہ کرلیا کہ وہ جزیہ دیں گے۔

قیام تبوک کی بہاریں :

تبوک میں بیس دن قیام رہا، اس قیام کے دوران پورے علاقہ میں بہار آگئی، پرکیف اور پرنور ایمانی ماحول کی ایک چادر تنی تھی، مسلمانوں کے انفاس قدسیہ سے آس پاس کی بستیاں مہک گئیں، یہاں کا یہ قیام اس بات کی علامت تھا کہ رومن حکومت کی بساط اب سرزمین شام سے الٹا چاہتی ہے۔

ذوالبجادین کی قابل رشک موت :

قبیلہ مزینہ کے ایک شخص - جو اپنی غربت و درویشی اور ایک کمبل کے دو ٹکڑوں کی پوشاک کی وجہ سے ''ذوالبجادین'' کہلائے - تبوک میں شدید بخار میں انتقال کر گئے، رات میں ان کی تدفین اس طرح ہو رہی تھی کہ حضور اقدس ان کی قبر میں تھے، اور ابوبکر و عمر نعش کو نیچے اتار رہے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے، لاؤ بھائی کو میری طرف بڑھاؤ، اے اللہ میں اس سے راضی ہوں، تو بھی اس سے راضی ہوجا، حضرت عبداللہ بن مسعود رشک سے اس منظر مقدس کو دیکھ رہے تھے اور دل ہی دل میں کہہ رہے تھے کہ کاش کہ میں اس کی جگہ ہوتا۔

معجزات کا ظہور :

سفر تبوک کے دوران متعدد معجزات کا ظہور ہوا، مدائن صالح سے آگے بڑھنے کے بعد پانی کی شدید قلت کا مسئلہ پیش آیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، ایک دم سے گھٹا چھائی، بارش ہوئی، پانی ہی پانی ہوگیا۔

اونٹنی کی خبر:

راستہ میں آپ کی اونٹنی کھوگئی، تلاش ہورہی تھی، ایک منافق زید بن اللصیت قینقاعی نے تبصرہ کیا، غیب کی خبر بتاتے ہیں اور اپنی اونٹنی کی خبر نہیں، حضور نے حضرت عمارہ کو جن کے قافلہ میں وہ شخص تھا، اس کی بات بھی بتادی، اور پھر فرمایا کہ جاؤ فلاں جگہ پر ایک درخت میں اونٹنی کی رسی پھنس گئی ہے، اس کو لے آؤ، بعینہ اسی جگہ اونٹنی مل گئی، حضرت عمارہ نے پھر اس منافق کو اپنے قافلہ سے بھگا دیا۔

آندھی کی پیش گوئی :

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں فرمایا کہ آج شدید آندھی چلے گی، کوئی ادھر ادھر نہ جائے، اور نہ کھڑا رہے، ایک شخص کھڑا تھا، ہوا نے اسے دور قبیلہ طے کے پہاڑ کے قریب پھینک دیا۔

چشمۂ رواں :

تبوک جاتے ہوئے، آخری منزل پر آپ نے فرمایا کہ کل تم لوگ تبوک کے چشمہ کے پاس دن چڑھے پہونچ جاؤ گے، کوئی شخص چشمہ کے پانی کو میرے آنے سے پہلے ہاتھ نہ لگائے۔ منافق پہلے پہنچ گئے اور چشمہ سے پانی لینے لگے، اس وقت چشمہ سے پانی رس رہا تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہونچے اور یہ معلوم ہوا کہ دو شخصوں نے یہاں پہنچ کر پانی لیا ہے، تو آپ نے انہیں بہت سخت سست کہا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو دھویا اور بقیہ پانی اسی چشمہ پر چھڑک دیا، بس پھر کیا تھا، چشمۂ رواں جاری ہوگیا، اور پورے لشکر کی ضروریات پوری ہوئیں۔

کھانے کی کثرت :

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن فاقہ کی نوبت آگئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی درخواست کی حضور ﷺ نے دسترخوان لگوایا، اور فرمایا کہ جس کے پاس جو کچھ بھی ہو لاکر اس پر ڈالو، کچھ کھجوریں اور روٹی کے ٹکڑے ڈالے گئے، پھر آپ ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی، اور فرمایا کہ اب اپنے اپنے برتنوں میں لے لو، لوگوں نے خوب کھایا بھی اور برتنوں میں لے کر رکھا بھی۔

منافقوں کا کردار :

تبوک کے سفر میں جانے اور آنے میں منافقین کا کردار بڑا ہی قابل نفرت و مذمت تھا، سورۂ براءت ان کی خباثتوں، ان کے دل کے روگوں، ان کی گندی حرکتوں کی تفصیلات سے بھری ہے۔

منافقوں کی ایک خطرناک سازش :

آخری درجہ کی بدمعاشی اور خباثت یہ تھی کہ واپسی میں ایک پہاڑی راستہ پر گزرنے سے پہلے ۱۲/منافقوں نے مل کر سازش کی کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچانک دھکا دے کر پہاڑ پر سے گرا دینا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ بات منکشف ہوگئی، آپ نے عام لوگوں میں یہ اعلان فرما دیا کہ جو چاہے وادی سے ہو کر گذرے وہ کشادہ ہے، خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہاڑی راستہ سے چلے اور حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت عمار بن یاسر کو اپنے ساتھ لیا، حضرت حذیفہ بن الیمان کو سازش سے مطلع کر دیا، رات کے اندھیرے میں ڈھاٹے باندھے منافقین اپنی سواریوں سے آگے بڑھ رہے تھے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان نے پلٹ کر اچانک اپنے ترکش سے اونٹوں کے منہ پر مارنا شروع کیا، انہوں نے جیسے ہی حضرت حذیفہ کو دیکھا، وہ سمجھ گئے کہ راز افشا ہو گیا ہے، وہ جلدی میں وہاں سے فرار ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حذیفہ کو ان کے نام بتا دئے اور فرمایا کہ کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

ثنیۃ الوداع پر استقبالیہ ترانہ :

واپسی کا سفر تقریباً ۱۵/دن میں طے ہوا، مدینہ ابھی فاصلہ پر تھا، احد پہاڑ پر جیسے ہی نگاہ پڑی، فرمایا یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، مدینہ آیا فرمایا یہ طیبہ ہے، ثنیۃ الوداع پہونچے جو گویا مسافروں کے لئے اسٹیشن تھا، کہ اہالیان مدینہ بچے اور بچیاں خوشی میں جھوم گئے، ان کی زبانوں پر یہ ترانہ تھا۔

طلع البدر علینا	من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا	مادعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا	جئت بالامر المطاع

شعبان کے اخیر یا ابتدائے رمضان میں واپسی ہوئی تھی، مجموعی طور پر سفر میں پچاس دن لگ گئے تھے۔

وفاداروں کا امتحان :

واپسی پر حسب معمول مسجد نبوی میں تشریف فرما ہوئے، عذر کرنے والے آ آ کر عذر پیش کرتے رہے، اور آپ چشم پوشی کے ساتھ سنتے رہے، آپ جانتے تھے کہ یہ دل کے روگی ہیں، لیکن تین مخلصین بھی "لیت ولعل" اور نفس کی کش مکش میں رک گئے تھے، ایک جوان، کعب بن مالک، اور دو دراز عمر، ہلال بن امیہ اور مرارۃ بن الربیع، ان کے لئے دربار نبوی کا فیصلہ کچھ اور تھا، ان سے دوستانہ اعراض کیا گیا، ان کی تربیت کے لئے ان سے نگاہیں پھیر لی گئیں، اور تمام ساتھیوں اور احباب کو حکم دے دیا گیا کہ ان سے مکمل قطع تعلق کر لیا جائے، نہ بات چیت، نہ سلام وجواب سلام، نہ کوئی معاملت، محبوبِ دل وجگر اور قبلۂ دیدۂ ودل کی طرف سے یہ معاملہ، تیر ونشتر سے بھی زیادہ سخت تھا، دل میں ایک درد بیٹھ گیا اور جگر چھلنی ہوگیا، شہر قبرستان سے زیادہ سنسان لگنے لگا، بلکہ اس کا ہر لمحہ کانٹے کی طرح چبھتا اور تیر کی طرح لگتا، نگاہیں چرا چرا کے مرکز محبت ووفا کو دیکھتے اور آنسوؤں کے ساتھ جھکا لیتے، لیکن اخلاص، وفا کیشی، غلامی، اور عشق کے اس امتحان میں رومن امپائر کے ماتحت غسانی حکمراں کی فراخدلانہ پیش کشیں اور دعوتیں ذرا بھی قدم ہمت وثبات کو ہلا نہ سکیں، شاہی خط کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی پر نثار کرنا کیا معنی، غیرت ایمانی نے دوئی کو بھی گوارا نہ کیا، شاہ غسان کے خط کو نذر آتش کر کے ہی محبت کو سکون ملا، پچاس دن کی شدید آزمائش کے بعد، قبولیت توبہ کی خوشخبری کا جب نزول واعلان ہوا تو قلبی مسرت وشادمانی کی انتہا نہ رہی، اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے جذبات سے دل موجزن ہوگیا، لیکن آقائے نامدار اور مربی ومرشد نے اعتدال وتوازن کی ہدایت فرمائی۔

مسجد نما دشمنوں کی ایجنسی :

تبوک سے واپسی پر مسجد ضرار کے سازشی منافقوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مسجد کے افتتاح کی دعوت دی، آپ پر اس کی حقیقت منکشف فرما دی گئی تھی، اور اس میں جانے کی ممانعت بھی، یہ

بتا دیا گیا تھا کہ وہ بنام مسجد، دشمنوں کی ایجنسی،تفریق کا اڈہ،اور سازشوں کا مرکز ہے،اسے ڈھا دینا اور جلا کر خاکستر کر دینا ضروری ہے، مالک بن الدخشم اور معن بن عدی عجلانی کو حکم ہوا کہ اس مرکز فتنہ کو نیست و نابود کر دیں، راز کھل گیا تھا،ابن اسحاق نے بارہ منافقین کے نام لئے ہیں جو اس اڈہ سے جڑے تھے،کارروائی ہونے پر وہ سب فرار ہو گئے۔

☆☆☆

عام الوفود

وفود کا تانتا بندھ گیا :

یوں تو فتح مکہ کے فوراً بعد ہی سے ''وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا'' (سورۃ النصر:۲) (تم دیکھ رہے تھے کہ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں) کا منظر تھا، وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس آئے، اسلام کی شہرت کو چار چاند لگ چکے تھے، اس کا سورج اب نصف النہار پر تھا، جزیرۃ العرب کے اطراف واکناف سے اب قبائل کے نمائندے، ریاستوں کے حکمراں، عوام وخواص تانتا باندھے چلے آرہے تھے، ایک سلسلہ تھا جو ٹوٹتا نہ تھا۔

وفد طائف کی حاضری :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی ابھی تبوک سے ہوئی ہی تھی کہ طائف سے ثقیف کا وفد حاضر خدمت ہو گیا، جب حضورؐ طائف کے محاصرہ کے بعد مدینہ منورہ آرہے تھے تو عروہ بن مسعود حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہو چکے تھے لیکن جب واپس جا کر انہوں نے اپنی قوم میں تبلیغ شروع کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق وہ شہید کر دئے گئے، لیکن ۸/ ماہ بعد طائف والوں کے دماغ سے خناس نکل چکا تھا، حاضر ہوئے، اسلام قبول کیا، کچھ شرائط منظور کرانا چاہتے تھے، کہ ان کی دیوی ''لات'' کا بت نہ توڑا جائے، نماز معاف کر دی جائے، سود وزنا کی اجازت ہو، صدقہ اور جہاد لازم نہ کیا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیہودہ شرطوں کو ماننے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ جہاں تک صدقہ اور جہاد کا تعلق ہے، اسلامی تربیت ان سب اعمال کا پابند بنا دے گی۔

آپ نے مغیرہ بن شعبہ کو لات دیوی کی مورتی اور اس کا مندر توڑنے پر مامور فرمایا اور عثمان بن

ابی العاص کو طائف کا امیر بنادیا۔

۹ھ میں زیادہ تر وفود حاضر خدمت ہوئے اور پھر یہ سلسلہ چلتا ہی رہا، ابن اسحاق نے ۱۵/ وفود کا تذکرہ کیا ہے، حافظ ابن القیم اور علامہ قسطلانی نے ۳۴/ وفود کا حال لکھا ہے، مورخ ابن سعد نے الطبقات میں ۷۰/ وفود کا ذکر کیا ہے، سیرت شامی میں ۱۰۴/ وفود کا ذکر ہے۔

ذیل میں ہم اہم وفود کا ایک چارٹ پیش کر دیتے ہیں، جس سے ان کے قبیلوں اور علاقوں کا ایک اندازہ لگایا جاسکتا ہے :

	قبائل کے نام	علاقوں کے نام	تاریخ	تعداد	اہم واقعات
۱	وفد عبد القیس (قبیلہ ربیعہ کی شاخ)	بحرین (احساء ودمام وغیرہ کا علاقہ)	رجب ۹ھ	۱۴ سوار	ان کے سردار عبد اللہ بن عوف الاشج کی متانت اور سنجیدگی کی حضور ﷺ نے تعریف کی، اور ان کو خاص طور پر نشہ آور مشروبات سے منع فرمایا۔
۲	وفد بنو حنیفہ	یمامہ (ریاض سے عمان تک کے علاقے)	۹ھ	----	ان کا سردار اصلاً مسیلمہ کذاب تھا، جس نے حضور ﷺ سے سیاسی سودے بازی کی بات کی، آپ نے اس کو سخت جواب دیا اور فرمایا کہ کھجور کی یہ لکڑی بھی نہیں ملے گی۔ اور اعراض فرمایا۔
۳	وفد بنی اسد بن خزیمۃ	مدینہ منورہ سے شمال مشرق میں	ابتداء ۹ھ	دس افراد	ان میں طلیحہ بن خویلد بھی تھا، جس نے بعد میں دعوی نبوت کیا اور مارا گیا۔

۴	وفد بنو تمیم	مدینہ منورہ کے شمال مشرق میں	۹ھ	۸۰-۹۰ افراد	ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باہر سے نام لیکر پکارنا شروع کیا، جس پر سورۂ حجرات کی آیات برائے تنبیہ نازل ہوئیں، ساتھ ہی انہوں نے خطابت اور شاعری کا مقابلہ بھی کیا۔
۵	وفد بنی عبس	تبوک کے جنوبی علاقے سے	۹ھ	۹/۱ افراد	حضرت طلحہ بن عبد اللہ کو ان کے علاقہ کے لئے عشر و زکوۃ کی وصولیابی کا ذمہ دار مقرر فرمایا۔
۶	وفد بنو سلیم	مدینہ منورہ سے جنوب مشرق میں	فتح مکہ سے پہلے	----	اس قبیلہ سے پہلے قیس بن نسیبہ حاضر خدمت ہوئے مسلمان ہوئے پھر اپنے قبیلہ میں اسلام کی دعوت دی پھر اس قبیلہ کے ایک معزز شخص قدر بن عمار حاضر ہوئے، بیعت ہوئے، اور عرض کیا کہ فتح مکہ کے موقع پر ایک ہزار شہسواروں کو لے کر حاضر ہونگا، اور مقام قدید پر حسب وعدہ وہ لشکر اسلام میں ایک ہزار سواروں کے ساتھ شامل ہوئے۔

نمبر	وفد	مقام	سنہ	افراد	تفصیل
۷	وفد ہمدان	یمن، نجران کے جنوب اور صنعاء کے شمال میں	۹ھ تبوک سے واپسی پر	۱۲۰ افراد	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ایک سردار مالک بن نمط کو ان کا امیر بنایا، ان کے علاقہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن الولید کو دعوتی مقصد سے بھیجا تھا، انہیں کامیابی نہیں ہوئی، پھر حضرت علی کو بھیجا، ان کی تبلیغ سے پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمدان پر سلامتی ہو۔
۸	وفد بنی منتفق	العلاء اور مدائن صالح کے قریب سے	۹ھ	دو اشخاص لقیط بن عامر اور نہیک بن عامر	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد ایمانی واعتقادی سوالات کئے، آپ نے جوابات عنایت فرمائے اور ان کے تقوی کی تعریف فرمائی۔
۹	وفد نجران (عیسائیوں کا وفد)	یمن کے علاقہ نجران سے	۹ھ	ساٹھ افراد بڑی زرق برق پوشاکوں کے ساتھ آئے تھے	وفد میں ریاست نجران کے وزیر اعلی، مذہبی پیشوا، اور سیاسی مشیر کے علاوہ متعدد سر برآوردہ شخصیات تھیں، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مذہبی مباحثہ چھیڑا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ایچ پیچ کا جواب مباہلہ کی دعوت سے دیا، جس کو وہ اپنے دل کے چور کی وجہ سے قبول نہ کر سکے، سورہ آل عمران کی ابتدائی ۸۳ آیات اس وفد کی آمد کے موقعہ پر نازل ہوئیں، انہوں نے جزیہ دینا منظور کیا اور صلح کی۔

۱۰	وفد ازد	یمن کے علاقہ ''مأرب'' سے	۹ھ	۱۹/افراد	بڑے دانشمند لوگ تھے، حضور ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی، اور اصلاحی ہدایات سے نوازا، ان کے سردار صرد بن عبد اللہ کو قرب و جوار کے مشرک و کافر قبائل سے جہاد کا حکم فرمایا، انہوں نے واپس جا کر ''جرش'' کے علاقہ کا محاصرہ کیا، ایک مہینہ کے محاصرہ کے بعد فتح حاصل کی۔
۱۱	وفد بنی فزارہ	مدینہ منورہ کے جنوب مشرق میں	تبوک سے واپسی پر ۹ھ	۱۴-۱۵ افراد	قحط سالی کی شکایت کی، حضور ﷺ نے بارش کی دعا فرمائی، اتنی بارش ہوئی کہ چھ دن تک آسمان نظر نہ آیا۔
۱۲	وفد بنو سعد بن ہذیم	مدینہ منورہ کے جنوب میں طائف کے شمال میں	۹ھ	----	ان میں ایک شخص نے امرؤ القیس کے شعر کی تعریف کی تو حضور ﷺ نے اس کی شاعری کی شہرت کے تذکرہ کے ساتھ اس کی گمراہی اور تباہی کا ذکر فرمایا۔
۱۳	وفد دارم یا دارین	اگر یہ دارین ہے تو یہ بحرین کی ریاست کا پایہ تخت تھا	۹ھ تبوک کے بعد	دس افراد	یہ لوگ حضور ﷺ کی وفات تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے، بڑے تحائف لے کر آئے تھے، چند گھوڑے اور سونے کے تاروں کی ایک قباء جو حضرت عباسؓ کو حضورؐ نے عطا فرمادی، انہوں نے ایک یہودی کے ہاتھ آٹھ ہزار درہم میں فروخت کیا۔

۱۴	وفد بلی	مدینہ منورہ کے شمال میں تبوک کی طرف	ربیع الاول ۹ھ	----	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مہمان نوازی سے متعلق مختلف ہدایات دیں، ان کا اکرام فرمایا اور انعام اور تحائف دے کر رخصت فرمایا۔
۱۵	وفد تُجیب	یمن کے علاقہ حضر موت سے	۹ھ	۱۳/ افراد	اپنے ساتھ زکوۃ وصدقات کا بڑا سامان لائے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی قوم میں اس کو تقسیم کر دینا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ وفد تجیب کی بڑی تعریف فرماتے تھے ان کے ساتھ ایک لڑکا بڑا صالح تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے حق میں ''غنی'' کی دعا فرمائی، قبیلہ کے لوگوں کا بیان ہے کہ ایسا قناعت پسند شخص نہ دیکھا گیا، اس کے سامنے ساری دنیا تقسیم کر دی جائے تو نظر اٹھا کر نہ دیکھے۔
۱۶	وفد حمیر	یمن کے علاقہ مأرب سے	۹ھ	----	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آمد پر اہل یمن کی بڑی تعریف فرمائی، کہ یمن کے لوگ آئے ہیں، یہ بڑے رقیق القلب اور نرم دل ہیں، ایمان تو یمنی ہے، حکمت یمنی ہے، فقہ یمنی ہے۔
۱۷	وفد بنی عذرہ	مدینہ منورہ کے شمال میں اور دومۃ الجندل کے جنوب میں	صفر ۹ھ	۱۲- افراد	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہرقل کے بارے میں سوال پر فرمایا کہ شام عنقریب فتح ہو جائے گا، اور ہرقل وہاں سے بھاگنے پر مجبور ہوگا۔

۱۸	وفد بنی مرّہ	طائف کے جنوب مشرق میں	۹ھ تبوک سے واپسی پر	۱۳- افراد	اپنے علاقہ کے قحط کی شکایت کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعاء فرمائی، واپس گئے تو بارشوں سے علاقہ کو سرسبز وشاداب پایا۔
۱۹	وفد طے	مدینہ منورہ کے شمال مشرق میں	۹ھ	۱۵- افراد	زید الخیل وفد کے سردار تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بڑی تعریف فرمائی، کہ میں نے ان کے بارے میں سنا تھا، اس سے بہتر پایا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام زید الخیر رکھا، عدی بن حاتم، حاتم طائی کے بیٹے تھے، وہ شام کی طرف فرار ہو گئے، ان کے علاقہ کے لوگ گرفتار کر کے لائے گئے تو ان میں ان کی بہن بھی تھیں، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف آزادی دی بلکہ اپنے وطن واپس بھجوادیا، وہ شام گئیں اور عدی بن حاتم پر ناراض ہوئیں، اور سارا واقعہ سنایا، پھر عدی حاضر خدمت ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ قیصر وکسری کی حکومتیں ختم ہو جائیں گی، اور ان کے خزانے مسلمانوں کو ملیں گے، اور اسلام غالب آئیگا۔
۲۰	وفد سلامان	غالباً یمن کے شمالی علاقہ سے	شوال ۱۰ھ	سات افراد	ان کے علاقہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر سبزی کی دعا فرمائی، علاقہ میں خوب بارش ہوئی۔

۲۱	وفد بجیلہ	یمن کے علاقۂ حضر موت سے	۱۰ھ	۱۵۰-افراد	حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی وفد کے امیر تھے، ان کے چہرہ پر ملکوتی انوار کی جھلک تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جریر سا حسین نہیں دیکھا، ان کو یمن ''ذوالخلصۃ'' مندر کو توڑنے کا کام سونپا گیا، اسے کعبہ کے مقابل بنایا گیا تھا۔
۲۲	وفد خولان	یمن کے شہر صنعاء کے مشرقی علاقہ سے	شعبان ۱۰ھ	دس افراد	حضور ﷺ نے ایفائے وعدہ، امانت کی ادائیگی اور پڑوسی کے ساتھ اچھے برتاؤ کی ہدایات دیں
۲۳	وفد غامد	نجد	رمضان ۱۰ھ	دس افراد	حضور ﷺ نے فرمایا، قیام گاہ پر کسے چھوڑ آئے ہو، عرض کیا ایک لڑکے کو، فرمایا، وہ سو گیا اور تمہارا تھیلا چوری ہو گیا، ان کی گھبراہٹ پر فرمایا، پھر وہ مل گیا، واپسی پر انہیں اسی کے مطابق پورا قصہ معلوم ہوا۔
۲۴	وفد غسان	شام	۱۰ھ	۳-افراد	رومن امپائر سے ان کی ریاست کا تعلق تھا، یہ خوش نصیب افراد خدمت نبوی میں آ کر اسلام سے مشرف ہوئے، واپس جا کر انھوں نے اپنا اسلام مخفی رکھا، دو کا انتقال ہو گیا تھا، تیسرے خلافت فاروقی میں یرموک میں حاضر ہوئے۔

۲۵	وفد کندہ	یمن میں مأرب کے شمال کی طرف	۱۰ھ	۶۰ یا ۸۰۔ افراد	بڑے ٹھاٹ باٹ کے ساتھ یہ وفد آیا، سونے کے تاروں کی ریشمی قبائیں زیب تن کئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی حرمت کا ذکر فرمایا فوراً کپڑے تبدیل کر لئے
۲۶	وفد حضر موت	یمن کے جنوب مشرق کے ساحلی علاقہ سے	----	۱۳یا۱۷۔ افراد	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس ایک شخص بادشاہوں کی اولاد میں سے آئیگا، وفد کی قیادت کرتے ہوئے وائل بن حجر آئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کا بڑا استقبال فرمایا، اپنی چادر بچھائی اور قریب بٹھایا۔
۲۷	وفد بہراء	مدینہ منورہ کے شمال مشرق میں	----	۱۳۔ افراد	ان کی خاطر حضرت مقداد بن الاسود نے ملیدہ سے کی، جو ایک بڑے پیالہ میں تھا، کچھ بچا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تناول فرمایا، پھر تو ایسی برکت ہوئی کہ وہی پیالہ گردش کرتا رہا اور مہمانوں کا کہنا تھا کہ ایسا لذیذ کھانا ہم نے کہیں نہیں کھایا، انہوں نے بتایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک کی برکت ہے، وہ سب مسلمان ہو گئے۔

حج کی فرضیت اور صدیق اکبرؓ کی امامت

۹ھ میں حج کی فرضیت :

۹ھ میں حج کی فرضیت کا حکم آیا، ارشاد فرمایا گیا : {وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ} (سورۃ آل عمران: ۹۷)

''اور صرف اللہ کے لئے لوگوں پر فرض ہے کہ بیت اللہ جائیں، جو بھی اس تک پہونچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، اور جو بھی ناشکری کریں گے تو اللہ تعالی کو کوئی ضرورت نہیں ایسے تمام لوگوں کی (وہ تو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے)''

حکم الٰہی کے آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ادائیگی حج کی دعوت دی، جو شخص صاحب نصاب ہو اور حج کے سفر وغیرہ کے مصارف پر قادر ہو اس پر تمام عمر میں ایک مرتبہ حج کی فرضیت کا اعلان فرمایا گیا اور یہ بھی واضح فرمایا دیا گیا کہ جو شخص بھی باوجود قدرت کے حج نہ کرے وہ پھر یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر یا کچھ اور ہو کر، اللہ کو اس کی پرواہ نہیں۔

۸ھ کا حج :

۸ھ میں حج کی ادائیگی حضرت عتاب بن اسید گورنر مکہ مکرمہ کی قیادت میں فرضیت کے اعلان کے بغیر کی گئی، کیونکہ حج کے آداب واحکام سورۂ بقرہ میں پہلے ہی سے بتا دیئے گئے تھے۔

مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مشترک حج :

لیکن اب ۹ھ میں منظر نامہ بالکل دوسرا تھا، عرب کے اکثر قبائل داخل اسلام ہو چکے تھے، لیکن ابھی بھی متعدد قبائل اور بے شمار افراد ملت اسلامیہ میں پوری طرح داخل نہیں ہو سکے تھے، جو حج ہونا تھا وہ ملا جلا ہونا تھا، یعنی اسلامی قیادت کے ساتھ مشرکوں کے بھی الگ الگ گروپ حسب سابق حج کے لیے آنے والے تھے، مکمل اسلامی قیادت کا وقت ابھی نہیں آیا تھا، اس کے لیے اگلے سال کا انتظار تھا۔

پھر ''نسیئ'' کی رسم جاہلی کی بنیاد پر تاریخیں بھی درست نہیں تھیں، آئندہ سال تاریخوں کا فرق ختم ہونے جارہا تھا، اور صحیح تاریخوں میں آئندہ سال ہی حج کا امکان تھا۔

۹ھ میں حج کیوں فرض ہوا؟ :

بایں ہمہ حج کی فرضیت اسی سال جن حکمتوں کی بنیاد پر ہوئی تھی وہ دعوت اسلامی کی تکمیل، اور مکمل اقتدار اسلامی کی راہ ہموار کرنے کے علاوہ اور بہت سے مصالح پر مشتمل تھی۔

اگلے مرحلہ کی تیاری :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے بعد اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد کی بشارت اور وعدہ کے ساتھ ہی یہ اشارہ دے دیا گیا تھا کہ اب آپ کا مشن مکمل ہوگیا، اگلے مرحلہ کی تیاری شروع کردینا چاہیے۔

خلافت راشدہ فی الحقیقت نبوی مشن کی تکمیل کا دوسرا دور تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ظاہری و باطنی کا عظیم الشان دور شروع ہونے والا تھا، اب اس کی تمہید اور اس کے لیے ذہن سازی کی ضروت تھی۔

خلافت صدیقی کی تمہید :

اور کیونکہ تقدیر الٰہی اور نظام نبوی میں یہ امر طے شدہ تھا کہ خلافت کا بارگراں اب صدیق، یارغار، اور تمام صحابہ میں سب سے ممتاز معاون و مددگار ابوبکرؓ کے کاندھوں پر پڑنا ہے، اس لیے حج کی فرضیت کے بعد اس عظیم رکن کی سب سے بڑے اجتماع میں ادائیگی کی قیادت امارت کے لیے ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب ہوا، یہ فی الحقیقت ان کی خلافت اور امارت عامہ کی تیاری اور تمہید تھی۔

صدیق کی امارت میں تین سو حجاج کا قافلہ :

ذی القعدہ ۹ھ کے اواخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج مقرر فرمایا، ان کے ساتھ تین سو حاجیوں کا قافلہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے ان کے ساتھ دس اونٹ بھی روانہ کیے، جن کے کوہان پر برچھی مارکر ''اشعار'' (حج یا عمرہ کے جانوروں کی تخصیص کا عمل) فرمایا، خود حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی طرف سے پانچ اونٹ لیے، ناجیہ

میں جندب اسلمی کو قربانی کے جانوروں کی نگرانی کی ذمہ داری سونپی گئی۔

آیات براءت کا اعلان :

ادھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد سورۂ براءت کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہ اعلان ہے کہ مشرک آئندہ سال سے مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوسکیں گے، یا سورۂ پاک کا نزول تو تبوک سے واپسی پر ہو چکا تھا، اب یہ ہدایت فرمائی گی کہ متعلقہ آیات کا اعلان ۹ھ کے حج کے دوران کر دیا جائے۔

حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ کا مکالمہ :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ صدیقی کی روانگی کے بعد حضرت علیؓ کو ان آیات کا اعلان کر دینے کے لیے روانہ فرمایا، مقام "العرج" یا "ضجنان" میں حضرت علیؓ کی حضرت صدیقؓ سے ملاقات ہوئی، حضرت صدیقؓ کی تواضع اور کسر نفسی کہ انھوں نے فرمایا: کہ آپ امیر کی حیثیت سے آئے ہیں تو ذمہ داری میں آپ کے حوالہ کر دوں، حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ نہیں، امیر آپ ہی ہیں، میں سورۂ براءت کی خاص آیات سنانے اور چند اعلانات کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

اعلانات :

۱- جنت میں مؤمن کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا۔

۲- آئندہ سے کسی مشرک کو سرزمین حرم میں داخلہ کی اجازت نہ ہوگی۔

۳- کسی بھی شخص کو برہنہ طواف وغیرہ کرنے نہیں دیا جائیگا۔

۴- جس کسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معاہدہ ہے، وہ معاہدہ برقرار رہے گا باقی تمام لوگوں کو چار مہینے کی مہلت ہے، اس میں چاہیں تو دین برحق میں داخل ہو جائیں یا کہیں اور منتقل ہو جائیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کو اعلان کی ذمہ داری :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، کہ حضرت صدیقؓ نے ان کو اور دیگر اعلان کرنے والوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تعاون کے لئے شریک مہم فرما دیا، تا کہ اعلانات چپہ چپہ پر ہو جائیں

اور کسی کو یہ کہنے کا حق نہ ہو کہ ہمیں نہیں معلوم کہ کیا اعلان ہوا۔

اعلان کے لیے ''یوم النحر'' کا انتخاب :

''یوم النحر'' (دسویں تاریخ) کو جمرہ کے پاس جہاں تمام حاجیوں کی بھیڑ ہوتی ہے اعلان کے لیے منتخب کیا گیا۔

''نسیئ'' نے تاریخ الٹ پلٹ دی :

امام ابن القیم کا کہنا ہے کہ ''نسیئ'' کی وجہ سے یہ حج ذی القعدہ میں ہوا یا ذی الحجہ میں، کہنا مشکل ہے، مجاہد کہتے ہیں کہ یہ حج ذی القعدہ کے آخر میں ہوا، لیکن اسے ذی الحجہ ہی مان کر حج کیا جا رہا تھا۔

قدیم روایت کے مطابق اعلانات کا اہتمام :

امام بغوی نے ''معالم التنزیل'' میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو سورۂ براءت کی چالیس آیتیں پہلے ہی سنادی تھیں، لیکن خاص اعلانات کے لیے قدیم ماحول کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی جگہ پر اپنے گھر کے فرد کو بھیجا، اور اپنی اونٹنی پر بھیجا تاکہ کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہ پیدا ہو سکے۔

حجۃ الوداع کی پیش بندی :

بہر حال حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں اس حج نے دعوت وتبلیغ، اصلاح وارشاد کے کاموں کے ساتھ، حق کی سربلندی، اسلامی اقتدار، اور مسلمانوں کی بالادستی کا اعلان بھی کردیا، اور آئندہ سال کے تاریخ ساز، عظیم الشان ''حجۃ الوداع'' کی راہ ہموار کردی۔

۹ھ کے متفرق واقعات

غنیمت میں پیچھے قربانی میں آگے :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور ازواج مطہرات کی زندگی نہایت مرتاضانہ اور زاہدانہ تھی، منافع کے موقعہ پر انہیں پیچھے رکھا جاتا تھا اور قربانی کے موقعہ پر آگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کی ایسی ہی تربیت فرمائی تھی، جب سب کو نوکر چاکر دیئے جارہے تھے، تو چہیتی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمایا جارہا تھا کہ تم تسبیحات کا اہتمام کرتی رہو۔

ازواج مطہرات :

فتوحات کے دور میں ازواج مطہرات نے گھر کے اخراجات کے لیے کچھ وسعت کی درخواست کی، یہ خیال رہے کہ یہ درخواست ان حالات میں تھی کہ دو دو مہینے گذر جاتے تھے اور گھر میں چولہا نہ جلتا تھا، صرف کھجور اور پانی پر گذارا ہوتا، لیکن جس نبی نے کبھی دنیا سے دل نہ لگایا اور اپنی ازواج کے لیے یہی چاہا، ان کے اس مطالبہ پر اعلیٰ ترین روحانی، ملکوتی اور اخروی زندگی گذارنے کے آئیڈیل اور ماڈل اور بے نظیر نمونہ کی خاطر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ میرے ساتھ رہنا ہے تو اسی مجاہدانہ اور زاہدانہ زندگی کے لیے تیار رہو، اور اس کے علاوہ کچھ چاہتی ہو تو میں تمہیں باعزت طریقہ پر اور خوبصورتی کے ساتھ رخصت کرنے کے لیے تیار ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تربیت کے لیے بطور تادیب وتنبیہ ان سے ایک ماہ علاحدگی کا ارادہ فرمالیا، اور ۲۹؍دن علاحدہ مسجد سے متصل حضرت عائشہؓ والے مکان کے اوپری کمرہ میں رہے، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم وفرمان والی آیت کریمہ سنا کر اختیار دیا، کہ اب تم فیصلہ کرلو، حضرت عائشہؓ نے سب سے پہلے اور پھر تمام ازواج مطہرات نے بالاتفاق خدمت عالی میں عرض کیا کہ ہمیں دنیا نہیں مطلوب ہے، ہم صرف آپ کو چاہتے ہیں اللہ اکبر! کیسی تھیں وہ امہات المؤمنین! اور کیسی تھی تربیت نبوی! چشم فلک نے کبھی ایسی بیویاں اور کبھی ایسی مائیں نہ دیکھیں، یہ واقعہ ۹ھ کا ہے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ۹؍ازواج مطہرات تھیں۔

۹ھ کے متفرق واقعات اور ''ذوالنورین'' کا خطاب :

۹ھ ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کی وفات ہوئی، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان سے پہلے حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا تھا، جنگ بدر کے موقعہ پر جب ان کا انتقال ہوا، تو ۳ھ میں حضرت ام کلثومؓ سے نکاح ہوا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دونوں صاحبزادیوں کے نکاح کی وجہ سے ''ذوالنورین'' کہلاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری کوئی اور لڑکی ہوتی تو میں اس کا بھی نکاح عثمان سے کرتا، کیسی محبوبیت حضرت عثمانؓ کو حاصل تھی، اللہ اللہ! (فداہ ابی وامی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، قبر میں حضرت علی، فضل بن عباس اور اسامہ اترے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارے بیٹھے تھے، آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ :

اسی سال نجاشی شاہ حبش کی وفات ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس کی اطلاع دی، اور ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

عبداللہ بن ابی کے ساتھ خلق نبوی :

عبداللہ بن ابی رأس المنافقین کی اسی سال موت ہوئی، اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نہایت مخلص، سچے پکے مسلمان تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اپنا کرتہ عنایت فرمادیجئے تاکہ اس میں اس کو کفن دیں، ان کے دل میں ایک تڑپ تھی، باپ کے رشتہ نے یہ وسیلہ تلاش کیا، نماز جنازہ کے لئے درخواست کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود حضرت عمرؓ کے اصرار کے کہ اس کی نماز جنازہ آپ نہ پڑھائیں خلق مجسم کا مظاہرہ فرماتے ہوئے پڑھادی، اگرچہ بعد میں اس کی ممانعت فرمادی گئی۔

جزیہ کہ ابتداء :

۹ھ میں جزیہ کا حکم آیا، جس کی تفصیلات بتدریج طے ہوتی گئیں، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ کا حکم ۸ھ میں نازل ہوا، لیکن پہلی کاروائی جزیہ کی تبوک کے قیام کے دوران ۹ھ میں ''دومۃ الجندل'' کے حاکم اکیدر کے ساتھ کی گئی، پھر نجران کے عیسائیوں سے دو ہزار یمنی چادروں کے جوڑے بطور جزیہ طے ہوئے، ان سے یہ عہد کیا گیا کہ ان کے گرجا محفوظ رہیں گے، اور ان کے پادریوں کو ملک سے نہیں نکالا جائے گا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن بھیجا گیا تو جزیہ کے بارے میں یہ ہدایت دی گئی تھی کہ ہر بالغ مرد سے ایک دینار یا اس کی قیمت کا ''معافری'' کپڑا لیں۔

علاقہ ہجر کے مجوسیوں (پارسیوں) سے جزیہ کی وصولیابی کے لیے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو روانہ کیا گیا تھا۔

جزیہ کے تین گریڈ :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ کے تین گریڈ مقرر کیے تھے، عام ذمیوں سے ۱۲/درہم سالانہ، متوسط درجہ کے لوگوں سے ۲۴/درہم سالانہ، اور مالداروں سے ۴۸/درہم سالانہ، بچوں، بوڑھوں، عورتوں، گوشہ گیر مذہبی پیشواؤں اور معذوروں کو جزیہ سے مستثنیٰ کیا گیا۔

۱۰ھ کے واقعات

یمن کی وسعت اور اس پر خصوصی توجہ :

۹ھ کو عام الوفود کہا جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ وفود کے سیل رواں کا سال ہے، اس کے بعد وفود معمول بن گئے، ۱۰ھ میں نئے وفود بھی دربار نبوی میں حاضر ہوئے، اور پرانے لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی جاری رہا، اب جو وقت بھی گذر رہا تھا، وہ ملکی انتظامات میں گذر رہا تھا، جزیرۃ العرب کا شمالی

علاقہ تبوک کی فوج کشی کے دوران اور اس کے بعد زیر ہو چکا تھا، جزیرۃ العرب کے مشرقی اور جنوبی علاقے ابھی بھی توجہ کے محتاج تھے، یمن سے بحرین تک آدھے جزیرۃ العرب پر ایرانی حکومت کے گہرے اثرات تھے، بلکہ یمن اور بحرین کی ریاستیں ایرانی حکومت کے ماتحت تھیں، یمن کے گورنر باذان کے اسلام لانے کے بعد ایک زبردست تبدیلی رونما ہوئی، اس دور کا یمن آج کل کے یمن کے مقابلہ میں بہت پھیلا ہوا تھا، نجران جو آج سعودی عرب کا ایک شہر ہے، یمن کی ایک ریاست شمار ہوتا تھا، اسی لیے آخری دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن پر خصوصی توجہ مرکوز فرمائی۔

یمن کے لیے حضرت خالد بن ولیدؓ کی دعوتی مہم :

جمادی الاولیٰ ۱۰ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن الولید کو بنی حارث بن کعب کی جانب یمن روانہ فرمایا، ان کے ساتھ چار سو مجاہد تھے، یہ حکم تھا کہ پہلے دعوتی کوشش کرنی ہے، حضرت خالدؓ کی کوشش سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا، اور پھر ان کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت خالدؓ نے انھیں اپنے پاس ٹھہرایا اور ان کی بڑی خاطر مدارات کی، واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قیس بن حصین کو ان کا امیر مقرر فرمایا، ہر ایک کو تین اوقیہ چاندی اور امیر کو بارہ اوقیہ چاندی عنایت فرمائی۔

یمن کی انتظامی تقسیم اور حکام کا تقرر :

یمنی نومسلم گورنر باذان کا ۱۰ھ میں انتقال ہو گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن پانچ حصوں میں تقسیم فرما کر متعدد حکام کا تقرر فرمایا، ایک حصہ باذان کے بیٹے شہر بن باذان کے ذمہ رہا، ایک حصہ پر حضرت یعلی بن امیہ کو، ایک حصہ پر حضرت ابوموسیٰ اشعری کو اور ایک حصہ پر حضرت معاذ بن جبل کو مقرر فرمایا، خالد بن سعید اور پھر مہاجر بن امیہ کو صنعاء کا والی مقرر فرمایا، حضرت معاذ بن جبل کو "الجند" کا اور زیاد بن لبید کو حضر موت کا اور حضرت عمر بن حزم کو "نجران" کا والی مقرر فرمایا۔

یمن کے لیے حضرت معاذ اور ابوموسیٰ کی روانگی :

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے پہلے حضرت ابوموسیٰ اشعری

اورحضرت معاذ بن جبل کو یمن روانہ فرمایا، حضرت معاذ کو بالائی حصہ کی ذمہ داری سونپی جس کا مرکزی شہر "الجَنَد" تھا جہاں حضرت معاذ کے نام سے ایک مسجد موجود ہے، اور زیریں حصہ کی ذمہ داری حضرت ابوموسیٰ اشعری کو سونپی وہ ان کا وطن تھا۔

شاید اب ملاقات نہ ہو :

حضرت معاذ بن جبل کو بھیجتے وقت متعدد نصائح کے ساتھ یہ فرمایا کہ شاید اب تم سے ملاقات نہ ہو، اس کو سن کر حضرت معاذ پر بے تحاشہ گریہ طاری ہوا، لیکن آپ نے تسلی دیتے ہوئے پرنم آنکھوں اور دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

تربیتی وانتظامی ہدایات :

ان دونوں حضرات کو رخصت کرتے ہوئے بڑی اہم ہدایت یہ دی گئی کہ آسانی پیدا کرنا لوگوں کو دشواری میں نہ ڈالنا، خوشخبری دینا، نفرت نہ دلانا، آپس میں ایک دوسرے کی ماننا، اختلاف نہ کرنا۔

حضرت معاذ سے یہ بھی فرمایا کہ اہل کتاب کو پہلے توحید ورسالت کی دعوت دینا، اسے مان لیں تو نمازوں کا حکم بتانا، پھر اسے مان لیں تو زکاۃ کا حکم دینا، یہ بھی دریافت فرمایا تھا کہ فیصلہ کس طرح کرو گے؟ عرض کیا کہ قرآن کی روشنی میں، فرمایا اگر اس میں حکم نہ ملے، عرض کیا حدیث وسنت کی طرف رجوع کروں گا، فرمایا اگر اس میں حکم نہ ملے تو کیا کرو گے، عرض کیا پھر اجتہاد وقیاس سے کام لوں گا، فرمایا الحمدللہ اس توفیق ایزدی پر اللہ ورسول خوش ہیں۔

یمن میں حضرت علیؓ کی مہم :

۱۰ھ میں ماہ رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرمایا، ابن اثیر کا کہنا ہے کہ نجران کے جزیہ اور صدقات کی وصولیابی کے لئے بھیجا، حضرت علیؓ کی دعوتی کوششوں سے قبیلہ ہمدان اسلام لایا، قبیلہ مذحج سے انھیں مقابلہ کرنا پڑا، اور اسے شکست دی۔

اسد الغابہ کی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کو اس لئے بھیجا گیا تھا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی مہم کی تکمیل کریں، اور ان کے اموال غنیمت کا خمس وصول کریں، حضرت علیؓ کو

فصل خصومات کی ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں ان کے حق میں دعا فرمائی، جس کے بعد ان کا بیان ہے کہ پھر زندگی بھر کبھی کسی قضیہ کے حل کرنے میں مجھے کوئی الجھن پیش نہ آئی۔

خلافت راشدہ کی تیاریاں :

۱۰ھ کا سال تعلیم وتربیت اور تزکیہ واصلاح کے لیے پوری طرح وقف ہو چکا تھا، اب صرف آپ کا ہی درس نہیں ہوتا تھا، صحابہ کرام کی ایک تعداد تعلیم وتربیت اور اصلاح نفوس کے کام کو سنبھال چکی تھی، جن میں سرفہرست خلفائے راشدین تھے، جن پر کاموں کا بوجھ پوری طرح ڈال دیا گیا تھا، اور ان کے بارے میں اشاروں کنایوں میں وقتاً فوقتاً اور موقعہ بہ موقعہ یہ ارشاد فرمایا جا رہا تھا کہ جس کار عظیم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تکمیل تک پہونچایا ہے آئندہ ایک خاص ترتیب سے اب اس کو انھیں سنبھالنا ہے۔
(دیکھئے ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' از شاہ ولی اللہ دہلوی)

اصحاب اختصاص کی تیاری :

ان کے علاوہ عام تدریس، قراءت وتجوید، حدیث وفقہ، قضاء وافتاء، تزکیہ وارشاد، سیاست وجہاد، سفارت وترجمانی، تحصیل ووصولیابی، اور مختلف تمدنی میدانوں کے متخصص افراد کی تیاری اور ان کو سند دینے، اور ان کے تخصص کو متعارف کرانے کا کام بھی پایۂ تکمیل کو پہونچایا جا رہا تھا، جس کی تفصیل کتاب المناقب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حجۃ الوداع

آخری حجت قائم کرنے کی ضرورت :

جوں جوں ۱۰ھ اختتام کے قریب پہونچ رہا تھا یہ تقاضا بڑھتا جا رہا تھا، کہ اب آخری حجت امت پر قائم کردی جائے، حقائق مجمع عام میں کھول کھول کر بیان کردیئے جائیں، جاہلیت کی مکمل بیخ کنی

اور اسلام کی تکمیل کا اعلان کر دیا جائے اس کے لئے سب سے بہتر موقعہ، سب سے زیادہ مناسب جگہ اور سب سے موزوں زمانہ حج کا موقعہ، ۱۰ھ کا سال اور منیٰ اور عرفات کا میدان تھا۔

حج نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلان اور پروانوں کا ہجوم :

ماہ ذی القعدہ ۱۰ھ میں یہ فیصلہ صادر ہوا کہ اس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کی قیادت فرمائیں گے، خبر جنگل کی آگ کی طرح اطراف واکناف میں پھیل گئی، چاروں طرف سے جوق در جوق حاجیوں کے قافلے شوق فراواں اور آتش فروزاں کے ساتھ اکٹھے ہونے لگے، ہر شخص کی خواہش تھی اس سفر میں جناب رسالت مآب کی ہمراہی نصیب ہوجائے، اور لحہ لحہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کی جائیں، اور پل پل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو گوش ہوش سے سنا جائے، اور حرز جان کیا جائے، مدینہ سے مکہ مکرمہ تک راستے میں قبائل تیار بیٹھے تھے کہ جب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم انکے قریب سے گذریں گے تو وہ بھی دامن رحمت میں جگہ پالیں گے۔

یمن کے حضرات نے طے کیا کہ وہ مکہ مکرمہ کی سرزمین پر اس قافلۂ نور میں شامل ہوجائیں گے اور پھر ایسا ہی ہوا۔

سفر حج کا آغاز :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵/ذی القعدہ ۱۰ھ کو سنیچر کے دن ظہر کی نماز کے بعد حج کے مسائل سے متعلق ایک تقریر ارشاد فرمائی، اور پھر زبردست مجمع کے ساتھ جو ہر چہار طرف پھیلا تھا، لیکن اس کی نگاہیں ایک ذات قدسی پر مرکوز تھیں، ذوالحلیفہ کے رخ پر روانہ ہوئے، وہاں عصر کی دو رکعت قصر کرتے ہوئے پڑھی، ذوالحلیفہ میں دوسرے دن ظہر تک قیام رہا، اتوار کے دن ۲۶/ذی القعدہ کو نہا دھو کر اور عطر لگا کر تیار ہوئے، اور ظہر کی نماز کے بعد حج وعمرہ کی یعنی ''قران'' (ایک ہی احرام سے عمرہ اور پھر حج کی ادائیگی) کی نیت فرمائی، اور تلبیہ کے الفاظ ادا فرمانا شروع کئے : ''لبيك اللّٰهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك، إن الحمد والنعمة لك والملك، لا شرك لك''۔

سارا مجمع تلبیہ کے الفاظ سے گونجنے لگا، اب ہر طرف یہی صدا تھی۔

ازواج مطہرات اور حضرت فاطمہ کی رفاقت :

۶۰ رساٹھ اونٹ ساتھ تھے، حضرت ناجیہ بن جندب اسلمی قربانی کے جانوروں کے نگراں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا سامان مشترک طور پر ایک ہی اونٹ پر تھا جو راستہ میں کھو گیا تھا لیکن پھر مل گیا تھا، اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری ازواج مطہرات جن کی تعداد ۹ رتھی ساتھ تھیں، صاحبزادی حضرت فاطمہ بھی ساتھ تھیں، حضرت علی اس وقت یمن میں تھے، انہیں یمن سے آ کر شامل ہونا تھا۔

راستہ کی منزلیں اور داخلہ مکہ مکرمہ :

اتوار کے دن ظہر کے بعد یہ قافلہ ذوالحلیفہ سے چلا، پہلے ''روحاء'' کی منزل آئی، پھر ''اثایہ'' کی، پھر ''عرج'' اس کے بعد ''ابواء'' پہونچے، یہاں پر شکار کئے گئے خرگوش کا گوشت پیش کیا گیا، احرام کی وجہ سے قبول نہیں فرمایا، پھر ''سرف'' پہونچنا ہوا، وہاں سے اگلی منزل ''ذی طوی'' کی تھی، جہاں اتوار ۴ رذی الحجہ کی شب گذاری، فجر کی نماز وہیں پڑھی، پھر دن چڑھے غسل فرمایا مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ ''حجون'' کی طرف سے چاشت کے وقت داخل ہوئے۔

مسجد حرام میں داخلہ اور طواف :

باب بنی شیبہ سے مسجد حرام میں داخل ہوتے ہی زبان مبارک پر کعبہ مقدسہ کی تعظیم وتکریم کے دعائیہ کلمات تھے، ساتھ ہی اپنی سلامتی کی دعا فرماتے ہوئے سیدھے حجر اسود کے پاس پہونچے، اس کو چوما، اور طواف شروع فرمایا، تین شوط رمل کے ساتھ کئے اور بقیہ بغیر رمل کے، حجر اسود کو کبھی بوسہ دیتے، کبھی ہاتھ سے چھوتے اور ہاتھ چومتے، اور کبھی اپنے عصا کے اوپری حصہ کو چھلاتے اور اسے چومتے۔

سعی کی ابتداء :

طواف سے فراغت کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں ادا فرمائیں، پھر حجر اسود کا استلام فرمایا، اور وہیں سے صفا کی پہاڑی کی طرف چلے، قریب پہونچتے ہوئے یہ آیت کریمہ ورد زبان تھی، {إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ} (سورۃ البقرۃ : ۱۵۸) ''صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں

یوم الحج الاکبر

سے ہیں، فرمایا ''ہم بھی وہیں سے شروع کرتے ہیں جہاں سے اللہ تعالیٰ نے بات شروع فرمائی، یعنی ابتداءصفاء سے کرتے ہیں۔

صفا پہاڑی پر اللہ کی وحدانیت وقدرت کے کلمات :

یہ وہی پہاڑی ہے جس پر دعوت اسلامی کا پہلا خطاب ہوا تھا، اور مکہ میں آگ لگ گئی تھی لیکن آج اس پہاڑی پر آپ کے دیدار سے محبت کے پروانوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہورہی تھیں، صفا پر چڑھ کر زبان حق ترجمان یوں گویا تھی: ''**لا إله إلا الله وحده، لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيئ قدير، لا إله إلا الله وحده، أنجز وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده**''۔ ''اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اس کی، حمد وثنا اسکی، وہ ہر چیز پر قادر مطلق، اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کردکھایا، اپنے بندہ کی مدد کی اور تنہا تمام جتھوں کو شکست دی۔''

سعی میں ہجوم عاشقان :

صفا پر تکبیر اور دعاؤں کے بعد مروہ کی طرف چلے، نشیبی حصہ میں پہونچے تو رفتار تیز کردی، مروہ پر پہونچ کر بھی تکبیر اور دعاؤں میں مشغول رہے، پھر دوسرا شوط سعی کا شروع فرمایا، طواف آپ نے پیدل فرمایا، لیکن صفا پر چڑھنے کے بعد چاروں طرف سے مجمع بے اختیار کھنچا چلا آرہا تھا، شوق دید کے لئے لوگ بیتاب تھے، عورتیں گھروں سے نکل نکل اس منظر کو آنکھوں میں سمالینا چاہتی تھیں، لہٰذا سب کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوگئے، کہ لوگوں کو دیدار حبیب میں زحمت نہ ہو۔
(دیکھئے صحیح مسلم، روایت ابن عباسؓ)

حج تمتع کی ترغیب :

سعی کے اختتام پر آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو وہ احرام ختم کردے، یعنی ''تمتع'' کی نیت کرلے، حج کے لیے پھر سے احرام باندھ لے۔

حضرت علیؓ کی یمن سے آمد :

عمرہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو چکے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے قربانی کے جانوروں کے ساتھ پہونچے، ان کے ساتھ چالیس اونٹ تھے، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جو آپ کی نیت وہ میری نیت، آپ نے فرمایا کہ تم قربانی کے جانور ساتھ لائے ہو اس لئے ٹھیک ہے، ''قران'' پر عمل کرو، انھوں نے عمرہ اور حج ایک احرام سے ادا کیا۔

قیام مکہ اور وقوف عرفات :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں چار دن اتوار، دوشنبہ، منگل، بدھ رہے، ۸/ ذی الحجہ جمعرات کو بوقت چاشت منیٰ تشریف لے گئے، وہاں ظہر وعصر پڑھی، شب جمعہ وہیں گزاری، ۹/ ذی الحجہ جمعہ کے دن بوقت چاشت عرفات کے لیے روانہ ہوئے، عرفات کے پورب جانب ''نمرہ'' پر آپ کا خیمہ نصب کیا گیا، زوال کے بعد اپنی اونٹنی ''قصواء'' پر سوار ہو کر وادی کے نشیبی حصہ میں تشریف لائے۔

حجاج صحابہ کی تعداد :

حاجیوں کا جو مجمع میدان عرفات میں اکٹھا تھا اس کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار، چوبیس ہزار، تیس ہزار اور چوالیس ہزار تک بتائی جاتی ہے، لاکھوں انسانوں کی آبادی کے یہ نمائندے پورے جزیرۃ العرب سے پہلی مرتبہ اتنی بڑی تعداد میں عقیدۂ توحید کے سایہ تلے اسلامی پرچم کے نیچے اور نبوی قیادت میں جمع ہوئے تھے۔

میدان عرفات کا خطاب عام

فضیلت صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے :

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: ''لوگو! میری بات غور سے سنو، میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح یکجا ہوں گے۔''

پھر آپ نے سورۂ حجرات کی آیت کریمہ {يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ

وَجَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ } (سورۃ الحجرات : ۱۳) پڑھ کر یہ اعلان فرمایا کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر فضیلت حاصل نہیں ہے، فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے، سب آدمؑ کے بیٹے ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے۔

جاہلیت کے مطالبات کا خاتمہ :

ارشاد فرمایا کہ جاہلیت کے سارے امور، حقوق و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے، جاہلیت کا سود اب کالعدم کیا جاتا ہے، اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس کے سود کو ختم کرتا ہوں۔

اے خاندان قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ اللہ کے حضور اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر دنیا کا بوجھ لدا ہوا، اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہونچیں۔

قریش کے لوگو! اللہ نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا، اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔

جان و مال و آبرو کی حرمت کا اعلان :

لوگو! تمہاری جان و مال اور تمہاری عزتیں اور آبروئیں ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئیں، تم سب اللہ کے حضور حاضر ہوگے، اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت باز پرس فرمائے گا۔

حقوق ادا کیے جائیں :

دیکھو! میرے بعد گمراہ مت ہو جانا، کہ آپس میں کشت و خون کرنے لگو، ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے، اپنے ملازموں کا خیال رکھنا، امانتوں کو ادا کرنا، عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنا، ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، عورتوں کو چاہئے کہ وہ خیانت، بے شرمی اور بے حیائی سے بچیں، اور شوہروں کا مال بغیر اجازت کے کسی کو نہ دیں۔

لوگو! اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا، اب کسی وارث کے لئے کوئی مالی وصیت نہ کی جائے، اگر کوئی سیاہ فام حبشی بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت کرنا۔

اے اللہ! گواہ رہنا!

لوگو! میرے بعد اب کوئی نبی نہیں ہے اور تمہارے بعد اب کوئی امت نہیں ہے، لوگو! میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا، میں تمہارے درمیان دو چیزوں کو چھوڑ کر جا رہا ہوں، ایک کتاب اللہ، اور ایک میری سنت، لوگو! غلو سے بچنا، اس سے گذشتہ قومیں ہلاک ہوئیں، شیطان اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب یہاں اس کی پوجا کی جائے، لیکن اس سے کم درجہ کے معاملات میں اس کا امکان ہے، کہ اس کی بات مان لی جائے، لہٰذا تم اس سے اپنے دین وایمان کی حفاظت کرنا۔

سن لو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ یہ باتیں دوسروں تک پہونچا دیں، جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

پھر آپ نے مجمع عام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، کیا میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہونچا دیا؟ سب نے بیک زبان کہا آپ نے اللہ کا پیام ہم تک پہونچا دیا۔

پھر آپ نے شہادت کی انگلی اوپر اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا۔

ظہر وعصر کی جمع تقدیم :

اس عظیم خطاب کے بعد حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم ہوا، بعد اذان آپ نے ظہر کی نماز اگرچہ دن جمعہ کا تھا، قصر ادا فرمائی، پھر اقامت کہی گئی، اور عصر کی نماز قصر ادا فرمائی، دونوں نمازیں ظہر کے وقت میں جمع تقدیم کرتے ہوئے ادا فرمائیں۔

عرفات کی دعا :

نماز سے فراغت کے بعد موقف میں تشریف لائے، اونٹنی کا رخ صخرات (چٹانوں) کی طرف کیا، جبل المشاۃ کے سامنے قبلہ رو اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں آہ وزاری سے دعا فرمائی، سینہ تک ہاتھ اٹھے ہوئے تھے، اور بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کر رہے تھے :

''اے اللہ! تو میری بات سن رہا ہے، مجھے دیکھ رہا ہے، میرا ڈھکا چھپا تیرے سامنے ہے، کوئی

بات تجھ پر مخفی نہیں، میں مسکین وفقیر ہوں، مدد و پناہ کا طلبگار ہوں، خوفزدہ اورلرزہ براندام ہوں، اپنے گناہوں کا معترف ہوں، بھکاریوں کی طرح تجھ سے مانگ رہا ہوں، گناہگار اور حقیر انسان کی طرح تیرے حضور گڑگڑا رہا ہوں، سہمے ہوئے نابینا کی طرح دست سوال دراز کررہا ہوں، جس کی گردن جھکی ہوئی ہے، آنکھیں رورہی ہیں، جسم بے کسی کی تصویر ہے، جس کی ناک تیرے حضور زمین سے رگڑ رہی ہے، اے اللہ! مجھے میرے سوال میں محروم نہ فرما، مجھ پر شفقت وکرم فرما، اے بہترین مالک اور عطا فرمانے والے۔

تکمیل دین کا انعام عظیم :

اس وقت یہ آیت کریمہ انعامات کی بارش لے کر نازل ہوئی: {اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا} (سورۃ المائد:۳) ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین (نظام حیات) کو مکمل کردیا، اور میں نے اپنے انعامات تم پر تمام کردیئے، اور تمہارے لئے اسلام کو بطور طریقہ زندگی کے پسند کرلیا۔''

سورج غروب ہوگیا، اب مزدلفہ کے لئے روانہ ہوئے، اونٹنی پر پیچھے اسامہ بن زید کو بٹھایا، اونٹنی کی مہار کھنچی ہوئی تھی کہ اس کا سر کجاوے سے لگ رہا تھا، اور لوگوں سے فرمارہے تھے کہ سکون سے ساتھ چلو، لبیک کی صداؤں سے میدان گونج رہے تھے۔

مزدلفہ کی نمازیں اور رات کی رمی :

مزدلفہ پہونچ کر کجاوے کھولنے سے پہلے اذان کا حکم ہوا، مغرب ادا فرمائی پھر کجاوے کھولے گئے، اونٹ بٹھادیئے گئے پھر اقامت ہوئی اور عشاء کی نماز پڑھائی، اس کے بعد آرام فرمایا، اس رات تہجد کے لئے نہیں اٹھے، رات میں گھر والوں میں سے کمزوروں کو اجازت دے دی تھی کہ وہ رمی کرلیں، حضرت سودہؓ بھی انہیں میں تھیں، اور حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے بھی طلوع فجر سے پہلے رمی کرلی تھی۔

مزدلفہ سے کوچ اور رمی جمرہ :

صبح کی نماز کے لئے اٹھے، اول وقت نماز ادا فرمائی، پھر ''مشعر حرام'' کے پاس تشریف لائے اور دعا و گریہ وزاری اور تکبیر وتہلیل میں مشغول رہے، جب خوب روشنی پھیل گئ تو اونٹنی پر سوار ہوئے اور فضل بن عباس کو ساتھ بٹھایا، عبداللہ بن عباس کو حکم فرمایا کہ سات کنکریاں چن کر دیں، جب ''محسر'' کی وادی میں پہونچے ، جہاں ابرہہ کے لشکر پر عذاب آیا تھا، تو اونٹنی کو تیزی سے گذارا، منیٰ پہونچ کر سیدھے جمرۃ العقبہ گئے، سورج نکلنے کے بعد سواری پر کنکریاں ماریں اور تلبیہ کا سلسلہ بند فرمایا، اس کے بعد منیٰ تشریف لائے۔

حج کا دوسرا خطبہ :

ظہر سے پہلے آپ کا دوسرا عظیم خطبہ ہوا، جس میں آپ نے پہلے لوگوں کو پوری طرح متوجہ کرنے اور بات کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے یہ سوالات کیے:

آج کون سا دن ہے؟ یہ کونسا شہر ہے؟ یہ کون سا مہینہ ہے؟ ظاہر ہے کہ ان کے جوابات سب جانتے تھے، لیکن سکتہ میں تھے، کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، فرمایا کہ کیا آج یوم النحر (قربانی کا دن) نہیں، کیا یہ محترم شہر نہیں ہے، کیا ماہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ سب نے جب اقرار کیا تو فرمایا تمہاری جانیں، تمہارے مال اور تمہای آبروئیں اسی طرح محترم ہیں، جس طرح یہ دن یہ مہینہ اور یہ شہر محترم، میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگو، لوگو! آج زمانہ گردش کرتے کرتے اپنی جگہ پر آ گیا ہے تاریخیں پھر درست ہوگئیں، سال کے بارہ مہینے ہیں، اور چار مہینے محترم ہیں۔

اور فرمایا: اپنے رب کی بندگی کرتے رہنا، پانچ وقت کی نمازیں ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، اور اپنے امیر کی اطاعت کرنا، تو تم جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔ فرمایا: کہ حج کے مناسک واعمال مجھ سے سیکھو، اور میرا اتباع کرو۔

الوداعی حج :

اس کے بعد آپ لوگوں سے رخصت ہوئے، حضرت علیؓ سے آپ نے یہ بھی اس موقع پر فرمایا

تھا کہ یہ ہمارا آخری حج ہے، اب آئندہ سال اس کا موقعہ نہیں آئیگا، انہیں ارشادات ومواعظ اور الوداعی انداز تخاطب نے صحابہ کرام میں اس حج کو ''حجۃ الوداع'' کے نام سے مشہور کر دیا۔

۶۳/ اونٹوں کی قربانی :

اس کے بعد آپ قربان گاہ تشریف لے گئے جہاں اپنے دست مبارک سے سات اونٹ ذبح کئے پھر ۵۶/ اونٹ حضرت علی کے ساتھ مل کر قربان کئے، کل ۶۳/ اونٹ آپ نے اپنی عمر شریف کے ہر سال کی ایک قربانی کے طور پر ذبح کئے، پھر ۱۰۰/ میں بقیہ ۳۷/ کی قربانی حضرت علیؓ نے کی۔

مبارک بالوں اور ناخنوں کی تقسیم :

اس کے بعد حضرت معمر بن عبداللہ عدوی حجام کو بال منڈوانے کے لئے بلوایا، دائیں طرف کے بال حاضرین میں تقسیم فرما دیئے، اور بائیں طرف کے بال حضرت ابوطلحہؓ کو دے دیئے، انھوں نے بھی ایک ایک دو دو تقسیم کئے اور اپنے پاس رکھ لئے، ناخن ترشوائے اور وہ بھی تقسیم کر دیئے۔

طواف افاضۃ :

اس سب سے فارغ ہو کر سواری پر مکہ مکرمہ تشریف لائے، اور حج کا طواف فرمایا، جسے طواف افاضہ اور طواف زیارت بھی کہتے ہیں، پھر زمزم کے کنویں پر تشریف لے گئے اور کھڑے ہو کر زمزم پیا، ظہر کی نماز مسجد حرام ہی میں ادا فرمائی۔

۱۱، ۱۲، ۱۳/ کی رمی :

نماز ظہر کے بعد منیٰ واپس تشریف لائے، دسویں تاریخ سنیچر کا دن تھا، ۱۱/ ذی الحجہ اتوار، اور ۱۲/ ذی الحجہ دوشنبہ کو تینوں جمرات پر بعد زوال کنکریاں ماریں، جمرۃ الاولیٰ اور جمرۃ الوسطیٰ پر کنکریاں مارنے کے بعد قبلہ رخ کھڑے ہو کر دیر تک دعائیں مانگیں، اتنی دیر تک کہ اس میں سورۂ بقرۃ پڑھ لی جائے، لیکن جمرۃ العقبہ پر کنکریاں مار کر واپس تشریف لائے۔

منیٰ سے روانگی اور ابطح میں ایک روزہ قیام :

۱۳/ ذی الحجہ بروز منگل زوال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے روانہ ہوئے، رمی سے

فارغ ہونے کے بعد ''محصّب'' نامی جگہ پر تشریف لائے، جسے ابطح اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں، یہیں پر قریش کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ بنو ہاشم کے بائیکاٹ کا معاہدہ کیا تھا، یہاں حضرت ابورافع نے قیام کے لئے خیمے لگوا دیئے تھے، ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں یہیں ادا کی گئیں، اور وقت سحر اٹھ کر مکہ تشریف لائے، اور طواف وداع فرمایا، ملتزم پر دعائیں کہیں، زمزم کے کنویں سے ڈول کھینچ کر پانی لیا، نوش فرمایا، اور بقیہ پانی کنویں میں ڈال دیا۔

مدینہ منورہ روانگی :

اب کوچ کا اعلان ہوگیا، ۱۴ رذی الحجہ بدھ کے دن صبح سویرے سورج نکلنے سے پہلے مکہ مکرمہ سے مدینہ کے لئے روانگی ہوئی، آپ فراق مکہ میں مغموم اور آبدیدہ تھے، یہ اپنے محبوب وطن سے اب ہمیشہ کی جدائی تھی، واپسی کے لئے نشیبی راستہ اختیار فرمایا، ''ذی طوی'' پر پڑاؤ ڈالا، رات وہیں گذاری، اور پھر جمعرات کی صبح وہاں سے روانہ ہوئے، یہیں سے مختلف مقامات سے آنے والے حجاج رخصت ہوکر اپنے وطن کی طرف روانہ ہوگئے۔

''غدیر خم'' پر خطاب :

حجفہ سے تین میل کے فاصلے پر جب غدیر خم پہونچنا ہوا، تو بعد از نماز ظہر ایک تقریر ارشاد فرمائی، ارشاد فرمایا :

اے لوگو! میں ایک بشر ہوں، قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد پیام لے کر آئے اور میں لبیک کہوں، میں تمہارے درمیان دو بھاری ذمہ داریاں چھوڑ رہا ہوں، اگر تم نے ان کو مضبوطی سے تھاما، تو تم گمراہ نہیں ہوگے، ایک کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لو، اور دوسرے میرے اہلبیت ہیں، اور پھر مکرر سہ کرر فرمایا: میں تمہیں اپنے اہلبیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ (صحیح مسلم)

پھر فرمایا کہ میں اہل ایمان کے نزدیک ان کی جانوں سے بڑھ کر ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ میں ہر مومن کی اپنی ذات سے زیادہ اسے محبوب ہوں، سب نے عرض کیا کیوں نہیں۔ تب ارشاد فرمایا:

میں جس کا ولی ہوں (ذمہ دار ہوں) علی اس کے ولی ہیں، اور فرمایا: ''جسے رسول سے محبت اسے علی سے محبت ہے''۔

اے اللہ جس کا مجھ سے تعلق، اس کا علی سے تعلق، اے اللہ تو اس سے محبت فرما، جو علی سے محبت کرے، اور اس سے دشمنی فرما جو علی کا دشمن ہو، حضرت علی کے بارے میں یمن میں حضرت بریدہ کو بدگمانی کی بنا پر نفرت ہوگئی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تو تنبیہ فرما دی تھی، لیکن عمومی اعلان فرمانا بھی ضروری سمجھا، اس کے بعد حضرت عمر نے حضرت علی سے کہا مبارک ہو علی تم کو مبارک! تم آج سے ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت کے ولی و محبوب قرار پائے، (امام احمدؒ کا کہنا ہے کہ تیس صحابہ سے یہ روایت حضرت علی کے بارے میں منقول ہے)

داخلہ مدینہ کے وقت زبان پر کلمات :

اندازہ یہ ہے کہ یہ سفر ایک ہفتہ میں مکمل ہوا ہوگا، اور ۲۱/ذی الحجہ چہارشنبہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ پہونچے، ایک شب ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا، پھر مدینہ منورہ داخلہ ہوا، زبان مبارک یوں گویا تھی :

''لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيئ قدير، آيبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون، صدق الله وعده، ونصر عبده، وهزم الأحزاب وحده''

''اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی ہے بادشاہت، اور حمد وثنا، وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹنے والے، رجوع کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب کی حمد وثنا کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام جتھوں کو شکست دی۔

تکمیل دین کی توضیحات :

ماہ ذی الحجہ کے دوعشرے سے زیادہ گذر چکے تھے، جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے، اب حیات طیبہ کے گویا ڈھائی مہینے باقی تھے، تعلیمات اسلامی کی تکمیل ہورہی تھی، عرفات کے میدان میں جس تکمیل دین کا اعلان ہوا تھا، اس کی تشریح میں رات ودن گذر رہے تھے۔

ایمان، اسلام اور احسان :

ایک دن مسجد میں تشریف فرماتھے کہ جبرئیل امین ایک اجنبی کی شکل میں آئے، زانو سے زانو لگا کر بیٹھ گئے، لوگوں کو سخت حیرت تھی، کہ آنے والے یقیناً باہر کے تھے، کبھی لوگوں نے ان کو اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا، لیکن ان کی ہیئت ایسی تھی کہ گویا غسل خانہ سے نہا دھوکر اور صاف وشفاف کپڑے پہن کر آرہے تھے، سفر کا کوئی اثر نہ جسم پر تھا نہ کپڑوں پر، اور بے تکلفی کی مجلس اور سوالات بھی اس طرح گویا کہ کوئی ممتحن ہے۔

محمد بتایئے ایمان کسے کہتے ہیں؟ بتایئے اسلام کسے کہتے ہیں؟ احسان کسے کہتے ہیں؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہر سوال کا واضح جواب اور ان کا اس پر تبصرہ کہ ٹھیک کہا، پھر یہ سوال کہ قیامت کب آئے گی، جواب یہ کہ سائل ومسئول دونوں لاعلمی میں برابر، پوچھا علامتیں اس کی کیا ہیں، فرمایا کہ لڑکے اور لڑکیاں ماں باپ کے نافرمان ہوجائیں گے، ان کے ساتھ نوکرنوکرانیوں کا سلوک کریں گے، اور پھکڑ اور غیر معیاری لوگ جن کے پیر میں نہ جوتے نہ تن پر کپڑے اونچی اونچی بلڈگوں کی تعمیر میں مقابلہ کریں گے۔

پھر جب وہ صاحب اٹھے اور چلے گئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے، یہ آخری دنوں کی بات ہے۔

بیس دن کا اعتکاف اور قرآن کے دو دور :

ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، ایک سال اعتکاف رہ گیا تھا، تو ۱۰ھ کے رمضان میں بیس دن کا اعتکاف فرمایا، حضرت جبرئیل کے ساتھ رمضان المبارک میں قرآن پاک کا دور ہوتا تھا، آخری رمضان میں دو دور ہوئے۔

شہدائے احد کی زیارت اور الوداعی تقریر :

ایک دن احد کے شہداء کی قبروں کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، اور ان کے حق میں اس طرح دعائیں کیں گویا کہ بس اب آخری زیارت ہے، اور رخصت فرمارہے ہیں پھر منبر پر ایک تقریر فرمائی، جس میں ارشاد فرمایا:

لوگو! میں تم سے پہلے جارہا ہوں میں تمہارا گواہ ہوں، تم سے میری ملاقات حوض پر ہوگی، میں اسے اپنی اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں، مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں، مجھے اپنے بعد تم پر شرک کا خطرہ نہیں ہے، لیکن یہ ڈر لگا ہے کہ کہیں تم دنیا کی ریس میں نہ لگ جاؤ، اور ماضی کی قوموں کی طرح اپنی ہلاکت کا سامان کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ وملفوظات میں حج اکبر کے ایام سے ہی الوداعی رنگ صاف جھلک رہا تھا، ذہنوں کو اس عظیم حادثہ کے لئے تیار کیا جارہا تھا، جو بہر حال پیش آنا تھا۔

مرض الوفات کی ابتدا :

۱۱ھ کا محرم انہی تربیتی واصلاحی ہدایات میں گذرا، ماہ صفر چل رہا تھا، ہر دن اب آخرت کی تیاری میں گذر رہا تھا، صفر کی آخری تاریخیں تھیں، دوشنبہ کا دن تھا، غالباً صفر کی ۲۸/ یا ۲۹/ تاریخ تھی، کہ ایک صحابی کے جنازہ کی نماز پڑھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بقیع تک ان کی تدفین کے سلسلہ میں گئے، سر میں درد تھا، واپس آئے، حضرت عائشہؓ کے گھر میں داخل ہوئے، انھوں نے اپنے درد سر کا تذکرہ کیا، تو آپ نے اپنے درد سر کی شکایت کی، تکلیف حضرت میمونہؓ کے گھر سے شروع ہوچکی تھی، حضرت عائشہؓ کے ہاں شدت اختیار کرگئی، لیکن آپ معمولات پورے کرتے رہے، بیماری بتدریج بڑھتی رہی، مجموعی طور پر بیماری ۱۳-۱۴/ دن رہی۔

لشکر اسامہ کی روانگی کا حکم :

ابن سعد، قسطلانی اور زرقانی نے لکھا ہے کہ ۲۶/ صفر ۱۱ھ دوشنبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کی قیادت میں رومیوں کے خلاف جنگ کرنے حکم دیا، اور حضرت اسامہؓ سے کہا جاؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، رومیوں کو روند دو، اپنے باپ کا انتقام لو۔

اسامہ قیادت کے اہل ہیں اور مجھے محبوب ہیں :

لیکن تمام روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ربیع الاول کا پہلا دوشنبہ تھا، ربیع الاول کی ۵/تاریخ تھی، آپ نے فرمایا کہ بلقاء اور داروم میں رومیوں کو گھوڑوں سے روند دینا، یہ وہی جگہ تھی جہاں موتہ کا محاذ گرم ہوا تھا، اور حضرت زید وجعفر وعبداللہ بن رواحہ شہید ہوئے تھے، حضرت اسامہ کی عمر ۱۸- یا ۲۰/سال تھی، اور کبار صحابہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت ابوعبیدہ کو ساتھ جانے کا حکم تھا، اور بعجلت کاروائی کا تقاضہ تھا، لیکن اسی دن مرض میں شدت پیدا ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر منتقل ہو گئے، کہ تیمارداری اور علاج وہیں ہو، لوگوں میں حضرت اسامہ کی کم عمری پر کچھ چہ میگوئیاں ہوئیں تو جمعرات کے دن چاشت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قلم اور کاغذ لاؤ تاکہ میں تحریر لکھوا دوں یعنی وصیت کر دوں تاکہ تم لوگ ادھر ادھر نہ بھٹکو، اس پر حضرت عمر نے کہہ دیا کہ حضور سخت بیماری میں ہیں، آپ کو تکلیف نہ دی جائے، دیگر صحابہ اس پر معترض ہوئے، بات اتنی بڑھی کہ آوازیں بلند ہو گئیں، اور جھگڑا ہونے لگا، ظاہر ہے کہ یہ بالکل غلط عمل تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہو گئے، اور فرمایا میرے پاس سے جاؤ، نبی کے پاس جھگڑا نہیں ہونا چاہئے، اس کے بعد ظہر کے وقت آپ نے فیصلہ فرمایا کہ نماز مسجد میں پڑھیں گے، اور خطاب کریں گے، ظہر کے بعد آپ نے مسجد میں تقریر فرمائی جس میں معترضین پر اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا، اور حضرت زید بن حارثہ اور ان کے صاحبزادے سے اپنی محبت اور ان کی اہلیت کا تذکرہ فرمایا۔

ابوبکر خلیل ہیں اور امام :

حضرت ابوبکر صدیق کے خلیل ہونے کا تذکرہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ مسجد کے اندر کھلنے والی تمام کھڑکیاں سوائے ابوبکر کی کھڑکی کے بند کر دی جائیں، یہ اشارہ گویا ان کی امامت اور خلافت کی طرف تھا، حضرت علیؓ کا دروازہ کیونکہ صرف مسجد کی طرف ہی تھا، اس بنا پر ان کے لئے بھی مسجد میں دروازہ کی اجازت رہی، اور پھر آپ نے بتاکید اسامہ بن زید کے لشکر کی روانگی پر زور دیا، اور یہ کہ ابوبکر وعمر وابوعبیدہ بھی ان کے ساتھ ان کی قیادت میں جائیں گے، اپنی خلافت کے مسئلہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت اختیار فرمایا، کہ اب مسلمان خود ہی طے کریں گے۔

جیش اسامہ بن زید

وفات کی تیاری :

اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو اختیار دیا، اس نے اسی چیز کو اختیار کرلیا جو خدا کے پاس ہے، حضرت ابوبکر پر یہ سن کر گریہ طاری ہوگیا، وہ صاف سمجھ گئے کہ آخرت کو اختیار کرنے کا ذکر فرمایا جارہا ہے، نبی کو وفات سے پہلے اختیار دیا جاتا ہے اور ان سے استمزاج کرلیا جاتا ہے۔

انصار کی تعریف :

اسی خطاب میں انصار کا خیال رکھنے کا حکم فرمایا اور ان کی نصرت کی تعریف کی، اور یہ بھی فرمایا کہ تم میری موت سے گھبراتے ہو، تمام انبیاء آئے اور رخصت ہوئے، میں بھی خدا سے ملنے والا ہوں اور تم بھی، اس کے بعد سورۃ العصر کی تلاوت فرمائی۔

حضرت فاطمہؓ سے سرگوشی :

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ بیماری کے دوران غالباً جمعرات یا جمعہ کا دن ہوگا، حضرت فاطمہ آئیں ان کی چال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا مرحبا، اپنے دائیں یا بائیں جانب بٹھایا، پھر ان سے سرگوشی کے انداز میں کچھ کہا وہ رودیں، پھر کچھ فرمایا جس پر وہ مسکرائیں، حضرت عائشہؓ نے ان سے وجہ رونے اور ہنسنے کی دریافت کی تو انھوں نے بتایا کہ مجھے یہ اطلاع دی کہ اسی مرض میں میری رحلت ہونے والی ہے، جس سے میں رو پڑی، تو فرمایا کہ تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی اس پر مجھے مسرت ہوئی۔

گھر میں دولت نہ رہے :

اس مرض کے دوران حضرت عائشہ کے یہاں سات دینار تھے، فرمایا کہ محمد کا کیا حال ہوگا، اگر وہ اپنے رب سے اس حال میں ملے کہ اس کے پاس یہ مال وزر ہو، فوراً انہیں تقسیم کردو۔

لاؤ وصیت لکھ دوں :

اوپر حضرت اسامہ کی قیادت کے سلسلہ میں گذر چکا ہے کہ جمعرات کے دن آپ نے خطاب فرمایا، یہی جمعرات کا دن تھا، جس کو یاد کرکے حضرت ابن عباس رویا کرتے تھے، اس دن شدید بیماری کی

حالت میں ذمہ دار صحابہ کو طلب فرمایا، اور فرمایا لاؤ کاغذ قلم میں وصیت لکھ دوں، لیکن شدت مرض کو دیکھتے ہوئے، حضرت عمر نے لوگوں کو سمجھایا کہ، حضور سخت تکلیف میں ہیں، ہم لوگوں کو نہیں چاہئے کہ آپ کو تکلیف دیں، قرآن ہمارے لئے کافی ہی ہے، اس پر اعتراض، جواب اور جواب الجواب ایسا ہونے لگا اور نوبت جھگڑے کی آ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ناگوار گزرا، اور فرمایا اچھا میرے پاس سے جاؤ نبی کے پاس جھگڑا نہیں ہونا چاہئے۔

امامت صدیقی :

۸؍ربیع الاول جمعرات کو آپ نے جو خطاب فرمایا وہ بیماری کی شدت کے دوران تھا، سات ربیع الاول بدھ کا دن گزار کر، عشاء کی نماز کے لئے، کئی مرتبہ پورے بدن پر مشکیزوں سے پانی ڈلوا کر اٹھنے کی کوشش کی، لیکن بار بار غشی طاری ہوئی، لوگ مسجد میں عشاء کی نماز کے لئے منتظر تھے، فرمایا کہ ابوبکر سے کہہ دو کہ نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابوبکر بہت رقیق القلب ہیں، اُنکے لئے نماز پڑھانا مشکل ہوگا، کسی اور سے فرمادیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم ان عورتوں کی طرح ہو جو یوسف الصدیق کو بہکانا چاہتی تھیں، ادھر حضرت عمر کو لوگوں نے امامت کے لئے بڑھا دیا، ان کی تکبیر کی آواز جیسے ہی کان میں پڑی، جوش میں آ گئے فرمایا نہیں نہیں، ابوبکر سے کہو وہی نماز پڑھائیں گے، اللہ ورسول ابوبکر کے علاوہ کسی اور کے لئے تیار نہیں، آخر ان کو امامت کے لئے آگے بڑھایا گیا، اس طرح شب جمعرات ۸؍ربیع الاول عشاء کی نماز سے دوشنبہ کی نماز فجر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کے دوران حضرت ابوبکر الصدیق نے ۲۱؍نمازوں کی امامت فرمائی۔

حضور امام اور ابوبکر مکبّر :

جمعرات کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کے وقت دو شخصوں کے سہارے مسجد پہنچے تھے، حضرت صدیق کے بائیں جانب بیٹھ کر نماز ادا فرمائی، آپ کی آمد پر آپ امام ہو گئے، اور ابوبکر صدیق تکبیر کے الفاظ بآواز بلند ادا کر رہے تھے، ان کی حیثیت اس وقت مکبّر کی تھی۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کی تاکید:

جمعرات ۸؍ربیع الاول ہی کو قرین قیاس یہ ہے کہ ظہر کی نماز کے بعد کے خطاب سے فارغ ہو کر آپ نے حضرت اسامہ کو طلب فرمایا اور اپنے دست مبارک سے انہیں علم دیا اور جہاد کی تاکید فرمائی اور بڑی تاکید و اصرار سے جلد از جلد مہم پر جانے کا حکم فرمایا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری سے پریشان، فکر مند اور مغموم تھے، حکم نبوی کی اطاعت میں مدینہ منورہ سے فوج لے کر حضرت اسامہ ۳؍میل کی دوری پر مقام ''جرف'' میں خیمہ زن ہوئے، لیکن جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی، ہر گھڑی یہ دھڑکا لگا تھا، کہ کہیں وہ آخری گھڑی نہ آ جائے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت بریدہ بن الحصیب الاسلمی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دیا، شروع میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض کی ابتداء میں رومیوں کے خلاف جہاد کا حکم فرمایا تھا، تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کو بھی جانے کا حکم تھا، لیکن بدھ کے روز بیماری کی شدت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم ہوا، شاید ان کو سفر سے مستثنیٰ فرما دیا، اور سات سو فوجیوں کی قیادت سونپ کر جمعرات کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بتاکید روانہ فرمایا۔

ساعت نزع حضرت اسامہ کی حاضری:

اتوار کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پھر رخصتی ملاقات کے لئے آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے ہوش تھے، ہوش آیا تو فرما رہے تھے ''اسامہ کی فوج کو روانہ کرو'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو کچھ بول نہ سکے، لیکن ہاتھ اوپر اٹھاتے پھر اسامہ رضی اللہ عنہ پر رکھتے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ ہمارے لئے دعا فرما رہے ہیں، دوشنبہ کے دن صبح پھر آئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت بہتر دیکھی جا کر فوج کو تیاری کا حکم دیا، تیاریاں چل ہی رہی تھیں کہ ان کی والدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کا قاصد پہنچا کہ جلدی آؤ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری حالت ہے، وہ لپک کر حاضر ہوئے، آخر وہ ساعت آ ہی گئی، پھر اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا پہلا لشکر تھا جو اپنی مہم پر روانہ ہوا۔

دوا کا اصرار:

۱۱؍ربیع الاول اتوار کے دن مرض کی شدت بہت بڑھ گئی تھی، سمجھا گیا کہ نمونیا کا اثر ہے،

حضرت ام سلمہ اور اسماء بنت عمیس وغیرہ کے مشورہ سے عود ہندی زیتون کے تیل میں حل کر کے منہ میں باوجود حضور کی ممانعت کے ٹپکایا گیا، یہ سمجھا گیا کہ حضور دوا کی کڑواہٹ کی وجہ سے پسند نہیں فرما رہے ہیں، بعد میں آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد ہوا: ''جو جو مجھے دوا پلانے یا پلوانے میں شریک تھا اس کے منہ میں بھی یہ دوا ڈالی جائے''

نماز فجر کا آخری دیدار :

۱۲/ربیع الاول دوشنبہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دروازہ کا پردہ ہٹا کر نمازیوں پر اپنے گھر سے ایک نگاہ ڈالی، حضرت ابوبکر کی نگاہ پڑی تو پیچھے ہٹنے لگے، اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہو، صحابہ کرام شوق و وارفتگی میں لگتا تھا کہ نماز توڑ دیں گے، اور آنکھ بھر کر روئے انور کو دیکھ لیں گے، لیکن پردہ پھر ڈال دیا گیا۔

آخری مسواک اور ارتحال :

نماز بعد حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر گھر آئے، ہاتھ میں مسواک تھی، حضور کی نظریں مسواک پر جم گئیں، حضرت عائشہ سمجھ گئیں کہ مسواک فرمانا چاہتے ہیں، عبدالرحمن سے مسواک لے کر اسکو چبا کر خوب نرم کر کے خدمت میں پیش کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اہتمام سے مسواک فرمائی، حضرت عائشہ سر مبارک کو سہارے سے اٹھائے سینہ سے لگائے تھیں، انگلی اٹھا کر فرمایا :

"فی الرفیق الاعلی"

سب سے بلند رفقاء کے ساتھ، پھر ہاتھ گر گیا، اس وقت زوال کا وقت ہو چکا تھا۔

رحمۃ للعالمین، ختم المرسلین دنیا سے رخصت ہو گئے۔

آخری وصیتیں :

آخری وصیتیں یہ تھیں، جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کو نکال دو، خدا کی لعنت ہو یہودیوں اور نصرانیوں پر جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا، اے مسلمانو! تم میری قبر کو سجدہ گاہ اور جشن گاہ مت بنانا، فرمایا: نماز کا اہتمام کرو، غلاموں اور باندیوں کا خیال رکھنا، آنے والی جماعتوں اور وفود کا

اکرام کرنا، اور انہیں ہدایا وتحائف بھی دینا۔

زہر کا اثر :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت فرمایا تھا کہ یہودی عورت زینب نے جو زہر دیا تھا اس کے اثر سے میرے دل کی رگ کٹ گئی، جسم شدت مرض سے ایسا تپ رہا تھا کہ کمبل جلنے لگتا تھا، پانی کے پیالہ میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرہ پر ملتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ کا کہنا ہے کہ حضور کی شدت مرض دیکھنے کے بعد اب میرے نزدیک یہ بات قابل رشک نہیں رہ گئی کہ موت ہلکی اور بے تکلیف ہو۔

فیروز کامیاب ہو گیا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں، اسود عنسی نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک دن پہلے اسود عنسی کے مارے جانے کی خبر آئی، اور یہ کہ فیروز نے اُسے مارا، فرمایا: ''فاز فیروز'' فیروز کامیاب ہو گیا۔

منتہائے زہد:

وفات سے ایک دن قبل چالیس غلاموں کو آزاد فرمایا۔

سرورِ کونین کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ گھر میں نہ دینار تھا نہ درہم تھا۔ نہ غلام نہ باندی، ایک سفید خچر، اور کچھ ہتھیار تھے، اور زمین تھی جو صدقہ فرما دی گئی، ایک زرہ، تین صاع جو کے عوض ایک یہودی کے ہاں رہن رکھی تھی، گھر میں چراغ کا تیل بھی پڑوسن سے لیا گیا تھا۔

دنیا تاریک ہو گئی :

جس دن نبوت کا سورج غروب ہوا، حضرت انس اور حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ ہر چیز لگتا تھا کہ تاریک ہو گئی، جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو ہر چیز منور ہو گئی تھی۔

پاکیزہ موت :

ابو بکر الصدیق دوشنبہ کے دن فجر کی نماز کے بعد عیادت کے لئے گھر تشریف لائے، طبیعت اچھی

دیکھی اجازت لے کر اپنے مکان "سنح" میں آ گئے، جو میل کی دوری پر عوالی میں تھا، انتقال کی اطلاع ملتے ہی بھاگتے ہوئے پہونچے، گھر میں داخل ہوئے، پیشانی کو چوما، اور فرمایا آپ کی حیات بھی پاکیزہ اور موت بھی پاکیزہ، جو موت طے تھی سو آ گئی، اب کوئی موت نہیں آئیگی، پھر چادر چہرہ انور پر ڈال دی۔

حضرت ابوبکر کی تقریر:

گھر سے باہر نکلے، اداس اور نڈھال مجمع دیکھا، دوسری طرف عمر کو حواس باختہ، موت نبوی کا انکار کرتے ہوئے پایا، جوش میں وہ کہہ رہے تھے، جو کہے گا کہ نبی کو موت آ گئی اسکی گردن ہوگی، میری تلوار، حضرت ابوبکر الصدیق نے ان کو خاموش کرنا چاہا، جب نہ چپ ہوئے، تو حضرت ابکر نے لوگوں سے خطاب فرمانا شروع کیا۔

لوگو! جو محمد کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محمد انتقال فرما گئے، اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے اسے جان لینا چاہئے کہ اللہ حی وقیوم ہے، اللہ کا ارشاد ہے :

"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ"۔ (سورۃ آل عمران : ۱۴۴)

"اور محمد ایک پیغمبر ہیں، ان سے پہلے بہت سے پیغمبر گذر چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے، یا وہ شہید کر دیئے جائیں، تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے، اور جو بھی پیچھے پلٹے گا، وہ ہرگز اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو بہترین بدلہ دے گا"۔

عمر کا احساس :

لوگوں کی بھیڑ ابوبکر الصدیق کے ارد گرد اکھٹا ہوتی گئی، اور وہ حقیقت سے پردہ اٹھاتے گئے، اور لوگوں کو امر واقعہ سے اور اس بڑی ذمہ داری سے آگاہ فرماتے گئے۔ جو اللہ کی عبدیت و بندگی اور نبی کی نیابت و نمائندگی کی ذمہ داری ہے، اس آیت کریمہ کا سننا تھا کہ حضرت عمر کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی، ایسا ذہول تھا، اور حادثہ کا ایسا اثر تھا کہ ہوش و حواس قابو میں نہ تھے، لیکن اب ابوبکر صدیق

کی زبان سے ان آیات کی جب یاد دہانی ہوئی، جو امر واقعہ کی پیشگی ترجمانی کے لئے اتری تھیں، اور یہ واضح کر چکی تھیں کہ یہ واقعہ پیش آنا ہے، اور سخت مرحلہ سے امت کو گزرنا ہے، اور اس کے مابعد کی ذمہ داریاں نباہنا ہیں، تو ان کے پیروں کی طاقت جواب دے گئی، پیر لرز گئے اور وہ بیٹھ گئے۔

اہل بیت خواتین کا صبر :

ظاہر ہے کہ جب باہمت و باحوصلہ اور قوی و توانا مردوں کا یہ حال تھا تو گھر پر عورتوں اور امت کی دیگر خواتین کا کیا حال ہوگا، لیکن تربیت نبوی نے انہیں ایسے سانچے میں ڈھال دیا تھا، کہ کیا مجال کہ کوئی شور مچے، یا آوازیں بلند ہوں، یا جاہلیت کے جذبات زور پکڑیں، اور عود کر آئیں، بلکہ ایسا لگتا تھا کہ بڑے بڑے جوانمردوں سے زیادہ باہمت اور صبر کرنے والی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی خواتین تھیں، جو دو ہفتوں سے مسلسل علاج و معالجہ میں لگی ہوئی تھیں، اور صبر کے ہر امتحان سے گذر چکی تھیں۔

خلافت کے بارے میں یکطرفہ میٹنگ :

مسجد نبوی میں بھیڑ لگی ہوئی تھی، ظہر کی نماز ہوئی، انتظامات کے بارے میں غور و فکر ہو رہا تھا کہ یہ خبر ملی کہ انصار مدینہ کے ''ٹاؤن ہال'' (سقیفہ بنی ساعدہ) میں حضرت سعد بن عبادۃ کی سرکردگی میں میٹنگ کر رہے ہیں، اور یہ طے ہو رہا ہے کہ امارت سعد بن عبادۃ کے سپرد کی جائے، یہ سردار خزرج تھے، قبیلہ اوس کے مشہور و مقبول زعیم حضرت سعد بن معاذ جنگ بنی قریظہ کے بعد انتقال فرما گئے تھے، اسلئے قبیلہ خزرج کے لئے میدان خالی تھا، لیکن یہ ایک سنگین نظریاتی غلطی ہو رہی تھی، مدینہ منورہ میں اور اوس وخزرج کے قبائل میں حضرت سعد بن عبادۃ کا جو بھی مقام ہو، پورے جزیرۃ العرب میں بحیثیت خلیفہ ان کے تسلیم کئے جانے کا کوئی سوال نہ تھا، اگر انہیں امیر مان لیا جاتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ہر علاقہ، اور ہر قبیلہ اپنا امیر الگ طے کرے۔

قریش کی قائدانہ حیثیت :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اہم ترین مسئلہ کو تشنہ نہیں چھوڑا تھا، آپ نے یہ بات صاف الفاظ میں واضح فرمادی تھی کہ جزیرۃ العرب کے لئے امامت و خلافت و قیادت قریش کی ہی چل سکتی ہے، ایک

طویل قائدانہ پس منظر اسکے لئے ہزار دلیل رکھتا تھا، پورا ملک صدیوں سے قریش کی اس حیثیت واہمیت کو تسلیم کرتا آیا تھا، ہر جگہ ان کا احترام واکرام تھا۔

”لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ① اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ② فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ③ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④“ (سورۃ قریش)

میں ان کی اسی حیثیت کی طرف کعبہ کی عظیم نسبت کی بنیاد پر اشارہ کیا گیا ہے، اور یہی وجہ تھی کہ پورا ملک اسلام لانے کے لئے ان پر نگاہ لگائے تھا، کہ فتح مکہ ہوتو ہم سب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت مان لیں، لہٰذا جیسے ہی مکہ فتح ہوا، ”وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا“ (سورۃ النصر: ۲) کا منظر نگاہوں کے سامنے پھر گیا۔

ایک طرف یہ حدیث لوگوں کو معلوم تھی لیکن ہنگامی حالات نے ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کرنے کا موقعہ نہ چھوڑا۔

خلافت کی پیشین گوئیاں :

دوسری طرف متعدد موقعوں پر اور مختلف اسلوبوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر وعمر کی مرجعیت، اور اپنے بعد ان کی پیشوائی، ان کی اہلیت خلافت، اور ان کی اور عثمان وعلی کی خلافت کی ترتیب، زمانہ خلافت اور اسکے دور میں پیش آنے والے واقعات کی پیش گوئیاں بھی فرمادی تھیں لیکن وہ لوگوں کے درمیان معروف نہیں تھیں، اس لئے ان سے کوئی بھی استدلال نہ کرسکا۔

مسئلہ خلافت کی اہمیت :

مسئلہ خلافت کی شرعی اہمیت خود اسکی متقاضی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب پہلے سے طے کرلیا جائے، تاکہ اگلی تمام کارروائیاں اس کی رائے اور مشورے سے طے ہوں، اور کسی طرح کی انارکی اور انتشار نہ ہوسکے۔

الائمۃ من قریش کے معنی :

لیکن انصار کے ایک حلقہ کی ہنگامی اور عاجلانہ میٹنگ نے مسئلہ میں مزید عجلت پیدا کردی،

حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح وغیرہ اطلاع پاتے ہی میٹنگ ہال ''سقیفہ بنی ساعدہ'' پہونچے، انصار نے اپنا مدعا پیش کیا، حضرت ابوبکر نے معاملہ کی نزاکت واضح کی، اور قریش کی قیادت کی ضرورت بتائی، اور حدیث نبوی ''الائمہ من قریش'' کہ قائدین قریش کے ہوں''، پیش کی، جس میں یہ نقطۂ نظر ہرگز نہیں تھا کہ قریش نسبی طور پر تمام قبائل پر فائق ہیں اور رہیں گے، مساوات انسانی کی آیات واحادیث کے سراسر یہ خلاف ہے، اور واقعات کے بھی خلاف ہے، مطلب اس کا یہی تھا کہ ماضی کے پس منظر اور حال کے تناظر میں یہ ہدایت نبوی ہے، جس میں امن وامان، نظم وانتظام اور قوت واستحکام کی ضمانت ہے۔

دوہری قیادت درست نہیں :

انصار کی طرف سے دوہری امارت کا مسئلہ پیش کیا گیا، کہ انصار اور مہاجرین دونوں حلقوں سے ایک ایک امیر منتخب کرلیا جائے۔

یہ بات بھی اصول اسلامی کے خلاف تھی، اور انتظامی امور کی روح کے منافی، آخری رائے ایک اور فیصلہ کن ہونی چاہئے، اس میں ثنویت، دوئی، اور تردد کی کوئی گنجائش نہیں۔

ابوبکر الصدیق کی اوّلیت مسلم تھی :

بہر حال ہنگامہ خیز صورتحال میں حضرت عمر کی ذہانت، سیاسی بیدار مغزی اور فیصلہ کن صلاحیت نے کام کر دکھایا، انہوں نے ابوبکر صدیق کی طرف بیعت کا ہاتھ بڑھایا، یہ فی الحقیقت دلوں کی ترجمانی تھی، دلوں کی گہرائیوں میں یہ بات موجود تھی، مسلمان تو مسلمان کفار ومشرکین بھی سمجھتے تھے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر ہی ہیں، اسی لئے ابوسفیان نے احد کی جنگ کے اختتام پر تحقیق حال کیلئے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا تھا کہ وہ زندہ ہیں، یا نہیں، پھر ابوبکر کا نام لیا تھا، پھر عمر کا، روزمرہ کے معاملات کے دیکھنے اور برتنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی تھی۔

حضرت عمر کے بعد حضرت ابوعبیدہ نے، اور انصار میں سے حضرت بشیر بن سعد نے پہلے بیعت کی، پھر تو بیعت کا تانتا بندہ گیا، اور انصار کے دل کھل گئے، بغیر کسی مخالفت اور پارٹی بندی کے بالاتفاق یہ مرحلہ طے پا گیا۔

تجہیز و تکفین کی ذمہ داری :

تجہیز و تکفین اصلاً گھر والوں کی ذمہ داری تھی، ان میں حضرت عباس چچا تھے، اور حضرت علی داماد بھی اور مثل بیٹے کے، حضرت عثمان بھی داماد تھے، لیکن اس وقت ان کی زوجیت میں بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں تھیں۔

بغلی قبر :

چند مسائل زیر بحث تھے، نماز جنازہ کون پڑھائیگا اور کیسے ہوگی، تدفین کہاں ہوگی، قبر بغلی ہوگی یا سیدھی۔

حضرت ابوبکر صدیق نے یہ حدیث سنائی کہ نبی کی تدفین وہیں ہوتی ہے جہاں انتقال ہو، مسئلہ فیصل ہوگیا۔ قبر کھودنے کے لئے حضرت ابوطلحہ زید بن سہل حاضر ہوگئے، وہ بغلی قبر کھودتے تھے، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح سیدھی قبر کھودتے تھے، انہیں دیر لگی، سبقت واوّلیت کی بنیاد پر حضرت ابوطلحہ کے حق میں فیصلہ ہوا۔

غسل و تکفین :

غسل کپڑوں ہی میں دیا گیا، حضرت عباس، حضرت علی، حضرت فضل بن عباس، حضرت قثم بن عباس، حضرت اسامہ اور حضور کے آزاد کردہ غلام ''شقران'' شریک ہوئے، انصار میں سے حضرت اوس بن خولی کو پانی لانے کی ذمہ داری سونپی گئی، تین مرتبہ خالص پانی سے، پھر بیری کے پتوں اور کافور کے پانی سے غسل دیا گیا۔

غسل کے بعد کپڑے اتار کر ''سحول'' کے بنے ہوئے تین کپڑوں کا کفن دیا گیا۔

نماز جنازہ کا نظام و ترتیب :

منگل کے دن تجہیز سے فراغت کے بعد نماز جنازہ کا مسئلہ درپیش تھا، حضرت علی نے کہا کہ حضور زندگی میں تمہارے امام تھے، اور اب بھی تمہارے امام ہیں، لہٰذا کسی کی امامت کی ضرورت نہیں، یہ طے ہوا، کہ دس دس افراد گھر کی گنجائش کے اعتبار سے داخل ہوں اور نماز پڑھتے رہیں، اور نکلتے رہیں، پوچھا گیا کہ کیا پڑھیں، حضرت علی نے فرمایا، ''اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ'' (سورۃ الاحزاب

:۵٦) پڑھو، اور "لبيك اللهم ربنا و سعديك" پڑھو، حضرت ابوبکر سے جس نے دریافت کیا، انہوں نے فرمایا، تکبیر کہو، اور پھر دعا پڑھو، نماز کا سلسلہ دن سے جو شروع ہوا، تو ختم ہوتے ہوتے رات ہوگئی، پہلے گھر کے لوگوں نے نماز پڑھی، پھر دیگر تمام صحابہ نے بترتیب، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے۔

تدفین :

رات میں قبر تیار کی گئی، اور منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں تدفین عمل میں لائی گئی، قبر میں حضرت عباس، حضرت علی، اور حضرت قثم رضی اللہ عنہم اترے، قبر میں نو اینٹیں بچھائی گئیں، شقران نے قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دھاری دار سرخ چادر بچھا دی تھی، لیکن پھر اسکو ہٹا دیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کا غم :

حضرت ام سلمہ کے درد بھرے یہ جملے محفوظ ہیں :

"يالها من مصيبة، ما أصبنا بعدها بمصيبة
إلا هانت إذا ذكرنا مصيبتنا به"

ہائے ری وہ مصیبت، اسکے بعد ہر مصیبت ہلکی تھی جب بھی ہم اپنی اس مصیبت اور غم کو یاد کرتے تھے۔

حضرت فاطمہ نے تو اپنے کلیجہ کے درد کو حضرت انس سے یوں خطاب کرتے ہوئے ظاہر کر دیا ''تم لوگوں کو حضور پر مٹی ڈالتے اچھا لگا''؟؟۔ وہ خود جب قبر اطہر پر حاضر ہوئیں، تو اسکی مٹی اپنی آنکھوں سے لگا لی۔

اذان بلالی بند ہوگئی :

رات کسی طرح گذر گئی، فجر کی اذان کیلئے بلال کھڑے ہوئے، اور جب "أشهد ان محمد رسول الله" پر پہونچے، تو ضبط کا یارا نہ رہا، چیخ نکل گئی، گریہ بے قابو ہو گیا، اسکے بعد انہوں نے اذان کہنا بند کر دی، کہ اب میرے قابو سے باہر ہے۔

دورِ نبوت ختم ہو گیا :

تاریخ انسانی کا ایک نادر وشاہکار دور، جس کی نظیر چشم فلک نے نہیں دیکھی، ختم ہو گیا، وحی کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا، نبوت کا سورج تا ابد غروب ہو گیا، دنیا کی کتاب کا ایک نیا ورق کھول دیا گیا، اور گذشتہ صفحات ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے گئے۔

"إن الله وملائكته يصلون على النبى، يا إيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما"

"اللهم صل عليه وسلم وبارك كما صليت وباركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد"

"وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين"

نعت

ظفرعلی خاں (علیگ)

اے کہ ترا جمال ہے زینت محفلِ حیات		دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے حسن کی زکوۃ
تیری جبیں سے آشکار پرتو ذات کا فروغ		اور ترے کوچہ کا غبار سرمۂ چشم کائنات
بارگہ الست سے بخش دیئے گئے تجھے		سب ملکی تصرفات، سب فلکی تجلیات
چہرہ کشا کرم ترا، قاف تابہ قیرواں		لطف ترا کرشمہ سنج کعبہ سے تا بہ سومنات
تیرے سلام کے لئے گلشنِ قدس کے طیور		گھوم رہے ہیں ڈال ڈال، جھوم رہے ہیں پات پات
دیکھتے ہی ترا جلال کفر کی صف اُلٹ گئی		جھک گئی گردنِ ہُبل ٹوٹ گیا طلسم لات
آنکھ کے اک اشارہ سے تونے معاً بدل دیئے		ذہن کے سب تصورات قلب کے سب تاثرات
چوں و چگونہ و چراتا بکجا و تا بکے		حل کئے ایک بات میں تونے یہ سرمدی نکات
غیر کو خویش کردیا نیش میں نوش بھر دیا		پل میں درست کردیئے بگڑے ہوئے تعلقات
کیا ہی وہ انقلاب تھا ڈھل گئے جسمیں ایک ساتھ		لزبن و پیرس و دمشق ،پیکن و دہلی و ہرات
ازسر نو کیا گیا دودۂ آدم ارجمند		اٹھ گئی قیدِ خون ورنگ، مٹ گیا فرق نسل وذات
شان خدائے پاک تھی یثربیوں کی سادگی		جس پہ نثار ہوگئے سب عجمی تکلفات
تیری ثنا میں تر زباں ہو گیا جو مری طرح		اس کے قلم میں آگئی، شانِ روانی فرات
پست و بلند کے لئے عام ہیں تیری رحمتیں		عرش سے اور فرش سے تجھ پہ سلام اور صلوۃ
اے کہ رواں رواں ترا درد میں ہے بسا ہوا		کس کو تیرے سوا سنائیں جاکے ہم اپنی مشکلات
سر پہ اندھیری رات ہے گھر گئی ہے بھنور میں ناؤ		موج بلا ہے تاک میں دور ہے ساحل نجات
تھام کے پایہ عرش کا کربہ ادب یہ التجا		اے کہ ہے مبدءِ فیوض ایک فقط تیری ہی ذات
بندے بھلے ہوں یا برے تو تو ہے اے خدا کریم		قطع ہو کیوں کریم کا سلسلہ نواز شات
موردِ لطف خاص پر کس لئے آج یہ عتاب		ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات!